

اُردو

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

اردو

جلد ۱۰ حصہ ۳۹

جولائی سنہ ۱۹۳۰ع

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرست مضامین

روسی ادب

دوسرا باب

پہلی کوششیں

از

جناب محمد مجیب صاحب - بی - اے - آنرز (آکسن)

ولاجی مر بادشاہ کی ئف کے عہد میں (۹۷۰ - ۱۰۱۵) مذہب عیسوی کا روس میں پرچار شروع ہوا ' اور مذہب کے ساتھ ھی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا. اس وقت تک اُن سلاف نسلوں کی جو روس میں آباد ھو رھی تھیں کوئی اپنی تحریری زبان نہیں تھی ' اور بازنطینی کلیسا کے اُن مبلغوں اور سفیروں نے جو روسیوں کو عیسائی بنا رہے تھے سلاف زباں کی ایک شکل کو جو بلغاریہ کے اطراف میں بولی جاتی تھی اور جس میں یونانی زبان کے الفاظ کثرت سے تھے اس نئے کلیسا کی باضابطہ زبان قرار دیا. انجیل کا اس زبان میں ترجمہ موجود تھا ' اور یوں انھیں طالب علموں کو یہ نئی زبان سکھانے میں ایک آسانی بھی ھوگئی. کی ئف میں کلیسا کی بنیاد پڑتے ھی مذھبی بزرگوں کے مقولوں ' وعظوں اور خطوں کو نقل اور ترجمہ کرنے کی رسم جاری ھوگئی ' اور مذھبی رنگ کی تصانیف کا ذخیرہ رفتہ رفتہ بڑھنے لگا —

عیسائی مذھب کی اشاعت کے ساتھہ جابجا خانقاھیں قائم ھونے لگیں. جیسا کہ اور ممالک میں بھی ھوا ھے ' روس میں رھبانوں نے اپنے زمانے کی یادگار زندہ رکھنے کے لئے وقائع نگاری شروع کردی - نسٹؤر کی تصنیف' جو ۸۲۲ سے ۱۱۱۰ ع

تک کے حالات بیان کرتی ہے وقائع نگاری کا پہلا نمونہ ہے ۔ اکثر محققوں کی رائے ہے کہ نسٹوّر در اصل ایک فرضی ہستی ہے ' اور اس کی تصنیف میں مختلف اجزا ہیں جن کی زبان اور طرز تحریر مختلف زمانوں اور مصنفوں کا پتہ دیتا ہے ۔ نسٹوّر کی روس کے بہت سے رہبانوں نے پیروی کی ' اور اس وقت سے ایکر سترھویں صدی تک کی روسی تاریخ رہبانوں کے وقائع میں ملتی ہے ۔ لیکن افسوس ہے کہ ان وقائع نگاروں نے اصل واقعات لکھنے سے زیادہ اس شہر یا شاہی خاندان کی عظمت جتانے کا خیال رکھا جس سے ان کا تعلق تھا اور اس طرح سے اپنی تاریخی حیثیت بہت گرا دی ۔ زبان کے رو سے ان مصنفوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اس سلاف زبان کے بہت سے الفاظ استعمال کئے جو بول چال میں رائج تھی ' اور اگرچہ ان کی زبان الفاظ اور نحو کے لحاظ سے خالص روسی نہیں کہی جاسکتی ' لیکن اس میں قومی عنصر اس قدر شامل ہو گیا تھا کہ وہ محض بازنطینی یا قدیم سلاف نہیں رہی ۔

وقائع اور خالص مذہبی تصانیف کے علاوہ سولھویں صدی سے پہلے کی دو تاریخی داستانیں ہیں ' " ئی گوّر کے حملے کی داستان " اور " زدوّن شچینا " ' جو بڑی حد تک اول الذکر کی نقل ہے ۔ " ئی گوّر کے حملے کی داستان " کی ئف نے بادشاہ ئی گوّر کی پولوٗتسی نسل سے ' جو روس کے جنوب مشرقی حصہ میں آباد تھی ' ایک لڑائی کا قصہ سناتی ہے ۔ ئی گوّر جب اپنے بانکوں کو لیکر روانہ ہوا تو اس نے راستے میں بہت سی بد شگونی کی علامتیں دیکھیں ' لیکن اس نے ان کی مطلق پروا نہیں کی اور آگے بڑھتا چلا گیا ۔ آخر کار پولوٗتسی کے لشکر سے مقابلہ ہوا ' اور لڑائی میں ئی گوّر نے شکست کھائی ' اگرچہ جنگ میں پرندے اور درندے روسی فوج کی اپنے اپنے طور سے حمایت کر رہے تھے ' اور خود روسی بڑی انتہائی بہادری اور جاں فشانی سے لڑے ۔ ادبی نقطۂ نظر سے اس داستان کا جوہر ئی گوّر کی ملکہ یاروسلاونا کا نوحہ ہے ' جب وہ شہر پوتیول کی فصیل پر بیٹھی ئی گوّر

کا راستہ دیکھہ رهی تهی ' اور اس کے دل میں هر طرح کے اندیشے پیدا هو رهے تھے۔

" یاروسلافنا کی آواز کوئل کی فریاد کی طرح گونجتی هے : سورج نکلتے هی گونجتی هے :

" میں کوئل بن کر دریا کے کنارے کنارے اڑ کر جاؤں گی - میں اپنی سمور کی آستینیں کیالا دریا میں بهگوؤں گی : ان سے اپنے شہزادے کے زخم دهوؤں گی - اپنے سورما کے کاری زخموں کو ۔

یاروسلافنا پوتیفل کی فصیل پر آہ و زاری کرتی هے ۔

" اے هوا' بیدرد هوا ! میری آقا' تو اتنی تیز کیوں چل رهی هے ؟ تو اپنے هلکے پروں پر خان † کے تیر کیوں اڑا کر لائی ' کہ میرے سورما کی فوج پر گریں؟ کیا وهاں ' اوپر بادلوں میں اڑنے سے تیرا جی نہیں بهرتا ؟ سمندر پر جہازوں کو جهولا جهلانے میں جی نہیں لگتا ؟ تونے میرے پیارے کو زمین پر کیوں اٹها دیا ؟

یاروسلافنا پوتیفل کی فصیل پر آہ و زاری کرتی هے ۔

" اے شاندار ڈنیپر * ' تونے چٹانوں بهری پہاڑیوں کو چهر کر پولوتسی کے ملک تک اپنا راستہ بنایا هے ۔ تو سفیاتوسلاف ‡ کی کشتیوں کو لے گیا تها ' جب وہ کوبیاک خان سے لڑنے گیا ۔ آہ ' میرے آقا ' میرے شوهر کو میرے پاس پهر پهنچا دے ' اور میں تیرے دهارے میں سمندر کی طرف اپنے آنسو بہانا چهوڑ دوں گی ۔

یارو سلافنا پوتیفل کی فصیل پر آہ و زاری کرتی هے ۔

" اے روشن سورج ' اے چمکتے دمکتے سورج ! تو اپنی گرمی سب تک

---

† پولوتسی کا سردار ۔ آگے چل کر معلوم هوتا هے کہ اس کا نام کوبیاک تها ۔

* جنوبی روس کا ایک دریا ۔

‡ ڈنیپر کا دوسرا نام هے ۔

پہنچاتا ہے ' سب کے لئے چمکتا ہے. تونے اپنی جلتی ہوئی کرنیں میرے شوہر کے جوانوں پر کیوں برسائیں ؟ تو نے ان خشک میدانوں میں ان کے ہاتھوں میں ان کی کمانوں کو سکھادئیں ؟ تو ان کو پیاسا کیوں کرتا ہے ' ان کے تیروں کو ان کے کندھوں پر بھاری کیوں کر رہا ہے ؟ " ●

" ئی گور کے حملے کی داستان " بارھویں صدی کے آخر یا تیرھویں کے شروع میں تصنیف کی گئی ' اور " زدونشچی نا " روسیوں اور تاتاروں کی ۱۳۷۰ کی ایک لڑائی کا بیان ہے . یہ زمانہ اس قسم کی داستانوں کے لئے موزوں تھا ' اور غالباً یہ دو یادگاریں جو محفوظ رہیں اپنی جیسی بہت سی مثالیں رکھتی ہوں گی . لیکن پندرھویں ' سولھویں اور سترھویں صدی میں کلیسا نے ' اس خیال سے کہ ایسی کہانیاں بیدینی کا باعث ہوتی ہیں ' لوگوں سے ان کی یاد بھلانے کی بہت سخت کوشش کی ' اور عوام کے گیتوں کی طرح یہ بھی دختر مذہبیت کے بھینٹ چڑھیں . روسی ادب کو اس طرح سے جو نقصان پہنچا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے .

تیرھویں صدی میں تاتاریوں کے کُشت و خون کے بعد ماسکو کی ریاست کا عروج ہوا ' اور اس کے ساتھ ہی وہ شگفتگی جو روسی قوم اور اس سے قبل کی تصانیف اور گیتوں وغیرہ میں پائی جاتی ہے ' بالکل ناپید ہوگئی . وقائع نگاری تک کا انداز بدل گیا . نوت گورود' ولادیمیر ' پسکوف اور دیگر بڑے شہروں کے وقائع نگار جو اپنی مقامی زندگی سے بیحد دلچسپی ظاہر کرتے تھے ماسکو کی ریاست کے گن گانے میں مصروف ہوجاتے ہیں ' اور روکھے سوکھے واقعات کے سوا کچھ نہیں لکھتے. سولھویں صدی میں پوپ سلویسٹر کی کتاب "گھر کا نظام" ' زار ایوان چہارم اور امر کے باغی امیر کُربسکی کے خطوط ' اور کُربسکی کی ایک تاریخ روس ہی اس دور کی ادبی یادگاریں ہیں جو تیرھویں صدی سے شروع ہوا اور اٹھارویں صدی میں پیٹر اعظم کی اصلاحوں کی

● کروپوٹکن : " روسی ادب " .

بدولت آخرکار ختم ہوا۔ سلوستر کی تصنیف ادب سے زیادہ روسی معاشرت کی تاریخ میں اہمیت رکھتی ہے۔ اس میں روسی گھر گرستی والوں کو طرح طرح کے مشورے دئیے گئے ہیں اور عیسائی مذہب کے مطابق ان کے جو حقوق و فرائض ہیں وہ سب سمجھائے گئے ہیں۔ روسی عورتیں اس کتاب کے نام سے جلتی ہیں، کیونکہ اس میں شوہروں کو اجازت دی گئی ہے کہ بدمزاجی یا نافرمانبرداری کی سزا میں اپنی بیویوں کو مارا کریں۔ کتاب کے مصنف نے تاکید کردی ہے کہ ایسی چیز سے نہ مارنا چاہئے کہ بیوی کے زخم پڑجائیں یا ہڈی پسلی ٹوٹ جائے، نہ ایسی جگہ پر کہ ہمسائے اس کے رونے پیٹنے کی آواز سن سکیں، مگر معلوم ہوتا ہے یہ تاکید روسی عورتوں کے لئے باعث تسلی نہیں ہوئی ہے۔ "گھر کے نظام" کے علاوہ اس صدی کی دوسری ادبی یادگار، زار ایوان اور کربسکی[۸] کے خطوط ہیں "گھر کے نظام" کی طرح صرف ضمناً ادب میں شامل کئے جاسکتے ہیں، کیونکہ زار اور اس کے باغی امیر کے درمیان سیاسی مسائل پر بحث ہوتی تھی، اور دونوں نے نہایت بیہودگی، بھدی اور پیچیدہ زبان میں اپنے خیالات ادا کئے۔ اگرچہ زار ایوان کی عبارت میں اس کی طبیعت کے زور اور قوت کا کچھ عکس نظر آتا ہے۔ کربسکی کی تاریخ روس ایوان کے مظالم کی داستان سنانے کی غرض سے لکھی گئی تھی۔ زبان اور طرز تحریر کے رو سے اس کی کوئی وقعت نہیں۔

پیٹر اعظم (۱۶۸۲ تا ۱۷۲۵) نے روسی ذہنیت پر دینی کے بجائے دنیاوی رنگ چڑھانا اپنی زندگی کا ایک اہم مقصد قرار دیا تھا اور یہ اسی کی اصلاحوں کا نتیجہ تھا کہ روسی ادب کو کلیسا کے پنجے سے رہائی ملی۔ اس کی تخت نشینی کے ساتھ جس طرح روسی ریاست نے نیا جنم لیا ویسے ہی روسی ادب میں بھی نئی جان پڑ گئی۔ اس زبان کی جس نے انیسویں صدی میں اپنے جوہر دکھائے، اس ذہنیت کی جس میں روسی تخیل نے پرورش پائی، اس معاشرت کی جو روسی قوم نے بالآخر اختیار کی، پیٹر اعظم کے عہد میں بنیاد ڈالی گئی، اور صحیح معنوں میں روسی ادب کی تاریخ اسی زمانے

سے شروع ہوتی ہے ۔ پیٹراعظم کو ادب سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن' اسے یقین تھا کہ تعلیم کے بغیر اس کی اصلاحیں بالکل سطحی رہیں گی اور ان میں [illegible] روسی زبان [illegible] بہت [illegible] اس نے [illegible] تمام [illegible] درائی اور [illegible] صلاح کے خلاف [illegible] (۱۶۷۰ [illegible] ۱۷۰۶) اور [illegible] کی تصانیف [illegible] پیٹرعظم کے [illegible] اصلاح اور [illegible] ایک ایسا [illegible] اور ادبی [illegible] (۱۶۸۱ - ۱۷۳۶) [illegible] اس کی تصانیف [illegible] میں ایک [illegible] شامل [illegible] اور ایک [illegible] زندگی کی امیدوں سے [illegible] پیٹراعظم [illegible] عصر [illegible] پولوش[illegible] تھا جس نے اپنی تصنیف میں [illegible] قوم کی اصلاح کرنے کی ترغیب دلائی' اور بادشاہ کو [illegible] صحیح اصول سمجھانے کی کوشش کی۔

[illegible] اس وجہ سے کہ [illegible] اپنی کمی اور کمزوری محسوس کرتے تھے' پیٹراعظم اور قومی اصلاح کے حامیوں نے انشاپردازی کا ہتیار اُٹھایا اور اسی کو اپنے خیالات کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ۔ لیکن شروع میں نہ تو یہ ہتیار ایسا تھا کہ اس کے وار کارگر ہوسکیں' نہ اسے استعمال کرنے والے ایسے ماہر کہ اس کی خامیاں دور کرسکیں ۔ ابجد کی اصلاح اور بیرونی زبانوں کے ترجموں نے صرف ایک ہی مشکل

• ہندسے عربوں کی ایجاد ہوں اور اس وقت یورپ میں جو ہندسے مستعمل ہوں اسی وجہ سے عربی کہلاتے ہیں ۔

حل کی۔ روسی انشاپردازوں کو ابھی بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا تھا' بہت سے مرحلے طے کرنا' جن میں سب سے پہلا اپنے فن کو سیکھنا' اور سکھانے کے لئے انداز تلاش کرنا تھا۔ "روسی زبان میں بھی نازک احساسات اور خیالات ادا کرنے کی صلاحیت نہ تھی' اس لئے کہ وہ [illegible] قدیم ملت اور مقدس علوم کی درنیوں کا ادب بے ترتیب مجموعہ تھی' جس میں تقریباً ہر حالت نے الفاظ اور محاورے بھی شامل ہوگئے تھے۔ اس پر لکھنا [illegible] سے موزوں قواعد بنی تھیں جس سے مطابق اصلاح کی جا سکے قدیم ملت زبان سے ابھی ترک کردئے گئے تھے' کیونکہ ان میں جدید مضامین بیان کرنے کا امکان نہ تھا' اور نئی روسی زبان کے قواعد ابھی مرتب نہیں ہوئے تھے۔ [illegible] روسی انشاپردازوں کی پہلی کوششیں زبان کو درست کرنے اور جدید ادب کے لئے موزوں بنانے میں صرف ہوئیں۔ روسی انشاپردازی کو خود مختار بننے کے لئے بڑے عرصے تک شاگردی اختیار کرنی پڑی اور اس کے استاد فرانسیسی شاعر' مفکر اور نقاد تھے۔" •

روسی ادب کے اس دور کی چار ہستیاں خاص اہمیت رکھتی ہیں کہ انہوں نے جدید انشاپردازی کی بنیاد ڈالی اور اپنی کوششوں سے دوسروں کی مشکلیں قدرے آسان کردیں۔

نواب † اَنتیوخ کانتیمر (۱۷۰۹ - ۱۷۴۴) مولداویا کے ایک امیر کا لڑکا تھا جس نے روس میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ کانتیمر نے ماسکو میں جدید طرز پر تعلیم پائی تھی اور شروع ہی سے پیٹر اعظم کی اصلاحوں کا حامی تھا۔ جب پیٹر اعظم کے انتقال کے بعد قدامت پسند جماعتوں

• اَوسِ ملوفسکی : " روسی ادب "

† روسی لقب " کنیاز " کا ترجمہ اکثر " پرنس " یعنی شہزادہ کیا جاتا ہے : یہ ترجمہ غلط ہے' اور چونکہ اردو میں خاص طور سے غلط فہمی کا اندیشہ ہے اس لئے اس کا ترجمہ " نواب " کیا گیا ہے' جو عہدے اور درجے کے لحاظ سے بہت زیادہ صحیح ہے

نے اس کی تمام جدتوں اور اصلاحوں کو رد کردینے کا تہیہ کیا تو کانتیمر نے ان کی عملی اور تحریری مخالفت کی۔ لیکن اس کی شخصیت ایسی نہیں تھی کہ وہ کوئی خاص اثر پیدا کرسکے۔ اسے اپنی قوم کی گمراہی اور قومی رہبروں کی تنگ نظری سے جو صدمہ پہنچتا رہا، اس کی تصانیف کا محرک تھا، اور اسی کی وجہ سے اس کی تصانیف طنزیہ ہیں۔ اس کی سب سے قابل قدر ادبی یادگار ایک طنزیہ نظم ہے جس میں اس نے نئی روشنی کے مخالفوں اور ان کی ذہنیت کی ایک مضحکہ خیز تصویر کھینچی ہے۔ نظم کے "ہیرو" ایک پادری کریتون، اور تین رئیس سلوان، لوکا اور میدور ہیں۔ یہ لوگ نئی روشنی اور جدید تعلیم کے مسئلے پر اپنے خیالات ظاہر کرتے ہیں۔ کریتون کہتا ہے:

"فرقہ بندیاں اور الحاد، یہ علوم کی اولاد ہوتے ہیں۔
جو سب سے زیادہ غور کرتا ہے وہی جھوٹ بھی سب سے زیادہ بولتا ہے۔
جو کتابیں پڑھتا ہے خود بخود اپنا دین کھو بیٹھتا ہے...
جسے دیکھو باتیں بناتا ہے، ہر بات کی وجہ، دلائل مانگتا ہے،
اور کلیسا کے عہدہ داروں کا ادب نہیں کرتا۔
لوگوں کے اخلاق بگڑ گئے ہیں، کوئی کواس* نہیں پیتا،
کیا مجال ہے کوئی بیوقوف گوشت چھو بھی لے..."

سلوان علوم پر دوسرا الزام لگاتا ہے

"تعلیم" وہ کہتا ہے، "ہم کو فاقے کراتی ہے۔ اس سے قبل
جب ہم میں سے کوئی لاطینی زبان نہیں جانتا تھا
ہم بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔

---

* پھلوں کا ملکی شربت جو روس میں کثرت سے پیا جاتا ہے

جہالت میں ہمارے پاس روٹی افراط سے تھی : اب ہم نے
پرانی زبانیں سیکھہ کر اپنی روٹی گنوادی ہے ...
بحث مباحثہ ' الفاظ میں اگلے پچھلے کا فرق کرنا کمینوں کا کام ہے '
شریف آدمی تو بس کڑک کر " ہاں " کہتے ہیں یا گرج کر " نہیں " .

کانتےمر کی نظم پڑھنے سے ان دشواریوں کا اندازہ ہوتا ہے جو اس زمانے میں روسی انشاپردازی کو درپیش تھیں . وہ عروض کے کسی خاص قاعدے کی پابندی نہیں کرتا اس کی نظم کہیں مرجّز * ہے کہیں موزوں ' محض اس وجہ سے کہ اس وقت تک روسی نظم کے قواعد معین نہیں ہوئے تھے . اس کی زبان بھی کہیں بھاری اور پرانے طرز کی ہے ' کہیں پر ایسی روز مرہ جس پر بازاری ہونے کا شبہہ ہوتا ہے ' اور اس معاملے میں اس پر کوئی الزام بھی نہیں لگایا جاسکتا ' کیونکہ روس میں در اصل ابھی تک کوئی ادبی زبان تھی ہی نہیں . عروض اور زبان کے قواعد بنانے کی خدمت ترج یاکوفسکی اور لومونوسوف ' دو عالموں نے انجام دی .

وسیلئی کیریلووچ ترج یا کوفسکی (۱۷۰۱-۱۷۶۹) اپنے زمانے کے بہترین عالموں میں سے تھا . اسے علم کا اتنا گہرا شوق تھا کہ ماسکو کے دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہوکر وہ پیدل بھیک مانگتا ہوا پیرس گیا ' اور وہاں مختلف شرفا کی سرپرستی میں پڑھتا رہا . وطن واپس ہونے پر اس کے ادبی ذوق کی خبر ملکہ† تک پہنچی ' دربار میں اس کی رسائی ہوگئی اور رواج کے مطابق اسے خاص خاص موقعوں پر نظمیں پڑھنے کا حکم ملنے لگا .

فرانسیسی شاعروں کی نقل میں روسیوں نے بھی مرجز نظمیں لکھنی شروع کردی تھیں ترج یا کوفسکی نے یہ ثابت کردیا کہ روسی زبان کی خصوصیات دیکھتے

---

* جس طرح نثر مرجز میں قافیہ نہیں ہوتا ' وزن ہوتا ہے ' اسی طرح عروض کے اس قاعدے میں قافیہ نہیں ہوتا اور الفاظ کے ارکان کے مطابق وزن ہوتا ہے . فرانسیسی نظم میں بھی قاعدہ رائج ہے .

† ملکہ الیزابیتا پتروونا (۱۷۴۱ - ۱۷۶۱)

ہوئے نظم کو نثر نویسی کرنے کا قاعدہ اختیار کرنا بہتر ہوگا کہ وہ نظمیں جو اس نے اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لئے یا ملکہ کی فرمائش پر لکھیں نہایت مہمل تھیں ۔ موزوں نظم رائج کرانے کے علاوہ ترےدیاکوسکی نے روسی علم نحو میں بہت قابل قدر اضافہ کیا ' اور یہ ترتی جو تک اسی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ روسی نحو کے قواعد بہت جلد ایک مستقل اور معین شکل میں مدون ہوسکے ۔ ان علمی خدمات کے ساتھ ہی روسی ادب پر اس کا ایک اور احسان یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے اسی نے تعلیم یافتہ روسیوں کو ان کے ادب العلوم کی طرف متوجہ کیا اور انہیں اس کی خصوصیات اور خوبیاں سمجھائیں ۔ اس موضوع پر اس کے چند بہت اچھے مضمون اب تک موجود ہیں ۔

میخائل وسیلیویچ لومونوسوف (۱۷۱۱ - ۱۷۶۵) ایک خوشحال کسان کا لڑکا تھا ۔ بچپن ہی سے اس نے غیر معمولی قابلیت کا ثبوت دیا ' اور شوق نے اسے علم کی جستجو پر ایسا مجبور کیا کہ سترہ سال کی عمر میں وہ اپنا پیدائشی شہر آرخانگل چھوڑ کر ماسکو چلا گیا ۔ یہاں اسے شروع میں بہت مصیبتیں اٹھانی پڑیں ' لیکن رفتہ رفتہ اس نے اپنی استعداد تسلیم کرالی ' اور جب وہ ماسکو کے دارالعلوم سے سند حاصل کرچکا تو ریاست کی طرف سے اسے جرمنی جاکر اپنے علمی حوصلے پورے کرنے کے لئے وظیفہ ملا ۔ جرمنی سے وہ نہایت وسیع اور ہمہ گیر علمی ذخیرہ لے کر روس واپس ہوا ۔ 'اولیر' جرمنی کے مشہور عالم ریاضیات نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ علوم طبعی اور کیمیا میں اس نے جو کام کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بہت غیر معمولی ذہانت کا عالم ہے ۔ معدنیات اور طبعی جغرافیہ میں بھی اسے بہت ملکہ تھا : اور ان علوم کے علاوہ وہ ادب اور لسانیات کا بھی ماہر تھا شاعر پشکن نے بہت بجا کہا ہے کہ " لومونوسوف پہلا روسی دارالعلوم تھا "

لومونوسوف کی ذات سے روسی ادب کو جو فائدہ ہوا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے ۔ اس نے روسی زبان کو کلیسا کی سلاف زبان سے بالکل علیحدہ کردیا ' اور اسے سلجھانے

اور صاف کرنے کا سلسلہ جو پیٹراعظم کے زمانے سے شروع ہوا تھا اپنی کوششوں سے تکمیل کو پہنچایا اس کے ساتھ ہی اس نے بیرونی زبانوں سے الفاظ اخذ کرنے اور انہیں اپنانے کے لئے قواعد بنائے ' اور نئی روسی زبان کے قواعد صرف و نحو ایک کتاب کی شکل میں شائع کئے جو اب تک سند مانی جاتی ہے . ان اصولوں کے مطابق اس نے طبع آزمائی بھی کی . معاصرین اسے بہترین یونانی اور رومن کلاسیکی شاعروں کا ہم پلہ قرار دیتے تھے ' اور گو اس رائے میں بہت مبالغہ معلوم ہوتا ہے ' پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ روسی شاعر ' خصوصاً انیسویں صدی کے نصف اول میں اسے استاد مانتے رہے ' اور اس کی نظمیں زبان اور محاورے کے لحاظ سے بہت اعلیٰ ہیں . لیکن لومونوسوف دراصل عالم تھا . باوجود اس کی فصاحت اور بلاغت کے ہمیں اسے شاعر کی حیثیت سے نہیں جانچنا چاہئیے اس کے زمانے کی تعلیمی حالت ایسی تھی کہ ہر کس و نا کس کو جو تک بندی کرسکتا تھا عام رائے شاعر بنادیتی تھی ' اور لوگوں کو اس طرح خواہ مخواہ کے شاعر بنانے میں خود دربار بہت پیش پیش رہتا تھا . اس قدردانی سے روسی انشاپردازی کی کسی قدر ہمت افزائی تو ضرور ہوئی ' لیکن اس بات پر افسوس ہوتا ہے کہ اس قدردانی کی وجہ سے لومونوسوف جیسے عالم نے درباری شاعری پر اپنا وقت ضائع کیا ' اور روس میں علوم و فنون کو فروغ دینے پر اپنی پوری قوت صرف نہ کرسکا .

لومونوسوف کی نظمیں تعداد میں بہت ہیں ' مگر ان میں سے اکثر دربار کی فرمائش پر لکھی گئی تھیں اور ان میں کوئی خاص خوبی نہیں ' اس کے کلام کا بہترین حصہ چند نظمیں ہیں جو اس نے حمد میں لکھیں . " حمد سحرگاہی " کا ایک بند ملاحظہ ہو :

" یہ ہیبت ناک کرۂ آتشیں تیرے نزدیک ایک چنگاری ہے .
ہاں ' جب تو اس چراغ کو روشن کرتا ہے ' کہ تیری مخلوق '
جسے تو نے اپنے شوق سے بنایا ' جسے تو اپنی رحمت سے زندہ رکھتا ہے '

محنت کرسکے اور اپنی حاجتیں پوری کرے '

تو کوہ اور دشت ' صحرا اور دریا
رات کی تاریکی سے نجات پاتے ہیں ؛
ہماری نظروں کے سامنے تیری کائنات کا منظر
بے پردہ ہو جاتا ہے اور تیرے کرشمے دیکھ کر
ہمارے دلوں سے خود بخود آفریں کی صدائیں نکلتی ہیں :
' بے شک ہمارا خدا احسن الخالقین ہے ! "'

اس نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ لومونوسوف کے وقت تک روسی شاعری نے بہت کم نشوونما پائی تھی : لیکن لومونوسوف کے کلام میں بڑی خوبی اس کی اپج ہے . اس نے کلاسکی شاعری کو اپنا معیار قرار دیا تھا ' اور اکثر اس کی پیروی کرتا تھا ' مگر اس کی شاگردی میں بھی ایک متانت تھی جو اس کے معاصرین میں بہت کمیاب تھی ' خواہ وہ انشاپردازی میں طبع آزمائی کرتے ہوں یا نہ کرتے ہوں . اس بیجا تقلید کی جو اس زمانے میں روسی ذہنیت کا ایک روگ بن گئی تھی الکسئی پتروویچ سوماروکوف (۱۷۱۸ - ۱۷۷۷) ایک عبرت انگیز مثال ہے . سوماروکوف کو روس کا پہلا ڈراما نویس ہونے کا فخر حاصل ہے . اس نے نو المیہ اور تقریباً پچاس فرحیہ ڈرامے لکھے ' جن میں سے اس کے المیہ ڈرامے خاص طور سے مقبول ہوے . اس نے فرانس کے مشہور ڈراما نویس کورنے ئی * رسین † اور

---

* پی‌ئر کورنے‌ئی (۱۶۰۶ - ۱۶۸۴) فرانسیسی ڈراما نویسی کا بانی . اس کے ڈراموں کے اشخاص قدیم یونان اور روما کے مشاہیر ہیں ' مگر ان کے کیرکٹروں میں فرانسیسیت کی آمیزش ہے . کورنےئی کا موضوع عموماً اعلی اور ادنی جذبات کی جنگ ہے ' اور اس کے کیرکٹر دراصل جیتے جاگتے انسانوں کے عکس نہیں بلکہ مختلف اخلاقی خصوصیتوں کے مجسمے ہیں .

† ژاں رسین (۱۶۳۹ - ۱۶۹۹) نے بھی کورنےئی کی طرح قدیم یونان اور روما کی شخصیتوں کو اپنے ڈراموں کے اشخاص بنایا . کورنےئی کے مقابلے میں اس کے پلاٹ بہت سلجھے ہوئے ہیں ' اور زبان میں بھی اسے زیادہ ملکہ ہے .

مولی ئیر ‡ کا بہت گہرا مطالعہ کیا تھا اور اپنے ڈراموں میں زیادہ تر اِن استادوں کی نقل اتارنے کی کوشش کی ۔ یہ استاد خود ' خصوصاً رسین اور کور نے ئی تصنع اور مردہ قواعد کے بندے تھے ' سوماروکوف نے ان کی نقل کر کے اپنی طبیعت اور مذاق کے ظاہر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی ' اور یہی اس کی تصانیف کی سب سے نمایاں خامی ہے ۔ معاصرین اس کے بلند پرواز طرز بیان اور دقیق فلسفے سے بہت مرعوب ہوتے تھے لیکن اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان کا معیار بہت گرا ہوا تھا ' اور چونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جس کسی نے فرانسیسی انشاپردازوں کی کامیابی سے نقل اتارلی وہ عروج کی انتہا تک پہنچ گیا ' انھیں سوماروکوف کے ناقابل برداشت تصنع اور خیالات کی کھلی چوری سے شکایت نہیں ہوتی تھی ۔

آخر عمر میں سوماروکوف کو معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت ڈراما نویسی کے لئے اتنی موزوں نہیں جتنی کہانیاں لکھنے اور طنزیہ شاعری کر نے کے لئے ۔ اس کے کلام کا یہ حصہ اس کے ڈراموں کے مقابلے میں بہت کم ہے ' مگر ادبی خوبیوں کے لحاظ سے اس کے ڈراموں سے بہت بہتر ہے ۔ سوماروکوف خود اس پر افسوس کرتا تھا کہ اس کا اصل ہنر اس کی نظروں سے اتنے عرصے تک چھپارہا ۔ یہ بیجا تقلید کی سزا تھی ' اور اس سزا کا ملنا انصاف کا تقاضا تھا ۔ لیکن خطا سوماروکوف کی نہیں بلکہ اس کے ماحول یعنی عام روسی ذہنیت ' کی تھی ۔

پیٹراعظم کے مرنے کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی ' مگر اس تعلیم سے ان کی ذہنی نشوونما مطلق نہیں ہوئی ۔ جیسا کہ نوویکوف نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے ' اس زمانے کے بہت سے " جاہل شریف زادوں " کا خیال

---

‡ ژاں بایتست مولی ئیر (۱۶۲۲-۱۶۷۳) فرنچ ڈراما نویسوں کا سرتاج مانا جاتا ہے ۔ زبان اور محاورے کے رو سے اس کی عظمت رسین سے کچھ کم نہیں اور اس کے ڈراموں میں ایک حقیقت نگاری ہے جو اپنا جواب نہیں رکھتی ۔ اس کے اکثر کیرکٹر ضرب المثل بن گئے ہیں ۔

تھا کہ " علم حاصل کئے بغیر بھی آدمی تعلیم یافتہ ہوسکتا ہے ". لوگوں کے دلوں میں ایسے اعلیٰ حوصلے نہیں تھے جو وہ تعلیم کے ذریعے سے پورے کرتے ' اور عام مذاق کو راہ راست پر لانے والا کوئی رہنما بھی نہیں تھا . قدیم روس میں پڑھے لکھے لوگ کم تھے 'کتابیں بہت کم تھیں' اور وہ بھی خالص مذہبی . پیٹر اعظم نے ریاست کے تمام ملازموں کو اپنا علمی ذخیرہ بڑھانے پر مجبور کیا ' اور مطالعے کی وہ حدیں جو کلیسا نے مقرر کی تھیں بالکل توڑ دیں . اس کی کوششوں کا نتیجہ یہ تو ضرور ہوا کہ روس میں جہالت پہلے کی طرح ایک مایۂ ناز نہیں رہی ' " لوگ کتابوں کو دیکھ کر اس طرح نہیں جھجھکتے تھے جیسے دوافروش کی دوکان دیکھ کر " اور ادب بینی کی رسم بھی ایک مجبوری کے طور پر تسلیم کرلی گئی . لیکن ریاست کے دباؤ یا ملازمت کے لئے امتحان پاس کرنے کی شرط سے علمی ذوق نہیں پیدا ہو سکتا تھا . ملازمت کے امیدوار اپنا مطلب حاصل کرنے کی غرض سے تھوڑا بہت پڑھ لیتے تھے مگر وہ معلومات جو اس وقت تک کی ترجمہ کی ہوئی کتابیں بہم پہنچا سکتی تھیں بہت کم تھیں ' اور خاص خاص لوگوں کے سوا ان سے کسی اور کو دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی . تعلیم پھیلنے کا پہلا اثر یوں ظاہر ہوا کہ پڑھے لکھے لوگوں کو' جن میں عورتیں اور لڑکیاں بہت پیش پیش تھیں ' عشقیہ گیتوں کا چسکا لگا ' اور ان گیتوں نے انہیں ان ادنی جذبات پرست ڈراموں اور شہوت انگیز ناولوں کی قدردانی کے لئے تیار کر دیا جو یورپ کے مختلف ممالک اور خصوصاً فرانس میں اس وقت ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لکھے اور پڑھے جاتے تھے . " علم اور ادب لطیف ' جنہیں متحد ہو کر زندگی کے مسائل کو سمجھانا اپنا خاص مقصد بنانا چاہئے ' ان لوگوں کی نظروں میں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوگئے ' اور ان لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تعلیم کے گران اور تلخ جزو کو الگ کر کے اسے خالص مسرت کا ذریعہ بنانا ممکن ہے ' اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہئے . " * چنانچہ ناولوں کے چرچے کے

* کلیوچفسکی : " مضامین اور تقریریں "

ساتھ علم کی وقعت گھٹتی گئی ، لوگ انسانیت کے فرائض ، تہذیب اور شائستگی کے لوازمات سے بیگانہ ہوتے گئے ، اور لذت پرستی کے سوا انھیں اپنی زندگی کا کوئی مصرف نہیں نظر آیا جسے وہ قابل توجہ سمجھتے . یہ لذت پرستی جسمانی سے زیادہ ذہنی تھی ، اور اس نے ان کے تصور میں زندگی کا نقشہ بالکل بگاڑ دیا .

. " ناول نے ان میں حقیقت بینی کی صلاحیت باقی نہیں رکھی ، اور جیسے بچوں کو ان کے گڈے گڑیا سچ مچ کے آدمی معلوم ہوتے ہیں ، ان لوگوں کے نزدیک ناولوں کی خیالی اور وہمی دنیا میں محو ہونا تجربہ حاصل کرنے اور زندگی کا مشاہدہ کرنے کے برابر ہوگیا . پشکن * کی ہیروئن تعدیانہ کی طرح وہ سب رچرڈسن † اور روسو پر جان دینے لگے ... بیرونی ممالک کے ان شرفا کو ، جنھوں نے روس میں سکونت اختیار کی تھی ، روسی سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں میں اکثر ایسی بیگمات اور شریف زادیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا جو چار پانچ بیرونی زبانیں بول سکتی تھیں ، موسیقی میں اچھی استعداد رکھتی تھیں ، اور فرانس، انگلستان اور اطالیہ کے سر بر آوردہ ناول نویسوں کی تصانیف کا مطالعہ کر چکی تھیں . لیکن اس مطالعے کو ایسے علمی ذوق کی طرف منسوب کرنا مشکل ہے جو غور و فکر کی ترغیب دلاتا ہے ...

" عین اس وقت جب جذبات پرست اور شہوت انگیز ناولوں کا دور دورا تھا ، آزاد خیالی کے فلسفے ‡ کا اثر روسی سوسائٹی میں سرایت کر نے لگا . یورپ

---

* پشکن کا ذکر روسی شاعروں کے سلسلے میں آگے آئیگا .

† رچرڈسن (۱۶۸۹ - ۱۷۶۱) انگریزی ناول نویس . ژان ژاک روسو (۱۷۱۲ - ۱۷۷۸) فرانسیسی انشا پرداز .

‡ آزاد خیالی کے فلسفے سے وہ تخیل مراد ہے جس کی فرانس میں اٹھارویں صدی میں بہت تبلیغ کی گئی ، اور جس کا نصب العین انسانی ذہنیت کو جہالت ، تعصب اور مذہب کے آغوش میں پرورش پائے ہوئے اوہام سے آزاد کرنا تھا . بائل (۱۶۴۷ - ۱۷۰۶) وولٹیر (۱۶۹۴ - ۱۷۷۸) ، روسو (۱۷۱۲ - ۱۷۷۸) ، دی دے رو (۱۷۱۳ - ۱۷۸۴) اور دالمبر (۱۷۱۷ - ۱۷۸۳) وغیرہ اس کے مبلغ تھے .

کے کسی ملک میں یہ فلسفہ اپنی بری صورت میں اس طرح نہیں نظر آتا جیسے روس میں ... ملکہ کیتھرین (۱۷۶۲ - ۱۷۹۶) کی تخت نشینی کے وقت روس میں ایسے سمجھدار اور خیر اندیش مدبر موجود تھے جو اصلیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اس فلسفے سے ریاست، قانون اور عام زندگی کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے... لیکن عام لوگوں میں یہ فلسفہ اس وجہ سے نہیں مرغوب ہوا کہ انھوں نے نئی زندگی تعمیر کرنے کے منصوبے باندھے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ وہ انھیں اپنی قوم کی ذہنیت اور اپنے ماحول پر نکتہ چینی کرنے میں مدد دیتا اور نکتہ چینی میں چٹپٹاپن پیدا کردیتا تھا. روس کے جدید ترین طرز پر تعلیم پائے ہوئے طبقوں نے نکتہ چینی کا وہ انداز جو یہ فلسفہ سکھاتا تھا بہت شوق سے اور بہت جلدی اختیار کرلیا، خصوصاً اس وجہ سے کہ حسب حال ہونے کے علاوہ اس میں نمک مرچ بہت تھا. رات کے پتنگوں اور پروانوں کی طرح ان کی غور و فکر سے ناآشنا طبیعتیں اس زمانے کے شوخ اور بیباک ذہنی رہبروں کے مقولوں پر اندھا دھند ٹوٹ پڑیں، اور ان کی عقل سلیم کا وہ حصہ جو عشقیہ نظموں اور ناولوں سے بچ رہا تھا ان مقولوں کی آگ نے جلا کر غارت کردیا ... " • اس تباہی کا الزام در اصل اس تخیل اور فلسفۂ حیات پر نہیں لگایا جا سکتا جو اس کا باعث ہوا، کیونکہ وہ روسی جن کی عقل سلیم تباہ ہوئی حقیقت میں اس کے متعلق بہت سطحی اور اکثر غلط معلومات رکھتے تھے. " ڈراما نویس فون‌وی‌زن کا بیان ہے کہ اس زمانے میں نوجوانوں نے حلقے قائم کئے تھے جن کی غرض فلسفیانہ بحث مباحثہ تھی، لیکن مذہب کی توہین اور مقدس چیزوں کی بے آبروئی کرنے کے سوا ان فلسفیوں کا اور کوئی شغل نہ تھا. وولٹیر †

• کلیوچیفسکی : " مضامین اور تقریریں ".

† فرانس کا مشہور انشاپرداز (۱۷۷۸ - ۱۶۹۴) ، مذہبی رواداری کا حامی، تعصب کا دشمن. طنز میں یکتا تھا.

کے اکثر روسی پیرو جنھوں نے اس کے بارے میں محض افواھیں سنی تھیں اسے الحاد کا مبلغ * سمجھتے تھے ، اور روسو کی تصانیف سے انھوں نے صرف اتنا سیکھا تھا کہ عقلمندی کا اصل جوھر علم کے فریب سے بچا رھنا ھے † . یوں آزاد خیالی کے فلسفے نے اس جہالت اور ذھنی جمود کو جو روس میں پہلے سے موجود تھا حق بجانب در دکھایا اور اسے تقویت پہنچائی ‡ " . نئے خیالات نے روسی سوسائٹی کی کوئی ذھنی یا روحانی حاجت نہیں پوری کی . ان سے لوگوں کو ویسی ھی دلچسپی تھی جیسی غیبت کرنے اور سننے ، یا شہوت انگیز ناولوں کی تصویریں دیکھنے سے ھوتی ھے . " فلسفیانہ تضحیک نے وولٹیر کے روسی پیرو کو ھر سماجی اور اخلاقی پابندی سے آزاد کردیا ، پولیس والے کے سوا اسے اورکسی کا خوف نہیں رھا ، جسمانی تکلیف کے سوا اس کے دل میں اور کسی قسم کا درد محسوس کرنے کی صلاحیت نہیں رھی ... روسی ذھنیت ، جس میں یورپ کے بصیرت افروز اثرات نے یہ کیفیت پیدا کردی تھی حقیقت میں یورپ کی تہذیب نہیں حاصل کر رھی تھی بلکہ ایک مسالہ دار اور ثقیل غذا اختیار کرنے سے جس کی وہ عادی نہیں تھی اپنے آپ کو بیمار کر رھی تھی . اسی دوا نے جو کسی زمانے میں اس کی صحت کی اصلاح کے لئے تجویز کی گئی تھی روسی قوم کے پرانے امراض اور ابھار دئے ، اور اب صرف اس کی بیماریوں کا علاج نہیں کرنا تھا بلکہ خود دوا کا " . §

---

* حالانکہ وولٹیر کا مقولہ ھے کہ " اگر خدا نہ بھی ھوتا تو ھمیں کوئی نہ کوئی بنانا پڑتا ".

† روسو نے ۱۷۶۲ میں ایک رسالہ لکھا تھا جس میں اس نے ثابت کیا تھا کہ علوم و فنون انسان کے اخلاقی تنزل کا سبب ھوتے ھیں . اس کا خیال تھا کہ یورپ کی قوموں کو وہ سادہ اور فطری طرز معاشرت اختیار کرلینا چاھئیے جو قدیم یونان اور روما میں رائج تھا . اس کے ناول " ژولی یا نئی ایلوآز " نے ، جس میں اس نے ایسی زندگی کی نہایت دلربا تصویر کھینچی ھے ، فرانسیسی ذھنیت میں ایک انقلاب پیدا کردیا . جیسا کہ وولٹیر نے طنزاً کہا ھے " اسے پڑھکر چاروں ھات پیر پر چلنے کو جی چاھتا ھے ."

‡ کلیوچفسکی : " مضامین اور تقریریں " .

§ ایضاً .

ملکہ کیتھرین دوم (۱۷۶۲ - ۱۷۹۶) روسی روشن خیالی کے اس پہلو سے آگاہ تھی . اس کا اپنا فلسفۂ حیات بھی اسی تخیل پر مبنی تھا جس کی شعاعیں فرانس سے ہر طرف پھیل رہی تھیں . اپنی ذہنی اور اخلاقی بساط کے مطابق اس نے ذاتی طور پر اصلاح کی کوشش کی ' مگر اس کی زندگی کا طریقہ ایسا تھا کہ اس کی رہنمائی سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا . اس کے عہد کے مدبروں میں بھی اس قدر حس تھی نہ قومی زندگی کے دھبوں کو مٹانے کی فکر کریں اور انھوں نے قوم کو تعلیم کی رغبت دلانے اور درسگاہیں قائم کرنے میں بہت سرگرمیاں دکھائیں . لیکن وہ وہم اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگئے . انھوں نے درسگاہیں قائم کیں جن میں نہ استاد تھے نہ طالب علم' اور نہ ان کے لئے درسی کتابیں فراہم کی جاسکتی تھیں . اگر یہ سامان سارا مہیا بھی ہو گیا تو تعلیم یافتہ لوگوں کو پھر وہی ذہنیت جس سے انھیں آزاد کرنا مقصود تھا اختیار کرلینے سے روکنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا . یوں ریاست کی ساری اصلاحی کوششیں ناکام رہیں ' لیکن خود تعلیم یافتہ روسی طبقوں میں دو چار ایسے لوگ پیدا ہوگئے جنھیں ذہنیت کے عام رجحان میں سبک سری اور بدمذاقی نظر آتی تھی ' اور اس امید میں کہ تضحیک سے گمراہوں کی آنکھیں کھل جائیں گی اور وہ اپنی حماقتوں سے باز آئیں گے انھوں نے طنز اور تضحیک کو اصلاح کا آلہ بنایا . پہلی ترکی جنگ کے زمانے میں (۱۷۶۸ - ۱۷۷۴) اس قسم کے انشاپردازوں نے بہت زور دکھایا . ان میں سب سے زیادہ جوشیلا ایک نوجوان سابق فوجی کپتان نوویکوف تھا ' جس کے تین رسالے ' " احدی " " مصور " اور "تھیلی" اس وقت کی انشاپردازی کے کارنامے مانے جاتے ہیں .

نی کولائی ایوانووچ نوویکوف (۱۷۴۴ - ۱۸۱۹) تبلیغ کے کام کے لئے فطرتاً نہایت موزوں تھا ' اور اس کے رسالوں میں جوش کے ساتھ حقیقت بینی اور حقیقت نگاری کا وہ مادہ پایا جاتا ہے جس سے روسی انشاپردازی اس وقت تک

ناآشنا تھی اور جو بعد کو اس کا مایۂ ناز بن گیا ۔ فوروی کوت کے تیروں کا ہدف فرانس کی تقلید کا خبط تھا اور قوم کی اس حماقت کو واضح کرنے اور اس پر لعنت ملامت کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ نہیں باقی رکھا ۔ لیکن وہ خرابی جسے فوروی کوت دور کرنا چاھتا تھا اخلاقی کمزوری یا خالص بداخلاقی نہیں تھی ' بلکہ ایک طرح کی دل کی بیماری ' اور بیماریوں کا علاج کیا جاتا ھے ' مذاق نہیں اڑایا جاتا ۔ روسیوں نے یورپی تہذیب اس بے ڈھنگے پن سے اختیار کی تھی کہ ان کی ذھنیت کو فروغ دینے کے بجائے اس نے ان کی نگاہ دھندلی کردی ' اور چونکہ وہ اپنی اصلیت سے ناواقف تھے اور اپنے آپ سے بیگانہ ' اس ناواقفیت اور بیگانگی نے انہیں اپنی اصلیت سے بےپروا کردیا ' اور بتدریج یہ بےپروائی نفرت اور تحقیر میں منتقل ہوگئی ۔ فوں ویزن کے کیرکٹر اوانوشکا کی طرح روسی اس پر افسوس کرنے لگے کہ وہ روسی تھے ' اور انہیں صرف اس بات سے تسکین حاصل ھوتی تھی کہ "گو ان کے جسم روس میں پیدا ھوئے ان کی روح شاہ فرانس کی تابعدار ھے" ● ۔ ایسی ذھنیت کا علاج تضحیک سے نہیں ھوسکتا' اور خود فوروی کوت نے بھی اسے محسوس کیا ۔ " مصور " میں اس نے ایک مضمون شائع کیا جس میں ایک مصنف اور اس کے ناظرین میں گفتگو ھوتی ھے اور ایک ناظر مصنف سے کہتا ھے : " آپ کو یہ معلوم ھونا چاھئے کہ جس وقت آپ میرا مذاق اڑاتے ھیں میں خود بھی آپ کے ساتھ ھنسی میں شریک ھوتا ھوں " ۔ یعنی مصنف کچھ بھی لکھے ' پڑھنے والے پر اس کا اثر نہیں ھوتا : اگر ھوتا تو ھنسنے کے بجائے وہ خفا ھوتا یا اپنی غلطیوں پر نادم اور شرمندہ ۔ کچھ اس ناکامی کے احساس ' کچھ ریاست کی مخالفت نے نوووی کوت کو یقین دلادیا کہ اس کا طرز عمل صحیح نہیں ' اور اس نے اپنا طریقہ بدل دیا ۔

رسالوں اور مضامین کے ذریعے سے اس نے تعلیم یافتہ لوگوں میں نام پیدا کرلیا

● فوں ویزن اور اس کی تصانیف کا ذکر روسی ڈراما کے تحت میں آئے گا ۔

تھا ۔ ۱۷۷۹ میں وہ ماسکو آیا اور وہاں کے دارالعلوم کا چھاپہ خانہ دس سال کے لئے ٹھیکے پر لیکر کتابوں کی ایک دکان کھولی اور کتابوں کی اشاعت شروع کردی۔ ان ادنیٰ شہوت انگیز اور اخلاق کو برباد کرنے والے ناولوں کے مقابلے میں جو ڈھیروں فرانس اور انگلستان سے منگائے جاتے تھے اس نے انہیں ممالک کے ادب کے بہترین نمونے تعلیم یافتہ روسیوں کے مطالعے کے لئے ترجمہ کرائے ' اور اسی کے ساتھہ ھی درسی کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ روسی درسگاھوں کے واسطے تیار کردیا۔ چھاپے خانے کا ٹھیکا اپنے کے سات سال کے اندر اس نے تین سو چھیاسٹھہ اخلاقی ادبی اور درسی کتابیں شائع کیں ۔ کتب فروشی سے اسے اتنی ھی آمدنی ھوتی تھی جتنی ماسکو کے بڑے بڑے دکانداروں کو ' " اور ان لوگوں کا جو اس زمانے میں تھے اور خود نوویکوف سے واقف تھے یہ بیان ھے کہ اس نے علم کی محبت اور مطالعے کا شوق صرف پھیلایا نہیں بلکہ اسے پیدا کیا : اس کا کاروبار اس قدر وسیع تھا اور کام اس سلیقے سے کیا جاتا تھا کہ اس کی کتابیں صرف یوروپی روس کے دور افتادہ گاؤوں ھی میں نہیں بلکہ سائبیریا تک پہنچنے لگیں ' اور لوگوں نے انہیں پڑھنا شروع کردیا ... ٹھیکے کے دس سال میں نوویکوف کی اشاعت کتب اور کتب فروشی کی جدوجہد نے روسی سوسائٹی میں نئی معلومات ' نیا مذاق ' نئے احساسات پیدا کردئے ' منتشر خیالات کو ھم آھنگ بنایا ' اور مختلف مذاق کے ناظرین کو ایک مستقل مطالعے سے شوق رکھنے والی جماعت کی شکل دیدی ۔ اس شوق کو پورا کرنے کے لئے مترجموں ' مؤلفوں ' چھاپے خانوں اور کتب فروشوں نے جو سرگرمیاں دکھائیں ' کتابوں ' رسالوں اور اخباروں کے ذریعے سے روسیوں کے ذھن میں جو تحریک ھوئی " ان سب کا نتیجہ ایک چیز ھوئی جو ابھی تک روس میں ناپید تھی - عام رائے " * ۔ افسوس ھے ملکہ کتھیرین دوم

---

* کلیوچفسکی : " مضامین اور تقریریں " ۔

ملکہ کیتھرین دوم ان خدمات کی قدر نہ کرسکی اور اس خوف سے کہ کہیں نوویکوف کے کاروبار کا انجام انقلابی خیالات کا پرچار نہ ہو ، اس نے نوویکوف کو ۱۷۹۲ میں قید کرکے اس کا سارا کام برباد کردیا ۔ لیکن نوویکوف اس وقت تک اپنا مطلب حاصل کرچکا تھا ، اور روس کی ذہنی اور ادبی خود داری کی بنیاد اس قدر مستحکم ہوگئی تھی کہ بیرونی اثرات کے مہلک ثابت ہونے کا بہت زیادہ خطرہ نہیں رہا تھا ۔

فون ویزن کے ڈراموں اور نوویکوف کی شخصیت کے علاوہ الکسانڈر نکولایوچ رادشچف (۱۷۴۹ - ۱۸۰۲) کا ناول " پیٹربرگ اور ماسکو کا سفر " جو ۱۷۹۰ میں لکھا گیا اس کی دلیل ہے کہ روس میں خودی کا احساس پیدا ہورہا تھا اور ایک خاص رنگ بھی پکڑ رہا تھا ۔ رادشچف نوویکوف کی طرح رئیس خاندان کا تھا ، اور اس نے بھی پیٹربرگ کے کیڈٹ کالج میں تعلیم پائی تھی ۔ یہاں سے فارغ ہوکر وہ جرمنی گیا ، اور وہاں جرمن اور فرانسیسی فلسفیوں کا مطالعہ کیا ۔ اس مطالعے کا نتیجہ اس کا ناول تھا ، جس میں اس نے بڑی بےترتیبی سے اپنی معلومات ، احساسات ، اور فلسفیانہ ، سماجی اور معاشی نظریوں کو یکجا کر کے انھیں ناول کی پوشاک پہنادی ۔ اس ناول میں کوئی ادبی یا فنی صفت نہیں ، اس کا تخیل بھی ادنیٰ ، اور اکثر اپنا نہیں پرایا ہے ۔ لیکن رادشچف کی برائی کرنے والے بھی اس سے انکار نہیں کرتے کہ اس میں ایک درد ، مظلوموں سے ہمدردی اور قوم کی محبت ظاہر ہوتی ہے جس کا اس سے پہلے روسی ادب میں نام و نشان تک نہیں ملتا اور جس کا مقابلہ بعد کے مصنف بھی مشکل سے کرسکیں گے ۔

اس زمانے کی ذہنی بیداری کا دوسرا پہلو نکولائی میخائلووچ کارامزن کی تصانیف ہیں ۔ کارامزن صوبۂ سمارا کا ایک خوشحال زمیندار تھا جس نے بہت

اچھی تعلیم پائی تھی ۔ ۱۷۸۵ میں وہ اس حلقے میں شامل ہو گیا جسے نووی‌کوت نے ماسکو میں قائم کیا تھا ۔ ان لوگوں کی صحبت نے اس کے دل کو بھی ولولوں اور حوصلوں سے لبریز کردیا ۔ ۱۷۸۹ میں اس نے یورپ کا سفر کیا ' اور وہاں سے اس نے روسی رسالوں میں خطوط بھیجے جن میں یورپ کے علمی اور ادبی مشاہیر کے حالات زندگی اور یورپ کی مشہور درسگاهوں اور دارالعلوم کا مفصل بیان تھا ۔ ان خطوط کا اصل مقصد یورپ کی ذهنی اور علمی ترقی کی دلفریب تصویر دکھا کر روسیوں کو عبرت دلانا تھا ' مگر کارامزن کی شخصیت ابھی تک پختہ نہیں تھی ' اور اس کے خیالات نے کوئی معین شکل نہیں اختیار کی تھی ' اس لئے وہ اکثر مغالطوں میں مبتلا ہوگیا اور یوروپی تخیل کی صحیح ترجمانی نہ کر سکا' لیکن " خطوط " کی اصل خوبی ان کی سادہ سلجھی ہوئی زبان ہے جس سے قدیم سلاف کے ثقیل الفاظ بالکل دور کردئے گئے ہیں اور سینکڑوں نئے الفاظ اور محاورے اس صفائی سے کھپا دئے گئے ہیں کہ کسی جدت کا شبہہ نہیں ہوتا ' اور جس میں ایک ایسی هم آهنگی اور ترنم ہے جو نثر میں نظم کی شان پیدا کردیتا ہے ۔ عمر کے ساتھہ کارامزن کا ذهن پختہ ہوگیا ' اس کے خیالات میں نہ پیچیدگی رهی نہ تلون ' اور وہ بلاغت اور فصاحت جس نے " خطوط " میں اپنی جھلک دکھلائی تھی روسی نثر کی ایک گراں‌بہا دولت بن گئی ۔

یورپ سے واپس آکر کارامزن نے دو تاریخی ناول لکھے ' " غریب لی‌زا " اور " نتالیا ' نواب زادی " ' جو روس میں رومانی اثرات کا پیش خیمہ تھے ۔ ان ناولوں میں کارامزن نے گزشتہ روسی زندگی کا عکس اتارا ہے ' مگر اپنے عقیدے اور خیال کے مطابق ؛ اس کے کیرکٹر دیہاتی زندگی اور روسی مناظر قدرت کے شیدائی ہیں ' دولت اور عیش و آرام کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں ' اور ان کا سب سے عزیز حوصلہ کار خیر کے ذریعے سے دائمی شہرت حاصل کرنا ہے ۔ واقعات

دیکھی جائیں تو یہ تصویریں جھوٹی ہیں ' اور کیرکٹروں کی یہ ذہنیت اور آرزوئیں مصنف کی صریحی ایجادیں جن کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں . لیکن اس زمانے میں کسی نے ناولوں کے اس عیب پر غور نہیں کیا ' سب ان کی زبان کی نفاست اور داستان کی دل آویزی پر آفریں کہتے تھے . کارامزن نے یہ ناولیں لکھ کر روسی قوم پر واقعی بہت بڑا احسان کیا ' کیونکہ ان کی وجہ سے روسی اپنی زندگی کی طرف متوجہ ہوئے ' اور ان کی نظروں سے وہ پردہ اٹھ گیا جو ادنی یوروپی ناولوں نے ڈال دیا تھا . " غریب لی‌زا " کی ہیروئن ایسی فصیح زبان بولتی ہے جو اس وقت کارامزن کے سوا کوئی لکھ بھی نہیں سکتا تھا ' مگر وہ ایک غریب کسان کی لڑکی تھی جو کسی رئیس زمیندار پر عاشق ہوگئی تھی ' زمیندار نے اس کے جذبے کا احترام نہیں کیا ' اور اپنی بےعزتی کا داغ مٹانے کے لئے وہ ایک جھیل میں ڈوب کر مرگئی . اس کی داستان کا لوگوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر ہوا ' اور غریب لی‌زا کے طفیل میں وہ روس کے ان بیکس اور مظلوم کسانوں سے ہمدردی کرنے لگے جنھیں وہ پہلے حیوانوں سے بھی بدتر سمجھتے تھے .

ناولیں لکھنے کے بعد کارامزن نے عمر کا بقیہ حصہ روس کی تاریخ تصنیف کرنے کے لئے وقف کردیا ' اور اس کی تاریخ روس کی بارہ جلدیں ہی اس کا کارنامہ ہیں . قومی زندگی کی تدریجی تعمیر میں اس نے ماسکو کے بادشاہوں کو بیجا اہمیت دی ہے ' اور خود قوم کی کوششوں کو بہت نظرانداز کیا ہے ' وہ بادشاہوں اور مدبروں کی تدبیروں میں الجھا رہتا ہے اور ان قومی اداروں کا ذکر بھی نہیں کرتا جو دراصل قدیم ملکی نظام کی جان تھے . بعد کے مورخوں نے اس کی تصنیف میں اسی قسم کی بہت سی غلطیاں اور خامیاں نکالی ہیں جن کی وجہ سے وہ اب مستند نہیں قرار دی جاسکتی ' لیکن جو خدمات اس تصنیف نے انجام دیں وہ بے شمار ہیں . گزشتہ زندگی کی یادگار اس نے ایسی شکل میں

پیش کی ' اور اسے اتنا شاندار اور همت‌افزا دکھایا کہ وہ روسی خودداری کا سنگ بنیاد بن گئی ' اس نے روسیوں میں قومی نشوونما اور ریاست کو فروغ دینے کا حوصلہ پیدا کیا ' اور قومیت کے احساس کو اسی قدر تقویت پہنچائی جتنی اس خون نے جو روسی وطن پرستوں نے اپنے ملک کو نےپولی‌ئن کے پنجے سے بچانے کے لئے بہایا تھا .

اس دور کے نثر سے جب هم نظم کی طرف رخ کرتے هیں تو کسی قدر مایوسی هوتی هے . جرژاون میں اپج هے ' مگر اس کے خیال میں شوخی اور بلندپروازی نہیں' ژوکوت‌سکی کا درجہ فن کے اعتبار سے بہت بلند هے مگر اس میں بدیع‌الخیالی نہیں اور اس کی کوششیں زیادہ تر ترجموں پر صرف هوئیں . یہ دونوں شاعر محض مخبر هیں ایک نئے دور کے جو شروع هونے والا تھا .

گات‌رلّئی روم‌انووچ جرژاون (۱۷۴۳ - ۱۸۱۶) صوبۂ کازان کے ایک مفلوک‌الحال رئیس زادے کا لڑکا تھا . اس کا شروع بچپن شہر اورن‌برگ میں گذرا ' اس کے باپ کے انتقال پر اس کی ماں کازان آئی اور وهاں جرژاون ایک مدرسۂ اعلیٰ میں جو اسی زمانے میں کھلا تھا داخل کرا دیا گیا . سولہ برس کی عمر میں ' قبل اس کے کہ وہ اپنی تعلیم ختم کرسکے جرژاون فوج میں بھرتی کر لیا گیا ' اور وہ دس سال جو اس نے فوجی ملازمت میں گذارے اس کی زندگی کا سب سے تاریک حصہ هیں . اس کی صحبت نہایت ذلیل تھی ' اور جو کام اس کے سپرد تھا وہ صرف مشکل نہیں بلکہ غیر دلچسپ تھا . سب سے زیادہ تکلیف اسے اپنا علمی اور ادبی شوق پورا نہ کرسکنے کی تھی . لیکن باوجود تمام دشواریوں کے جرژاون نے راتوں کو جاگ کر عروض پر کتابیں پڑھیں ' اور لوم‌ونوسوت کی نظموں کا بہت غور سے مطالعہ کیا ' کیونکہ اس زمانے میں وهی استاد مانا جاتا تھا . مطالعے کے علاوہ وہ خود شعر کہنے کی بھی مشق کرتا رها ' اور ۱۷۷۲ میں جب اسے افسر کا عہدہ ملا اور پیتربرگ

میں رهنے کی اجازت حاصل هوگئی ' تو وہ بہت جلد مشہور هو گیا اور اس کا کلام اس قدر پسند کیا گیا که سب اسے صدی کا سب سے اعلیٰ شاعر ماننے لگے

" فےلیتسا " حرژاوِن کی پہلی نظم تھی جس نے لوگوں کو اس کی طرف متوجه کیا. اس نظم میں اس نے ملکه کیتھرین دوم کی مدح کی هے اور اس موقع کو اس کے درباریوں کی قلعی کھولنے کے لئے نہایت مناسب طور پر استعمال کیا هے . چنانچه " فےلیتسا " کی تعریف کر نے کے بعد اس کا عاشق (جس سے ایک خاص رئیس مراد هے جو ملکه کیتھرین کی نظرالتفات سے بہت بیجا فائدہ اٹھاتا تھا) اپنے بارے میں کہتا هے :

" فےلتسا ایسی هے ' میں ایک عیاش هوں '
لیکن ساری دنیا میری هی جیسی هے '
علم و دانش نے اسے چاهے جتنا مشہور کر دیا هو'
هر انسان حقیقت میں محض دهوکا هے .
هم دنیا میں راہ راست پر چلنا نہیں جانتے '
بدمستی میں اوهام کے پیچھے دوڑتے هیں .
خوشامد اور شکایت ' غرور اور بدکاری -
ان ویرانوں میں بھلا کسی کو
اتفاق سے بھی سیدها راسته مل جاتا هے ؟
صرف تجھے ' اے ملکه ' یه فخر حاصل هے
که تاریکی میں روشنی پیدا کرے .
بدنظمی میں نظام قائم کرے'
اس نظام کو استحکام عطا کرے'
اور انسان کے حیوانی جذبات کو

اس کی مسرت کا سامان بنائے ."

اس نظم کا لوگوں پر بہت مختلف اثر ہوا. جنہیں دربار سے کوئی واسطہ نہیں تھا انہوں نے اس کی بہت تعریف کی، جن درباریوں کو اندیشہ ہوا کہ ان کی پردہ دری کی گئی ہے بہت خفا ہوئے، اور انہوں نے جرژاون پر یہ الزام لگایا کہ اس نے ایک انسان کو خدائی کا مرتبہ دے کر خدا کے حق میں بےادبی کی ہے. مگر ملکہ کیتھرین کو یہ نظم بہت پسند آئی، جرژاون کا دربار میں رسوخ ہوگیا، اور وہ ملکہ کے خاص دوستوں میں شمار ہونے لگا.

جرژاون کی نظمیں عموماً معاصر شخصیتوں اور کارناموں کے متعلق ہیں. اکثر شاعر جن کا دربار یا امیروں کی صحبتوں میں رسوخ ہوتا ہے مدح‌سرائی کو اپنا پیشہ بنالیتے ہیں، اور سچ اور جھوٹ میں مطلق تمیز نہیں کرتے. جرژاون میں یہ کمزوری نہیں تھی. ملکہ کیتھرین کے سوا اس نے کسی کی ذات کی بیجا یا مبالغہ آمیز مدح نہیں کی، اور ملکہ کی تعریف کو بھی اس نے درباریوں کی ہجو کے لئے ایک آڑ بنایا، جیسا کہ اس کی نظم "فےلیت سا" سے ظاہر ہوتا ہے. اور ملکہ یا کسی اور شخصیت کی اس نے اگر تعریف بھی کی تو کسی ذاتی غرض سے نہیں بلکہ اس امید میں کہ اس سے روس میں قومیت کا احساس بڑھے گا اور قوم کے خادموں کے حوصلے بلند ہوں گے. سووُرؤف ایک نہایت قابل اور کامیاب روسی جنرل تھا جس نے نےپولی‌ئن کے کئی افسروں کو شکست دی، اور پولستان کے دارالسلطنت وارسا کو فرانسیسیوں کے قبضے سے چھینا. اس کی تعریف میں جرژاون لکھتا ہے:

" رات کے بھونچال کی طرح جوانمرد چلا جاتا ہے!
اس کا سایہ تاریکی پھیلاتا ہے، اس کی الکار سے آسماں پر غبار چھا جاتا ہے.
اس کی نظر بجلی کی طرح سامنے چمک چمک کر اس کا راستہ روشن کرتی ہے،
اس کے پیچھے اونچے شاہ بلوط کے درخت زمیں بوس ہوتے ہیں.

وہ جہاز میں بیٹھا تو سمندر ابل پڑتا ہے '
پہاڑوں پر چڑھا تو وہ کانپ جاتے ہیں .
شہرپناہیں اس کے چھونے سے گرپڑتی ہیں '
قلعوں کو وہ اڑا کر بادلوں میں غائب کر دیتا ہے .
دنیا اس کی عظمت سے لرزتی ہے '
کمزور اور بے بس مخلوق کا اس سے بہتر کوئی محافظ نہیں ."

سووروت کی مدح میں جرژاوں نے مبالغہ تو بہت کیا ہے ' لیکن اس کا اصل مقصد اپنے ملک کا جاہ و جلال دکھانا' روسی داوں میں اولوالعزمی پیدا کرنا ہے . سووروت کی تعریف اس وجہ سے کی گئی کہ وہ وارسا کا فاتح تھا' نظم کا عنوان بھی " وارسا کی فتح " ہے . اس کے مقابلے میں جرژاوں کی نظم " بادشاہ " کے چند شعر ملاحظہ ہوں . اس کی نیت پر اس کے بعد کوئی شک نہ باقی رہنا چاہئے .

" ایک بت ' تمام برائیوں سے لپا ہوا '
عوام کے حقیر تصوروں پر جادو کر دیتا ہے '
لیکن اگر کوئی صاحب نظر اس کی طرف آنکھ اٹھائے
تو اس کی ساری خوبیاں غائب ہوجاتی ہیں .
یہ نظر کو دھوکا دینے والی صورتیں ہیں '
مٹی کی سورتیں جن پر سونا پھرا ہے !
اے روح کے فیض سے ناآشنا بادشاہو '
کیا تم ان صورتوں میں اپنی شکلیں نہیں پہچانتے ہو ؟
گدھا ہمیشہ گدھا رہتا ہے
چاہے اس کی پیٹھ پر ستارے جڑ دئے جائیں '

جہاں اسے اپنی عقل سے کام لینا چاهئے
وہ صرف اپنے کان هلاتا هے . . .
هاں ، قدرت کا هاتهہ حقداروں کا حق دینے میں
همیشه کوتاهی کرتا آیا هے . "

جرژاون کی شاعری کے متعلق روسی نقادوں میں بہت اختلاف رہا هے ، بعضے اسے لومونوسوت سے کم ، بعضے اٹھارویں صدی کا سب سے ممتاز شاعر مانتے هیں . پُشکن کی رائے هے که وہ شاعر هی نہیں تھا. جرژاوں کا انتہائی شوق اور بلند حوصله دیکھتے هوئے پُشکن کے اس خیال میں کچھہ ناانصافی ضرور محسوس هوتی هے . لیکن واقعه یه هے که وہ نازک احساسات جو هر شاعر میں هونا چاهئیں اور خصوصاً اس میں جو قوم کی رهنمائی کرنا چاهتا هو ، جرژاون کو نہیں عطا هوئے تھے . اس کی حیثیت اس استاد کی سی هے جو اپنے شاگردوں میں صحیح مذاق پیدا کر نے کے لئے طبع آزمائی کرتا هے ، اور ان کی اخلاقی تربیت کی غرض سے بزرگوں کے کارناموں کو ایک دلچسپ داستان کے پیرائے میں پیش کرتا هے ، لیکن رهبری کے لئے نا موزوں اور اس نظر سے محروم هے جو دوسروں کی آنکھوں میں بھی روشنی پیدا کر دیتی هے .

روسی مذاق کی رهنمائی اور نو آموز شاعروں کو ان کے فن میں تربیت دینے کی اهم خدمت وسِی لئی آن‌درے یوچ ژوکوٹ‌سکی (۱۷۸۳ - ۱۸۵۲) نے انجام دی . اس کا اپنا کلام بہت کم هے ، لیکن اس نے ترجمے بہت کئے . اور یہی حقیقت میں اس کے کارنامے هیں . ان کے ذریعے سے اس نے روس کے اهل ذوق کو جرمن ، انگریزی اور فرانسیسی شاعری کے بہترین کلام سے آشنا کر دیا ، اور ان کے سامنے نمونے پیش کردئے جو ایک صحیح ادبی معیار کا کام دے سکتے تھے . اس نے یونانی شاعر هومر کی اوڈیسی ، سنسکرت کی داستان نل‌دمینتی اور فردوسی کے شاہ نامے سے سہراب اور رستم کے قصے کے جو ترجمے کئے وہ اصل زبان سے نہیں تھے بلکه جرمن شاعر روکرت

کے ترجمے سے ' اور یہ ان کا بہت بڑا نقص ہے ؛ یوروپی زبانیں وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا اور یوروپی شاعری کے کل ترجمے اس نے اصل سے کئے . روسیوں کا دعوے ہے کہ دنیا کی کوئی زبان ترجموں کے لئے اس قدر موزوں نہیں جتنی روسی زبان' اور ژوکوت سکی کے ترجمے دیکھہ کر اس دعوے میں شک کرنا مشکل ہوجاتا ہے . ژوکوت سکی نے صرف خیالات صحت اور بے تکلفی سے نہیں ادا کئے ہیں ' اس نے اپنے ترجموں میں وهی بحریں رکھی ہیں جو اصل میں تھیں اور اکثر اگر لفظ بلفظ دیکھا دائے تو ترجمے اور اصل کے الفاظ موزوں پائے جائیں گے. فن کے اعتبار سے اس کے ترجمے روسی شاعری میں سند مانے جاتے ہیں' اور یہ ایک شان ہے جو غالباً کسی ترجمے کو نصیب نہ ہوئی ہوگی.ژوکوت سکی مترجم ہونے کی وجہ سے روس کے بڑے پائےکے شاعروں میں شامل نہیں کیا جاسکتا ' لیکن اس نے فن شاعری کو اس درجۂ کمال تک پہنچا دیا کہ اس کے ترجموں کو ہم اصل روسی شاعری کے پہلے دور کا اغاز قرار دے سکتےہیں .

باغ وبہار (قصۂ چہار درویش)

(از اڈیٹر)

میر امن کا قصۂ چہار درویش فی الحقیقت باغ و بہار ہے - یہ اردو نثر کی اُن چند کتابوں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں اور شوق سے پڑھی جائیں گی-اس کی مقبولیت کا بہت بڑا راز اس کی فصاحت اور سلاست میں ہے —

جیسا کہ خود میر امن نے اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھا ہے " یہ قصہ چاردرویش کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زربخش جو ان کے پیر تھے اور درگاہ ان کی دلی میں قلعے سے تین کوس لال دروازے کے باہر مٹیا دروازے سے آگے لال بنگلے کے پاس ہے ' ان کی طبیعت ماندی ہوئی - تب مرشد کے دل بہلانے کے واسطے امیرخسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور بیمارداری میں حاضر رہتے - اللہ نے چند روز میں شفا دی - تب انھوں نے غسل صحت کے دن یہ دعا دی کہ جو کوئی اس قصے کو سنیگا ' خدا کے فضل سے تندرست رہیگا ' جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا"—

مشہور یہی چلا آتا ہے کہ فارسی قصۂ چاردرویش امیرخسرو کا لکھا ہوا ہے لیکن نہ تو ان کی تصانیف میں کہیں اس کا ذکر ہے اور نہ اس (فارسی) قصے میں کہیں اس کا پتہ لگتا ہے - کتاب کے شروع میں جو منظوم حمد ہے اس کے مقطع میں " صفی " تخلص ہے —

" صفی " را زیر بار منت بال ہما مفگن
زمشکین طرۂ بخت سیاہش چترِ شاہی ۲۵

خسرو جیسے زبر دست اور پرگو شاعر سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی دوسرے غیر معروف شاعر کی نظم حمد میں نقل کرتے یہ اُن کی طبیعت سے بعید معلوم ہوتا ہے - اس سے یہ شبہہ اور قوی ہوتا ہے کہ یہ قصہ امیر خسرو کا لکھا ہوا نہیں ہے ' یہ ممکن ہے کہ انہوں نے حضرت سلطان الاولیا کو بیماری کے زمانے میں یہ قصے سنائے ہوں انہوں نے دعا دی ہو اور اس سے یہ ان کی طرف منسوب کردیا گیا ہو - میر امن کے آخری فقرے سے بھی کہ جب سے یہ قصہ فارسی میں مروج ہوا یہی مترشح ہوتا ہے اور صاف صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ فارسی قصہ جو تحریر میں آیا ' امیر خسرو کی تصنیف ہے - بہر حال یہ امر تحقیق طلب ہے --

میر امن کی باغ و بہار اسی کتاب کا ترجمہ کہی جاتی ہے اور وہ خود بھی یہی کہتے ہیں - فارسی قصے کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں :—

" اب خدا وند نعمت صاحب مروت نجیبوں کے قدر دان جان گلکرست صاحب نے (کہ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے ' جب تلک گنگا جمنا بہے) لطف سے فرمایا کہ اس قصے کو ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان ' عورت مرد ' لڑکے بالے ' خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں ' ترجمہ کرو " —

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فارسی کتاب کا ترجمہ نہیں - قصہ وہی ہے مگر اس کا ماخذ بجائے فارسی کے اردو کی کتاب " نو طرز مرصع " ہے - اس کے مولف میر محمد حسین عطا خاں متخلص بہ تحسین اٹاوے کے رہنے والے تھے - اُن کو فارسی اردو نظم و نثر دونوں پر قدرت تھی - وہ بہت اچھے خوشنویس بھی تھے اور اسی بنا پر ان کا خطاب " مرصع رقم " تھا - علاوہ اس کتاب کے وہ انشائے تحسین ضوابط انگریزی اور تواریخ فارسی وغیرہ کے مؤلف ہیں - یہ سب کتابیں فارسی

زبان میں ہیں - نو طرز مرصع کی تالیف کا سبب انہوں نے یوں بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ نواب مبارزالملک افتخارالدولہ جنرل سمتھہ بہادر صولت جنگ سالار فوج انگریزی کی ہمراہی میں بجوے پر کلکتے کا سفر در پیش آیا - خالی بیٹھے بیٹھے دل گھبرانے لگا تو ایک عزیز نے جو ہمراہ تھا' یہ قصہ سنانا شروع کیا - بہت پسند آیا اور اُسی وقت سے " زبان ہندی " میں لکھنے کی دھن لگ گئی - " کیونکہ سلف میں کوئی شخص موجد اس ایجاد تازہ کا نہ ہوا " - چنانچہ اسی خیال سے لکھنا شروع کیا —

جنرل سمتھہ چلتے وقت انہیں صوبۂ عظیم آباد کی بعض خدمات پر متعین کر گئے - وہاں فرصت نہ ملی - پھر انقلابات ایسے واقع ہوئے کہ وہاں سے دست بردار ہونا پڑا اور وزیرالممالک نواب برہان‌الملک شجاع‌الدولہ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ (نواب اودھ) کی سرکار میں پہنچے اور ان کے سایۂ عاطفت میں اس قصے کو پورا کیا - لکھتے ہیں کہ " ایک روز تقریباً دو چہار فقرے اس داستاں کے کہ اول ذکر اس بیان کا کر گیا ہوں' بہج سمع مبارک حضرت ولی نعمت کے پہنچا' از بسکہ شاہد رعنا اس حکایت دلفریب کا جلوہ گری کے عالم میں شوخ و شنگ ہے' توجۂ دل سے مقبول خاطر و منظور نظر اشرف کے کر کے فرمایا کہ از سرتاپا اس محبوب پسندیدۂ دلہا کے تئیں زیور عبارت سے آراستہ کر - اس قاہل‌البضاعت نے حسب‌الحکم جلیل القدر کے در خود حوصلہ اپنے اس داستان کی معشوق کو حلی بند زیب و زینت کا کر کے چاہتا تہا کہ اس نازنین کے تئیں نظر مبارک سے گزرانوں کہ اس عرصے میں زمانے نے اور ہی رنگ دکھایا " —

غرض نواب شجاع‌الدولہ کی وفات کے بعد انہوں نے یہ کتاب نواب آصف‌الدولہ کے نام سے معنون کی - نواب آصف الدولہ کی تخت نشینی سنہ ۱۷۷۵ ع میں ہوی - اس وقت یہ کتاب ختم ہو چکی تھی - یعنے اس کی تالیف باغ و بہار سے

تخمیناً ۲۹ ، ۳۰ برس پہلے ہوئی -

فارسی اور نو طرز مرصع کے مطالعے سے صاف معلوم ہوتا ہے که باغ و بہار فارسی کتاب کا ترجمه نہیں بلکه اس کا ماخذ نو طرز مرصع ہے - تعجب اس بات کا ہے که میر امن نے فارسی کتاب اور اس کے ترجمه کا تو ذکر کیا مگر نو طرز مرصع کا ذکر صاف اُڑا گئے - اب میں تینوں کتابوں سے بعض مقامات کا مقابله کر کے دکھاتا ہوں جس سے میرے بیان کی پوری تصدیق ہو گی -

اصل یه ہے که ترجمه ان دو میں سے کوئی بھی نہیں - فارسی قصے کو اپنی اپنی زبان میں بیان کردیا ہے لیکن جہاں کہیں نو طرز مرصع اور فارسی کتاب میں اختلاف ہے ، باغ و بہار نے نو طرز مرصع کا اتباع کیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے که باغ و بہار جیسا که عام طور پر مشہور ہے ، فارسی قصے کا ترجمه نہیں ، بلکه اس کا ماخذ نو طرز مرصع ہے - بعض مقامات پر تو الفاظ اور جملے کے جملے وہی لکھه دئے ہیں جو نو طرز مرصع میں ہیں - اب چند مقامات ملاحظه ہوں --

بادشاہ آزاد بخت راتوں کو قبور کی زیارت کرنے جاتا تھا ایک روز اسی سیر میں اس کی چار درویشوں سے مڈھه بھیڑ ہو جاتی ہے - اسی کا ذکر فارسی کتاب میں اس طرح ہے که دور سے روشنی دکھائی دی ، بادشاہ نے دل میں کہا که کوئی آوارہ وطن غریب یا ستم رسیدہ بیکس یا صاحب دل درویش ہوگا ، ورنه ایسے مکان میں بسر کرنا کسی دوسرے کا کام نہیں * —

---

* اصل فارسی عبارت یه ہے

" تا درمیان قبرستان نظرش بر چار طاقے افتاد که روشنی چراغ دور می نمود - بادشاہ با خود گفت که البته دراں مکان غریبے از وطن آوارہ یا بیکسے ستم رسیدہ ، یا بیچارہ از حادثات فلکی بجان آمدہ ، یا درویش از خلق کنار گرفته یا صاحب دلے به ارواح اہل قبور نسبی یافته ، خواہد بود - و الا در چنیں مکان بسر بردن کار دیگرے نیست " —

اب نو طرز مرصع کا یہی مقام ملاحظہ کیجئے -

"اس عرصے میں فرخندہ سیر کے تئیں دور سے بفاصلہ فرسنگ کے ایک چراغ نظر آیا لیکن با وصف استبداد باد صر صر کے زنہار اشتعالۂ چراغ کے تئیں سر مو حرکت نہ تھی - بادشاہ نے اول خیال کیا کہ طلسم شیشہ نمائی کا ہو گا - یعنے اگر پھٹکری کو گرد فتیلۂ چراغ کے چھڑک دیجے تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گل نہ ہو" —

میر امن اسی مقام کو یوں لکھتے ہیں —

"ایک بارگی بادشاہ کو دور سے ایک شعلہ سا نظر آیا کہ مانند صبح کے تارے کے روشن ہے - دل میں اپنے خیال کیا کہ اس آندھی اور اندھیرے میں یہ روشنی خالی از حکمت نہیں - یا یہ طلسم ہے کہ اگر پھٹکری اور گندھک کو چراغ میں بتی کے آس پاس چھڑک دیجے تو کیسی ہی ہوا چلے، چراغ گل نہ ہو گا" —

ان تینوں عبارتوں کا مقابلہ کیجئے - فارسی اور اُردو میں خاصا اختلاف ہے - لیکن نو طرز مرصع اور باغ و بہار کی عبارتیں کس قدر ملتی جلتی ہیں - دونوں کی آخری سطریں دیکھئے، ایک ہی بات ہے اور ایک ہی سے لفظ ہیں - گویا ایک نے دوسرے کی کتاب سامنے رکھ کر لکھی ہے

پہلا درویش اپنی واردات سناتا ہے اور جب وہ اُس مقام پر پہنچتا ہے کہ نازنین کے علاج کے لئے بازار میں مضطرب پھر رہا تھا تو بیان کرتا ہے کہ ایک جراح کی دکان نظر پڑی کہ ایک سفید ریش شخص بیٹھا ہے اور چند نفر شاگرد اس کی خدمت میں مرہم بنانے میں مشغول ہیں * (فارسی کتاب)

---

* اصل فارسی عبارت یہ ہے

"از سرا بیروں آمدہ در بازار مضطرب می گردیدم - بدرگاہ رب‌العزت حیات آں سرمایۂ حیات جاودانی مسئلت می نمودم کہ دکان جراحے بنظرم در آمد - مرد معمّا سن سفید نشستہ و چند شاگرد در خدمت او مشغول مرہم ساختن" —

نو طرز مرصع میں یہ مقام یوں بیان کیا گیا ہے :—

" اور معتمدان همراہ کے تئیں بیچ خدمت گزاری اُس نازنین کے تعین کر کے آپ واسطے تحقیقات مکان جراح کے حویلی سے باهر آیا - چنانچہ زبانی ایک شخص کے معلوم هوا کہ عیسیٰ نامی جراح بکمال کسب حذاقت و جراحی کے کہ اگر مردے کے تئیں چاهے تو عنایات و فضل الٰہی سے زندہ کرے ، فلانے محلے میں رهتا هے - فقیر اس گلبانگ بشارت اندوز سے بسان گل کے شگفتہ و خنداں هو کر پوچھتے پوچھتے اوپر دروازے جراح کے کہ مثال دل بیدار دلوں کے کشادہ تھا ، جا پہنچا - دیکھتا کیا هوں کہ وہ متبرک ذات خضر صفات بیچ دهلیز گھر کے رونق افروز هے " —

باغ و بہار میں یہ مقام اس طرح ادا کیا گیا هے :—

" اور آدمی اعتباری وهاں چھوڑ کر فقیر جراح کی تلاش میں نکلا - هر ایک سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اس شہر میں جراح کاریگر کون هے ؟ ایک شخص نے کہا ایک حجام جراحی کے کسب اور حکیمی کے فن میں پکا هے - اگر مردے کو اُس پاس لے جاؤ ، خدا کے حکم سے ایسی تدبیر کرے کہ ایک بار وہ بھی جی اٹھے ، وہ اس محلے میں رهتا هے اور عیسیٰ نام هے - میں یہ مژدہ سن کر بے اختیار چلا - تلاش کرتے کرتے اُس کے دروازے پر پہنچا ، ایک مرد سفید ریش کو دهلیز پر بیٹھا دیکھا " —

فارسی نسخے میں جراح کا نام نہیں دیا - نو طرز مرصع اور باغ و بہار میں ایک هی نام هے اور ایک هی بیان هے —

اس کے بعد اسی بیان میں فارسی اور اردو قصے میں ایک بہت بڑا اختلاف هے - فارسی کتاب میں لکھا هے کہ میرے کہنے سننے اور التجا پر وہ شخص (جراح دکان سے اٹھ کر میرے همراہ هولیا اور کاروان میں پہنچ کر جب حجرے میں

داخل ہوا اور اس سر و گل اندام کا ملاحظہ کیا تو بہت متفکر ہوا اور ایک لحظے کے بعدمیری طرف منہ پھیرا اور اس روز سے ایک طمانچہ میری کنپٹی پر مارا کہ آج تک نہیں بھولا ہوں ٭" - جراح کی خفگی اس بات پر تھی کہ تونے اس نازنین پر یہ آفت ڈھائی ہے - درویش اس کے قدموں پر گر کر کہتا ہے کہ میں اس کا باعث نہیں ہوں - یہ مجروح میری ہمشیرہ ہے میں یمن کا رہنے والا ہوں اور اس سفر میں ماں باپ ، بھائی بہن ، رفیق سب میرے ہمراہ تھے کہ ڈاکوؤں نے ڈاکہ مارا ، سب کچھ لوٹ لیا اور عزیزوں کو ہلاک کر دیا ، صرف یہی ایک زخمی بچی جس میں کچھ جان باقی ہے —

نو طرز مرصع اور باغ و بہار میں وہ پہلے ہی جراح سے بیان کرا دیتا ہے کہ اس شہر کے نزدیک ڈاکہ پڑا ، مال و اسباب لٹ گیا اور اس بی بی (نو طرز مرصع میں معشوقہ) کو گھائل کیا - طمانچے کے مارنے کا کہیں ذکر نہیں -

پھر فارسی کتاب میں لکھا ہے کہ جراح نے دیکھہ بھال کے بعد کہا کہ پچاس تومان دیتے ہو تو علاج کرتا ہوں اور یہ کہہ حجرے سے نکل کر چل دیا - اردو کی دونوں کتابوں میں یہ ذکر نہیں یہاں بھی میر امن نے نو طرز مرصع کا اتباع کیا ہے —

اچھے ہونے کے کچھہ دنوں بعد یہ واردات گزرتی ہے —

" از بسکہ غرور حسن و ریاست کا بیچ دماغ کے رکھتی تھی ، میری طرف

٭ اصل فارسی عبارت

" آں مرد گفت ، مہلت دارم از دکان برخاستہ بادی روان کا رراں سوا گردید چوں داخل حجرہ شد و ملاحظۂ احوال آں سرو گل اندام کرد و متفکر گردید و بعد از لحظہ رو بجانب من کرد و یک طمانچہ از روے قہر و قدرت و قوت تمام انچناں بربنا گوش من زد کہ ہنوز اورا فراموش نکردہ ام " -

به نظار الفت شاهدانه کے رخ توجه کا فرماتی اور اکثر اظہار کرتی که اگر تیرے تئیں دلداری هماری منظور هے تو زنہار بیچ حرکات و سکنات هماری کے دخل تفتیش کا نه کرنا، جز شرط هے''۔

باغ و بہار میں اس بیان کو یوں لکھا هے وہ اپنے حسن کےغرور اور سرداری کے دماغ میں جو میری طرف کبھو دیکھتی تو فرماتی - خبردار! اگر تجھے هماری خاطر منظور هے تو هرگز هماری بات میں دم نه ماریو- جو هم کہیں بلا عذر کئے جائیو - اپنا کسی بات میں دخل نه کریو، نہیں تو پچھتاویگا'' - فارسی میں اس کا کہیں ذکر نہیں -دونوں عبارتوں کو دیکھئے صاف معلوم هوتا هے که ایک نے دوسرے سے استفادہ کیا هے۔

فارسی قصے میں لکھا هے که ایک روز اس نازنین نے ایک خاص کھانے کی فرمائش کی۔ اتفاق سے درویش کے پاس اس روز ایک دینار بھی نه تھا سب کچھه اس معشوقه کے علاج اور خاطر تواضع میں خرچ کرچکا تھا۔ فرمائش کا سننا تھا که چہرے کا رنگ فق هو گیا اور وہ حالت هوئی که خدا کسی دشمن کو نصیب نه کرے- نو طرز موصع میں قصه یوں نہیں هے - بلکه اس میں یه لکھا هے که جو کچھه پاس تھا سب خرچ کر چکا اور کچھه نه رها تو فکر سے میری حالت نزار هونے لگی اور کھانا پینا سونا حرام هو گیا - وہ نازنین فراست سے تاڑ گئی که معامله کیا هے۔ باغ و بہار نے بھی هو بہو یہی لکھا هے، فارسی کی تقلید نہیں کی هے —

فارسی قصے میں یوسف سوداگر کی معشوقه نہایت حسین پری پیکر عورت هے - اس کے بر خلاف نو طرز مرصع میں کریه منظر بد هئیت چڑیل صورت هے۔ باغ و بہار میں بھی بالکل یہی هے —

اسی طرح جب ملکه اس جوان کی خاطر جس پر وہ عاشق تھی (یعنی یوسف سوداگر) باغ اور کنیز خریدتی هے تو اُسے نو طرز مرصع میں اِس طرح بیان کیا هے

" ایک باغ خوش تعمیر نہایت شگفتگی و طراوت میں روح افزا متصل محل سرا اُس جوان نے اور اُس نے شامل ایک مغنیہ کہ علم موسیقی میں کم و بیش دستگاہ رکھتی ھے ' اس طرح جیسے اونٹ نے ساتھہ بلی "--

باغ و بہار میں اُسے یوں ادا کیا ھے " کہ ایک باغ نہایت سرسبز اور عمارت عالی حوض تالاب کُوے پختہ سمیت غلام کی حویلی کے نزدیک فلاں شہر میں بکاؤ ھے اور اِس باغ کے ساتھہ ایک لونڈی بھی گانے کہ علم موسیقی میں خوب سلیقہ رکھتی ھے - لیکن یہ دونوں باھم بکتے ھیں نہ اکیلا باغ ' جیسے اونٹ کے گلے میں بلی

فارسی کتاب میں یہ واقعہ یوں نہیں ھے بلکہ اُس نے پہلے باغ کی فرمائش کی ھے اور پیچھے دنوں بعد کنیز کی - اونٹ کے گلے میں بلی کا محاورہ نو طرز مرصع سے لیا گیا ھے - فارسی کتاب میں اس کا مطلق ذکر نہیں -

جب پہلے درویش نے ملکہ سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی کہ تمھارے ذرا سے کاغذ کے پرزے پر اُس شخص نے اتنی ساری اشرفیاں دیدیں ' وہ کون شخص تھا ؟ تو ملکہ نے جواب دیا کہ وہ میرا خزانچی سیدی بہار تھا - نو طرز مرصع اور باغ و بہار دونوں میں یہی ھے فارسی کتاب میں بجائے سیدی بہار کے کوتوال فیروز ھے جسے ملکہ نے بہت کچھہ مال و دولت سے سرافراز کیا تھا -

نو طرز مرصع میں اثنائے بیان میں دو ھندی کبت بھی آگئے ھیں - میر امن نے اُن دونوں کبتوں کو بعینہ نقل کردیا ھے - ایک کبت دوسرے درویش کی سیر میں ھے جس کا پہلا مصرع یہ ھے --

" لکھہ بن کتا دیکھے ' سیس بھاری جتا دیکھے ' جوگی کن پھٹا دیکھے ' دیکھے چھار لائے تن میں "

دوسرے کبت کا پہلا مصرع یہ ھے —

" جب دانت نہ تھے تب دودھ دیو ' جب دانت دیے کہاں نہ دے ہے "

تیسرے درویش کی سیر میں (جو فارسی کے نسخے میں دوسرے درویش کی سیر ہے) اصل فارسی سے جا بجا اختلاف پایا جاتا ہے ' لیکن مہر اس نے ہر جگہہ نو طرز مرصع کی تقلید کی ہے - وضاحت کی غرض سے چند مقامات کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے —

آں گنبد چہار صفہ داشت - در پیش یک صفہ پردہ کشیدہ بودند - آں مرد بآں پردہ رفت و بعد از لمحہ آواز گریہ و نالہ بگوشم رسید - آن مرد پیر بلالۂ حزیں می نالید و می گفت —

اے فلک تا بچند خوں بارم رحم آور بدیں دل زارم

مرا بر احوال او تعجب آمد ' بر خاستہ بہ عقب پردہ آمدم و نظر بہ اندروں گماشتم ' دیدم ...... " (فارسی)

" بہ سبب ماندگی و کسل اعضا کمیں داراں خواب کے اوپر قافلۂ بیداری کے تاخت لاےاور متاع گراں بہاے ہو شیاری کو لوٹ لے گئے - بعد ایک لمحے کے آواز گریہ و زاری کی بیچ گوش ہوش میرے کے مستمع ہوے - آنکھہ کھول کر کیا دیکھتا ہوں کہ تن تنہا پلنگ پر لیٹا ہوں و صاحب خانہ سے مکان خالی ہے ' آگے دالان کے ایک پردہ پڑا ہے ' اس کے تئیں اٹھا کر ملاحظہ کیا کہ ...... "

(نو طرز مرصع)

" ماندگی کے سبب خوب پیٹ بھر کر سویا - اس نیند میں آواز نوحہ و زاری کی کان میں آئی آنکھوں مل کر جو دیکھتا ہوں تو اس مکان میں نہ وہ بوڑھا ہے نہ کوی اور ہے - اکیلا میں پلنگ پر لیٹا ہوں اور وہ دالان خالی پڑا ہے - چاروں طرف بھیانک ہو کر دیکھنے لگا - ایک کونے میں پردہ پڑا نظر آیا - وہاں جا کر اسے اٹھایا - دیکھا تو ...... " (باغ و بہار)

فارسی کتاب میں تیسرا درویش (شاہزادۂ عجم) پیر مرد سے پوچھتا ہے کہ یہ صنم کہاں سے آیا ، اس کا نام و نسب کیا ہے ، وغیرہ وغیرہ تو بوڑھے نے جواب دیا کہ میں نہیں جانتا تو خود پوچھہ لے - اس کے بعد وہ اس نازنین کے پاس جا کر سلام کرتا ہے ۔ .....

نو طرز مرصع میں یہ سوال و جواب نہیں - غش سے ہوش میں آتے ہی وہ نازنین کو سلام کرتا ہے وغیرہ - یہی باغ و بہار میں ہے -

جس روز مال و اسباب لے کر ملک فرنگ پہنچتا ہے تو شاہی خواجہ سرا آتا ہے اور ملاقات کے بعد کہتا ہے کہ ہماری ملکہ نے مسلمان تاجروں کے آنے کی خبر سنی ہے جو سامان بادشاہوں کے لائق ہو اسے لے کر چلو - وہ مناسب سامان جمع کر کے خواجہ سرا کے ساتھہ ہو لیتا ہے (فارسی)

نو طرز مرصع میں وہ اس روز ماندگی اور کسل مزاج کا عذر پیش کر کے دوسرے دن حاضر ہونے کا وعدہ کرتا ہے - باغ و بہار میں بھی اسی کا اتباع کیا گیا ہے —

ملکہ دوسرے روز سامان کی قیمت دینے کے لئے بلاتی ہے جب جاتا ہے تو بٹھاتی ہے اور ایک ساعت کے بعد مٹھائی آتی ہے - پھر دستر خوان بچھتا ہے - ملکہ رونے لگتی ہے اور چند نوالے کھانے کے بعد دستر خوان بڑھاتے ہیں - اس وقت خلوت میں اپنا حال سناتی ہے (فارسی)

نو طرز مرصع میں مٹھائی اور دستر خوان وغیرہ کا کچھہ ذکر نہیں اور یہی باغ و بہار میں ہے —

ملکہ کہتی ہے کہ اگر تو میرا کام کرے گا تو جو نفع ملک فرنگ سے ہونے والا ہے وہ میں دیدوں گی - اس نے کہا اس کی ضرورت نہیں میں ہر خدمت کے لئے دل و جان سے حاضر ہوں - ملکہ نے کہا روپیہ اپنا ہو گا ، ہوں مفت کا خدمتگار

نہیں چاہئیے - اس نے کہا جو آپ کی مرضی —

نو طرز مرصع اور باغ و بہار میں یہ گفتگو مطلق نہیں —

اس کے بعد ملکہ کا یہ کہنا کہ دریا اس پار جو شہر ہے وہاں چلا جا اور اپنا مال اسباب بھی لےجا - ایسا نہ ہو کہ دشمنوں کو خبر ہو جاے تو تیرا مال و جان خطرے میں ہو - اگر تو ادھر رہا اور تیرے پاس کوئی چیز نہ ہوئی تو فوراً اُدھر جا سکتا ہے اور اُس طرف تجھہ پر کوئی ظلم زیادتی نہ ہوگی - پانسو تو مان دیتی ہے اور وہ کاروان سرا میں آتا ہے اور اپنے سب ساتھیوں کو اس شہر کے بادشاہ کے ظلم سے ڈراتا ہے اور ادھر لے جاتا ہے —

یہ نو طرز مرصع میں ہیں نہ باغ و بہار میں

اس درویش کے سیر میں اس قسم کے بہت سے اختلافات ہیں جن کی تفصیل باعث طوالت ہوگی لیکن ہر موقع پر میر امن نے نو طرز مرصع ہی کی تقلید کی ہے —

اس درویش کے بیان میں جب بہزاد خاں ملکہ اور شاہزادے (تیسرے درویش) کو بھگا کر لے جاتا ہے اور بادشاہی فوج تعاقب کر کے پہنچتی ہے تو وہ انہیں پل کے پاس کھڑا کر دیتا ہے - نو طرز مرصع کی عبارت یہ ہے —

" بہزاد خاں رستم تواں نے ملکہ اور شہزادے کو زیر دیوار ایک پل کے کہ بارہ پلی سے کم نہ تھا ، کھڑا کیا "

میر امن نے یہ غضب کیا ہے کہ اس کے ساتھہ جون پور کے پل کا بھی اضافہ کر دیا ، جو شاہزادۂ عجم کے منہ سے بھلا نہیں معلوم ہوتا —

" بہزاد خاں نے ملکہ کو اور اس فقیر کو ایک در میں پل کے کہ بارہ پلی اور جون پور کے پل کے برابر تھا ، کھڑا کیا "

اسی بیان میں کوکہ ملکہ سے شاہزادے کی سفارش اور اس کا حال زار بیان

۳۶۶۰۴

کرتے ہوئے جہاں سب کچھہ کہتا ہے وہاں یہ فقرہ بھی ہے " سائیں تیرے کارن چھوڑا شہر بلخ " اسی موقعہ پر یہی فقرہ میر امن نے بھی نو طرز مرصع سے نقل کر دیا ہے - یہ مزید ثبوت اس بات کا ہے کہ باغ و بہار کا اصل ماخذ نو طرز مرصع ہے نہ کہ فارسی نسخہ —

لیکن نو طرز مرصع اور باغ و بہار کے طرز بیان میں زمین آسمان کا فرق ہے- نو طرز مرصع کی عبارت نہایت رنگین اور سرتاپا تشبیہات و استعارات سے مملو ہے یہاں تک کہ بعض اوقات پڑھتے پڑھتے جی متلا نے لگتا ہے - تحسین نے اپنے بیان میں عام قصہ گوؤں کا طرز اختیار کیاہے - آج کل اس کا پڑھنا طبیعت پر بار ہوتا ہے زبان کا ڈھنگ پرانا ہے اور فارسی ترکیبوں اور الفاظ سے بھر پور ہے باغ و بہار سے اسے کچھہ نسبت نہیں - نمونے کے طور پر چند سطریں نقل کی جاتی ہیں جن سے اس کے طرز بیان کا اندازہ ہو گا —

" بعد ایک لمحے کے وہ ماہ شب چہار دہم رونق افزا حدیقۂ فردوس نما ہو کر اوپر مسند زربفت نقرئی کے جلوہ آرا ہوی ' واہ جی واہ - جس وقت وہ قمرطلعت داخل باغیچہ نمونۂ جنت کی ہوئی ' عطر گلاب رخسارۂ زلیخاے شب مہتاب کا تقویت بخش دماغ تماشائیوں کا ہو کے زینت آرا بزم کامرانی کا ہو گیا اور یوسف عکس بیاض نگینہ ہاے الماس انجم کا اوپر خاتم مینا رنگ سبزہ زمین خلد آئین کے زیب افزا دیدۂ نورانی کا ہوا —

کتّے کیا خرام چمن میں کہ اب صبا
لاتی ہے بوئے یار سے بھر بھر کے جھولیاں

نو عروسان شگوفیں اوپر فرش چاندنی کے لباس نقرہ سے بہار افروز بزم دلفریبی و دلربائی کے تھیں اور ماہ رویان نسترن آگیں اوپر بساط چمن کے خلعت سیمیں سے رونق افروز خو بروی و خوشنمائی کے تھیں "—

باغ و بہار اپنے وقت کی نہایت فصیح اور سلیس زبان میں لکھی گئی ہے۔ میر امن خاص دلی کے رہنے والے ہیں اور ان کی زبان ٹھیٹ دلی کی زبان ہے اور ان کا لکھا سند ہے۔ چند نچے وہ خود لکھتے ہیں :—

" جب احمد شاہ ابدالی کابل سے آیا اور شہر کو لٹوایا، شاہ عالم پورب کی طرف تھے۔ کوئی وارث اور مالک ملک کا نہ رہا شہر بے سر ہو گیا۔ سچ ہے بادشاہت کے اقبال سے شہر کی رونق تھی۔ ایکبارگی تباہی پڑی۔ رئیس وہاں کے، میں کہیں تو کہیں، ہو کر جہاں جس کے سینگ سمائے، وہاں نکل گئے۔ جس ملک میں پہنچے وہاں کے آدمیوں کے ساتھ سنگت سے بات چیت میں فرق آیا۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ دس پانچ برس کسو سبب سے دلی میں گئے اور رہے، وہ بھی کہاں تک بول سکیں گے، کہیں نہ کہیں چوک ہی جائیں گے۔ اور جو شخص سب آفتیں سہ کر دلی کا روڑا ہو کر رہا اور دس پانچ پشتیں اسی شہر میں گزریں اور اس نے دربار امراؤں کے اور میلے ٹھیلے، عرس، چھڑیاں، سیر تماشا اور کوچہ گردی اس شہر کی مدت تلک کی ہوگی اور وہاں سے نکلنے کے بعد اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا ہو گا، اس کا بولنا البتہ ٹھیک ہے "

اردو کی پرانی کتابوں میں کوئی کتاب زبان کی فصاحت اور سلاست کے لحاظ سے اس سے لگا نہیں کھاتی۔ اگرچہ زبان نے بہت کچھ پلٹا کھایا ہے اس وقت اور اس وقت کی زبان میں بہت بڑا بل ہے تاہم باغ و بہار اب بھی ویسے ہی دل چسپ اور پڑھنے کے قابل ہے جیسے پہلے تھی۔ مصنف کو زبان پر بڑی قدرت ہے اور وہ ہر موقع پر اسی کے مناسب ٹھیٹ الفاظ استعمال کرتا ہے اور ہر کیفیت اور واردات کا نقشہ ایسی خوبی کے ساتھ کھینچتا ہے کہ اس کے کمال انشاپردازی کی داد دینی پڑتی ہے۔ نہ بیجا طول ہے نہ فضول لفاظی ہے۔ سادہ زبان لکھنا سخت مشکل ہے۔ سادگی بعض وقت عامیانہ یا بے مزہ ہو جاتی ہے۔

سادگی کے ساتھہ فصاحت اور لطف بیان کو قائم رکھنا بڑا کہاں ہے - میر امن اس امتحان میں پورے اُترے ہیں اور یہی وجہ ان کی کتاب کی مقبولیت کی ہے -

ہماری زبان فارسی الفاظ اور ترکیبوں ' تشبیہوں اور استعاروں میں ایسی رچی ہوئی ہیں کہ ان سے بچنا مشکل ہے اور خواہ مخواہ بچنے کی ضرورت بھی نہیں - خواہ مخواہ دوسروں کے چبائے ہوئے لقموں کو چبانا اور آنکھہ بند کرکے دوسروں کے لکھے ہوئے کو نقل کردینا بھی انشا پردازی نہیں - میر امن نے اس میں بڑا اعتدال برتا ہے وہ بدیسی لفظوں اور چیزوں کی شان و شکوہ سے مرعوب ہوکر دیسی سادہ اور میٹھے لفظوں کو نہیں بھول جاتےاور قدیم فارسی تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھہ ساتھہ اپنے بے تکلف اورلطیف استعارے اور تشبیہیں بھی استعمال کرجاتے ہیں جو بڑا لطف دے جاتی ہیں - مثلاً گلکرسٹ صاحب کو دعا دیتے ہیں کہ ہمیشہ اقبال اُن کا زیادہ رہے ' جب تلک گنگا جمنا بہے " یہاں دجلہ و فرات اور جیحوں وسیحوں کے بدلے گنگا جمنا کے لفظ کیسے بھلے معلوم ہوتے ہیں - ایسے فقرے اس کتاب میں بہت سے ملیں گے --

زبان کی قدرت کا بین ثبوت یہ ہے کہ ہر حالت اور موقع کے لئے نہایت مناسب استعمال کرتے ہیں اور کہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ زبان کو تاہی کرتی ہے - مثلاً آتش بازی ' کھانے ' بھری سواریاں ' مختلف خدمات کے ملازم اور مختلف سازوسامان کے لئے اس قدر کثرت سے لفظ لاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے - جب کہیں گفتگو یا مکالمے کا موقع آتا ہے تو حفظ مراتب اور موقع محل کے لحاظ سے اسی قسم کی زبان لکھتے ہیں - موقع موقع سے ہندی لفظ اس حسن و خوبی سے کھپاتے ہیں کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے - کہیں تصنع یا تکلف نظر نہیں آتا ' بے تکلف لکھتے چلے جاتے ہیں جیسے کوئی باتیں کرتا ہے - اور باتیں بھی ایسی میٹھی اور پیاری کہ آدمی سنتا رہے اور جی نہ بھرے - لفظ کو اُس کے صحیح مفہوم

میں ٹھیک موقع پر استعمال کرنا اصل انشا پردازی ہے اور اس میں میرامن کو بڑا کمال حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارت کی سادگی بے لطف نہیں ہونے پاتی۔ یہاں اس کی عبارت کے ایک دو نمونے لکھتا ہوں —

شروع ہی میں خدا کی حمد و ثنا ہے، اگرچہ یہ مضمون بہت پائمال ہے اور اس میں جدت پیدا کرنا مشکل ہے لیکن دیکھئے کہ وہ اپنی شیریں زبان میں اسے کس طرح لکھتے ہیں —

"سبحان اللہ! کیا صانع ہے! کہ جس نے ایک مٹھی خاک سے کیا کیا صورتیں پیدا کیں۔ باوجود دو رنگ کے ایک گورا ایک کالا اور یہی ہاتھ پاؤں سب کو دیے ہیں، تس پر رنگ برنگ کی شکلیں جدی جدی بنائیں کہ ایک کی سج دھج سے دوسرے کا ڈیل ڈول ملتا نہیں۔ کروڑوں خلقت میں جس کو چاہئے پہچان لیجئے۔ آسمان اُس کے دریائے وحدت کا ایک بلبلا ہے اور زمین پانی کا بتاشا۔ لیکن یہ تماشا ہے کہ سمندر ہزاروں لہریں مارتا ہے، پر اس کا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ جس کی یہ قدرت اور سکت ہو، اس کی حمد و ثنا میں زبان انسان کی گویا گونگی ہے۔ کہے تو کیا کہے! بہتر یوں ہے کہ جس بات میں دم نہ مارسکے چپکا ہورہے" —

ایک جگہ فضول خرچی کا انجام بتایا ہے۔ دیکھئے کن الفاظ میں مفلسی کا نقشہ کھینچا ہے۔ کئی قسمیں نوکروں کی بیان کرگئے ہیں جنہیں اب کوئی جانتا بھی نہیں —

"اس در خرچی کے آگے اگر گنج قاروں کا ہوتا تو بھی وفا نہ کرتا۔ کئی برس کے عرصے میں ایکبارگی یہ حالت ہوی کہ فقط ٹوپی اور لنگوٹی باقی رہی دوست آشنا جو دانت کاٹی روٹی کھاتے تھے اور چمچا بھر خون اپنا ہر بات میں زبان سے نثار کرتے تھے، کافور ہو گئے۔ بلکہ راہ بات میں اگر کہیں بھینٹ ملاقات ہو جاتی تو آنکھیں چرا کر منہ پھیر لیتے۔ اور نوکر چاکر خدمتگار بھلیے، ٹہلیت،

خاص بردار، ثابت خانی سب چھوڑ کر کنارے لگے. کوئی بات کا پوچھنے والا نه رہا جو کہے که یه تمھارا کیا حال ہوا ؟ سوائے غم اور افسوس کے کوئی رفیق نه ٹھیرا - اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں جو چبا کر پانی پیوں - دو تین فاقے کڑا کے کھینچے تاب بھوک کی نه لا سکا " —

دیکھیئے انتقام کی جھل کیونکر دکھائی ہے " جس طرح اُس نے سجھه پر ہاتھه چھوڑا اور گھائل کیا میں بھی دونوں کے پرزے پرزے کروں، تب میرا کلیجه ٹھنڈا ہو . نہیں تو اس غصے کی آگ میں پھک رہی ہوں - آخر جل بل کر بھو بھل ہو جاؤں گی " —

ہر موقع اور محل کی زبان اور بات چیت ویسی ہی لکھی ہے جیسی ہونی چاہئیے - ملاحظه ہو

" اے بچے ! جس نے تجھے تیر مارا، میری آہ کا تیر اُس کے کلیجے میں لگیو وہ اپنی جوانی سے پھل نه پاوے اور خدا اُسے میرا سا دکھیا بناوے " —

یا ایک بڑھیا کی دعا اور گفتگو دیکھیئے

" الٰہی تیری نتھه چوڑی سہاگ کی سلامت رہے . اور کماؤ کی پگڑی قائم رہے - میں غریب رنڈیا فقیرنی ہوں - ایک بیٹی میری ہے که وہ دوجی سے پورے دنوں درد زہ میں مرتی ہے اور مجھه کو اتنی وسعت نہیں که ادھی کا تیل چراغ میں جلاؤں، کھانے پینے کوتو کہاں سے لاؤں - اگر مر گئی‌تو گور کفن کیونکر کروں گی اور جنے تو دائی جنائی کو کیا دوں گی - اور جچا کو ستھوارا اچھوانی کہاں سے پلاؤں گی - آج دو دن‌ہوے‌ہیں‌که بھوکی پیاسی پڑی ہے - اے‌صاحب‌زادی اپنی خیر کچھه ٹکڑا پارچه دلا تو اس کو پانی پینے کا ادھار ہو " —

اگرچه میرامن قصے روم و شام، چین و ایران کے لکھتے ہیں لیکن جب موقع آتا ہے تو ہمارے مرثیه گو شاعروں کی طرح آداب و رسوم اپنے ہی دیس

کے بیان کرتے ھیں - مثلاً وزیر زادی کے کھیل تفریح کا بیان دیکھئے —

" اتفاقاً جس دن وزیر کو محبوس خانے میں بھیجا ' وہ لڑکی اپنی ھمجولیوں میں بیٹھی تھی اور خوشی سے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا اور ڈھولک پکھاوج لئے ہوئے رتجگے کی تیاری کر رھی تھی اور کڑاھی چڑھا کر گلگلے اور رحم تلتی اور بنا رھی تھی کہ ایکبارگی اُس کی ما روتی پیٹتی سر کھلے پانوں ننگے بیٹی کے گھر میں گئی اور دو ھتڑ اس لڑکی کے سر پر مارے اور کہنے لگی - کاشکے تیرے بدلے خدا اندھا بیٹا دیتا تو میرا کلیجہ ٹھنڈا ھوتا اور باپ کا رفیق ھوتا " —

ایسے موقعے اس کتاب میں بیسیوں آے ھیں - میر امن نے ھر جگہہ اپنے ھی ھاں کے ساز و سامان ' کھانے ' پوشاک اور رسم و رواج کا ذکر کیا ھے - اس کے پڑھنے سے اس زمانے کی بہت سی ایسی باتیں اور چیزیں معلوم ھوتی ھیں جو اب معدوم گئیں یا مٹتی جاتی ھیں —

رھا زبان کا معاملہ تو اس کی فصاحت اور خوبی میں کلام نہیں ھوسکتا - اس کے علاوہ جو بات دیکھنے کی ھے یہ ھے کہ اس میں سینکڑوں محاورے اور الفاظ ایسے ملتے ھیں جو آج کل بول چال یا تحریر میں نظر نہیں آتے - بعض تو ایسے ھیں جو اب متروک ھو گئے ھیں اور بہت سے ایسے ھیں جو آنکھ سے اوجھل ھو جانے اور نہ جاننے کی وجہ سے استعمال میں نہیں آتے - ھماری زبان کا دار و مدار ایک مدت تک شاعروں پر رھا اور شاعری کا میدان زیادہ تر غزل کے لئے وقف تھا ' وہ ایسا تنگ کہ اس میں زبان کی کہاں تک کھپت ھوتی - جس طرح شاعر شاعر سے بند لیتا ھے عام پڑھے لکھے لوگ بھی شاعر ھی کی زبان کو زبان مانتے ھیں - لغت نویسوں نے بھی اکثر انھیں کی پیروی کی اور دیوانوں کو ٹٹول کر الفاظ اور محاورے جمع کردئیے - بہت سے لفظ یوں ھی پڑے رہ گئے اور کسی نے خیال بھی نہ کیا - اب ضرورت ھے کہ ایسے لفظوں کو جو اڑے وقت پر کام

آنے والے ھیں اور جن کے مفہوم کو دوسرے لفظ اس خوبی سے ادا نہیں کرسکتے ؟ گمنامی سے نکال کر کام میں لایا جاے مثال کے طور پر چند لفظ یہاں لکھے جاتے ھیں —

" جو مرد نکھٹو ھو کر گھر سیتا ھے " - گھر سینا بہت اچھا محاورہ ھے - بیماری سینا اب بھی بولتے ھیں —

" جتنے آدمی وھاں کے ھزاری بزاری نظر پڑے " یعنے خاص و عام امیر غریب

" منہ پر رونق آئی "   یعنے رونق

" بت کہاو "   بات چیت

" گھوڑے کو ٹنگیانا "   ایڑ دینا

" تیسرا درویش کوت باقدہ بیٹھا "   نشست کی خاص صورت

" جب پرچھا ھوا "   بھیڑ چھٹ گئی ' لوگ ادھر اُدھر ھو گئے '

اس قسم کے بیسیوں لفظ ھیں جو غور اور استعمال کے قابل ھیں —

زمانے کے ھاتھوں ھر چیز میں تغیر ھوتا رھتا ھے زبان کو بھی اس سے مفر نہیں - بہت سے لفظ اور محاورے متروک ھو جاتے ھیں ' بہت سے نئے داخل ھو جاتے ھیں - بعض زبانیں تو اس کی دستبرد سے بالکل مٹ گئیں اور صرف کتابوں میں رہ گئی ھیں - لیکن تغیر صرف الفاظ و محاوروں ھی میں نہیں ھوتا بلکہ صرف و نحو میں بھی تبدیلی ھو جاتی ھے - بعض لفظ جو مذکر تھے مونث ھو جاتے ھیں اور مونث مذکر - جملوں کی ترتیب اور ترکیب میں فرق آ جاتا ھے بعض اوقات لفظوں کے معنے بدل جاتے ھیں یا ان کے استعمال میں کمی بیشی ھوجاتی ھے اور اسی طرح کے بہت سے خفیف تغیر پیدا ھوجاتے ھیں - باغ و بہار کو لکھے

سوا سو برس کے قریب ہوتا ہے لیکن اس عرصے میں بھی بہت کچھہ تغیر ہو گیا ہے - چند باتیں جو صرف و نحو کے لحاظ سے نیز محاورے کے اعتبار سے خاص طور پر قابل غور ہیں ' یہاں لکھی جاتی ہیں —

۱ - جمع مونث اسم کے ساتھہ فعل کی جمع ' اں ' سے یا امدادی فعل کے ساتھہ اصل فعل کی بھی جمع - جیسے

" دو کشتیاں امانت حضور میں اُس غریب کے گذرانیاں " -

" یہ باتیں ہوتیاں تھیں " -

" گھوڑے کی باگیں ڈال دیاں " -

۲ - " نے " کا استعمال یا ترک بعض افعال کے ساتھہ جو اب حال کے محاورے کے خلاف ہے اور دکن میں اب تک رائج ہے

" القصہ رات کو چپکے یہ دونوں بھائی اور کوتوال کے تلنگے نے مجھے اس پہاڑ پر لے گئے " —

" ذرا سرت آئی تو میں اپنے تئیں مردہ خیال کیا "

" اس پروانگی کے سنتے ہی جوان نے آداب بجا لایا "

۳ - " جب تلک " کا استعمال بغیر " نہ " کے جیسے

" پر میں نے پلنگ نہ چھوڑا جب تلک وہ راضی ہوا " - یہ فارسی کا تتبع معلوم ہوتا ہے —

" والّا " " نہ " کے ساتھہ جیسے

" والّا نہ جیسا کرے گا ویسا پاے گا " - یہ " ورنہ " کی بجاے ہے اور غالباً اسی سے دھوکا ہوا ہے —

۴ - شک اور غور مونث استعمال ہوئے ہیں - غور کو اب بھی بعض پرانے لوگ
مونث لکھتے ہیں - سر سید احمد خاں نے بھی غور کو مونث ہی لکھا ہے -
" اب میرے تئیں شک آئی " -
" غم " کو بھی مونث لکھا ہے - " غمیں سونے کی "
۵ - " رفیقی " بمعنے عورت اور " یتیم " بمعنے غلام استعمال کیا ہے --
۶ - ایک جگہ " تم کو " کی جگہ " تمھوں کو " لکھا ہے - -
" شاید تمھاری محنت پر توجہ کر کے تمھوں کو بخشدے " —
۷ - " ہوا نرم نرم بہتی تھی " - ہوا بہنا پرانا محاورہ ہے - " نماز کررہا تھا "
نماز کردن کا ترجمہ ہے اور پہلے نماز کرنا بھی استعمال ہوتا تھا
۸ - بعض الفاظ کے املے میں بھی فرق پایا جاتا ہے - یعنے جیسے بولتے ہیں
ویسے ہی لکھے ہیں —
جمہرات (جمعرات) ' مرصے (موضع) لیکن ایک جگہ اصل لفظ ہی لکھہ
دیا ہے - " کہو تو صحیح " اب اس کی جگہ " سہی " لکھتے ہیں —
۹ اکثر اردو مضاف مضاف الیہ فارسی طرز پر استعمال کئے گئے ہیں اور اردو
حروف اضافت آخر میں لکھے ہیں جیسے موافق معمول کے - تقریر و خوش گوئی
اس کی - ایک جگہ تو اضافت توصیفی لکھہ کر موصوف کی جمع بنائی ہے —
" اور خانہ زاد مورثیوں کی قدر سمجھے گا " --
اگر خانہ زاد کی اضافت کاتب کی غلطی بھی سمجھی جائے تو " موروثیوں "
آج کل کی بول چال کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے --
۱۰ - " سار " لفظ جیسے ' مانند کے لئے جگہ جگہ استعمال ہوا ہے - " تم سار کا
محبوب " " تجھہ سار " یہی لفظ ہے جو دکن میں " سری " ہوگیا ہے اور شمالی
ہند میں اب بھی بعض جگہ ایک آدہ لفظ کے ساتھہ استعمال میں آ جاتا ہے —

ایک اور کتاب نو طرز مرصع کے نام سے محمد عوض زرین نے لکھی ہے جس میں انہیں چار درویشوں کے قصے بیان کئے ہیں چنانچہ وہ خود لکھتا ہے :-

" اس خاکپائے درویشاں حق بیں محمد عوض زرین نے قصۂ چار درویش زبان فارسی میں ترتیب دیا اور عبارت شگفتہ سے گلدستۂ مجالس کیا - راجہ صاحب سراپا حلم و تمکین راجہ رام دین کہ اس عالی منش کے برادر بزرگ خداوند عدل و داد راجہ سیتل پرشاد اور برادر میانہ فیاض زمانہ راجہ بھوانی پرشاد ادام اللہ اقبالہم ہیں ، اس ضعیف کی تصنیف مطالعہ فرماتے اور حظ وافر اٹھاتے ، ایک روز فرمایا کہ اگر کلام زبان ہندی میں انتظام پائے مسامع کو بسہولت سرور آئے - میں نے خوشنودی آقا کو بہبودی دنیا و عقبیٰ جان کر سررشتۂ ادب کو ہاتھ سے نہ دیا اور زبان اردو میں قلم بلند کیا '' میرامن کی طرح زرین نے بھی اپنی کتاب کا سنہ تاریخ " باغ و بہار " سے نکالا ہے (۱۲۱۷ ھ) - اس میں قصے بہت مختصر کردئے ہیں حالات وہی ہیں ایک آدھ جگہ فارسی نسخے اور نو طرز مرصع سے خفیف سا اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ زرین کی نظر سے تحسین کی نو طرز مرصع گذری تھی یا نہیں - البتہ نام سے شبہہ ہوتا ہے کہ ضرور دیکھی ہوگی دیباچے میں کتاب کے نام کا کہیں ذکر نہیں ممکن ہے کہ مطبع والوں نے یہ نام (نوطرز مرصع) خود رکھ دیا ہو - عجیب بات یہ ہے کہ اس نے بھی تاریخ باغ و بہار ہی سے نکالی ہے اس سے میرامن کی باغ و بہار اور اس کتاب کی تالیف ایک ہی سنہ کی معلوم ہوتی ہے - اس کی عبارت سادہ ہے ، تحسین کی نو طرز مرصع کی طرح رنگین اور تشبیہ واستعارہ سے مملو نہیں ہے - مگر عبارت اور بیان میں کوئی خاص لطف نہیں - ایک بات اس کتاب سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ زرین نے اس قصے کو فارسی میں بھی لکھا تھا اور اس سے ظاہر ہے کہ اس قصے کو فارسی میں بھی کئی شخصوں نے تالیف کیا ہے —

باغ و بہار میں ایک بات اور قابل غور ہے - میرامن نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں کتاب کا اور اپنا حال بیان کرتے ہوے اردو زبان کی حقیقت کا بھی ذکر کیا ہے - یہ بیان انھیں روایتاً بزرگوں سے پہنچا ہے - میرامن ہندیوں میں پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو زبان کے بننے اور اس کے نشو و نما کا حال لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے " ہزار برس سے مسلمانوں کا عمل ہوا - سلطان محمود غزنوی آیا پھر غوری اور لودھی بادشاہ ہوئے - اس آمد و رفت کے باعث کچھ زبان نے ہندو مسلمان کی آمیزش پائی - آخر امیر تیمور نے ...... ہندوستان کو لیا - ان کے آنے اور رہنے سے لشکر کا بازار شہر میں داخل ہوا - اس واسطے شہر کا بازار اردو کہلایا " ......

" جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے ' تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیضرسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آکر جمع ہوئے - لیکن ہر ایک کی گویا نی اور بولی جدی جدی تھی - اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف ' سوال جواب کرتے ' ایک زبان مقرر ہوئی - جب حضرت شاہ جہاں صاحب قران نے قلعۂ مبارک اور جامع مسجد اور شہر پناہ تعمیر کروایا ... ... تب بادشاہ نے خوش ہو کر جشن فرمایا اور شہر کو اپنا دارالخلافت بنایا تب سے شاہ جہان آباد مشہور ہوا . . . اور وہاں کے بازار کو اردوے معلا خطاب دیا —

امیر تیمور کے عہد سے محمد شاہ کی بادشاہت بلکہ احمد شاہ اور عالمگیر ثانی کے وقت تلک پیڑھی به پیڑھی سلطنت یکساں چلی آئی - ندان زبان اردو کی منجتے منجتے ایسی منجی کہ کسو شہر کی بولی اس سے ٹکر نہیں کھاتی " —

گریرسن نے اس زبان کی اپنی مشہور اور جامع کتاب * میں کوئی علیحدہ حیثیت قائم نہیں کی اور اسے مغربی ہندی کی ایک شاخ قرار دے کر چھوڑ دیا ہے۔

---

* Linguistic Survey of India

ان کے دوسرے مقلدین نے یہی راہ اختیار کی ہے -اور اس پر فارسی عربی زبان کا اثر جو مختلف حیثیتوں سے ہوا ہے اس کو نظر انداز کردیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مخلوط زبان ہے جس نے بالکل نئی اور علیحدہ صورت اختیار کرلی ہے اور اس نظر سے بھی اس کا دیکھنا ضروری ہے - یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے - جس پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں --

اُردو زبان کا ایک آئرش شاعر

از

(جناب مقبول حسین صاحب احمد پوری)

معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی خاک میں اُنس و محبت کا ایک ایسا بھی عنصر شامل ہے جو ممالک غیر کے باشندوں کو اپنا بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو - قدیم زمانے میں 'فاهیان' ایسے چینی سیاحوں نے ہندوستان کے علوم و فنون حاصل کئے اور ان کے ساتھ ہند کی محبت بھی اپنے وطن جاتے وقت دل میں لے گئے - یہی حال چندر گپت کے دربار میں یونانی سفیروں کا ہوا - خیر یہ تو پرانی باتیں ہیں لیکن اب بھی جب کہ اگلی شان و شوکت اور دولت و ثروت ہندوستان سے روٹھ گئی ہے نہیں معلوم کہاں کہاں کے لوگ یہاں کے علوم و فنون سے مستفید ہونے کے لئے آتے ہیں اور اکثر شعر و شاعری کا ذوق بھی ظاہر کرتے ہیں - یہ ظاہر ہے کہ شعر و سخن کی محفلوں سے تعلق رکھنے والے حضرات خواہ فرانسیسی ہوں خواہ اطالوی ' خواہ ایرانی ہوں خواہ خراسانی خود بھی شعر و شاعری کی طرف رغبت ظاہر کریں گے اور اگر زبان نے یاری کی تو کچھ نہ کچھ کہنے سے بھی دریغ نہ کریں گے —

الغرض جس وقت اہل فرنگ کو ہندوستان پر اقتدار حاصل ہوا دہلی و لکھنؤ میں شعر و شاعری کے بڑے چرچے تھے - حتیٰ کہ خود دہلی کا چراغ سحری

بادشاہ بھی شاعر تھا - خدا کے فضل سے قائم قوم اب بھی مشرقی علوم پر فریفتہ تھی - بہت سے انگریزوں نے سنسکرت فارسی ' اُردو اور ہندی وغیرہ باقاعدہ سیکھی - اس وقت مرزا غالب کی قابلیت کا شہرہ قائم قوم میں زیادہ تھا - اس لئے غالب کے کئی شاگرد انگریز بھی تھے - اور چونکہ وہ مرزا سے فارسی پڑھتے تھے اس لئے فارسی ہی میں اشعار لکھنے کا شوق بھی رکھتے تھے - میر امن دہلوی کے شاگردوں میں ایک فرانسیسی شخص بھی تھا جس نے اُن سے اُردو تعلیم حاصل کی - اگر لوگ شعر کہتے تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ یہ تو طبیعت داری اور ذوق و شوق کی بات ہے —

قدیم اسکول شاعری کے دور آخر یعنی امیر و داغ کے زمانہ * سے اردو شاعری میں " شوخی " کو بہت کچھ دخل ہو گیا تھا - تاہم زبان و محاورہ کے لئے یہ شاعری بھی قابلِ سند ثابت ہوئی - یہ شاعری پسند عام تھی اس لئے ہر شخص کو شعر کہنے کا شوق تھا - اسی وجہ سے داغ کے شاگردوں کی کوئی انتہا نہ تھی - حتیٰ کہ اِن شاگردوں میں سے ایک صاحب غیر ملک یعنی آئر لینڈ (Ireland) کے رہنے والے بھی تھے - ان کا اسم گرامی مسٹر بی - ڈی - مانٹروز تھا - مسٹر موصوف ' مضطر ' تخلص کرتے تھے اور کبھی کبھی مشاعروں میں بھی شریک ہوتے تھے - خود کہتے تھے کہ میں دس برس تک دلی میں رہا وہاں اردو سیکھی اور ' داغ ' کا شاگرد ہو گیا —

مسٹر ' مانٹروز ' کی بابت ہمیں زیادہ علم نہیں - صرف اتنا معلوم ہے کہ موصوف ایک باکمال مصور تھے - اس کی بھی خبر نہیں کہ دہلی میں کب سے کب تک قیام رہا - لیکن وہ مسٹر نوروز جی کے تھیٹر میں آرٹسٹ کا کام کرتے تھے - عموماً پردے بناتے اور شعر و شاعری میں دستگاہ ہونے کی وجہ سے اشتہار نگاری کا کام بھی سپرد تھا - ان خدمات

* انیسویں صدی کا آخری حصہ (۱۸۹۰ سے ۱۹۰۰ ع)

کے عیوض میں آسی روپیہ ماہوار مشاہرہ ملتا تھا - جب سنہ ۱۸۸۳ ع میں مسٹر نورروز جی کا تھیٹر مرزا پور آیا تو مسٹر " مانٹروز " بھی ساتھ آے اس وقت " مرزا پور " میں مولوی فرزند علی وکیل کے یہاں ماہانہ مشاعرے ہوا کرتے تھے - مسٹر موصوف بھی شریک ہوتے —

" مرزاپور " میں ان کی " مصوری " کا شہرہ عام ہوگیا - " بینی مادھو " نامے ایک مہاجن کونقاشی سے بڑا شوق تھا - اس نے مسٹر " مانٹروز " کو سوروپیہ ماہوار پر ملازم رکھہ لیا - بعد ازاں وہ الہ‌آباد چلے گئے اور وہاں " آرٹ " کی پریکٹس شروع کردی ایک بڑی دوکان بھی رکھہ لی - اسی سلسلے میں موصوف نے مہاراج " مانڈا " کی ایک تصویر بنائی جس کے عیوض میں مہاراج موصوف نے ان کو ایک ہزار روپیہ انعام اور دو سو خرج تصویر مرحمت فرمائیے - تصویر قدآدم تھی —

" داغ " مرحوم سے مسٹر مانٹروز کو بڑی محبت تھی - داغ کی وفات پر ایک مرثیہ بھی لکھا جس کا ذکر آگے آئے گا - " داغ " مرحوم نے مولوی نعیم‌الحق " آزاد " شیخو پوری کو ایک خط * لکھا ہے اس میں مسٹر " مانٹروز " کا ذکر بھی کیا ہے - اس خط کی تاریخ ۲۱ اپریل سنہ ۱۸۹۸ ع ہے ملاحظہ ہو :—

" مہربانا - آپ کے خطوں کا جواب پہلے روانہ ہوچکا ہے اپنے مکان میں دریافت کیجئے - میں بخیر ہوں . . . . مسٹر" منٹروز " صاحب انگریز متخلص بہ " مضطر " اس نواح میں تھے - اب وہ کہاں ہیں ان کا پتہ لکھئے گا -

دعاگو نواب مرزا خاں " داغ " " عفی عنہ " —

مسٹر " مانٹروز " کی لائف سے متعلق ہماری واقفیت کی بس اتنی ہی کائنات ہے - خدا کرے وہ اب بھی بقید حیات ہوں - اور اپنی زندہ دل طبیعت سے

* یہ خط رسالۂ مرقع (جو حضرت وصل بلگرامی کی ادارت میں نکلا کرتا تھا) میں مطبوعہ ہے

اشعار کی رنگا رنگ تصویریں بنا رہے ہوں - افسوس ہم ان کے کلام سے بھی زیادہ واقف نہیں ہیں کہ ناظرین کو محظوظ کرسکیں - صرف چند اشعار مل گئے ہیں اور نوحۂ " داغ " یعنی " غیاث المضطر " جو مسٹر موصوف نے داغ پر مرثیہ لکھا ہے وہ بھی اس وقت پیش نظر ہے -

" غیاث‌المضطر " میں تو بعض بعض جگہ مسٹر مانٹروز نے کمال ہی کر دیا ہے - مگر چونکہ اس نظم پر کسی کی اصلاح نہیں ہوئی اس وجہ سے فاش غلطیاں بھی ہیں جو ایک غیر زبان والے کے قلم سے ہونے کی وجہ سے قابل در گذر ہیں -

ان کی نثر سے بھی زبان کی خاصی ظاہر ہوتی ہے اگرچہ اس وقت ہمارے پاس مسٹر نوروزجی کے تھیٹر کا کوئی اشتہار موجود نہیں - ہم " غیاث‌المضطر " سے چند جملے یہاں درج کرتے ہیں جو خود کہہ رہے ہیں کہ ہم اہل زبان کے قلم سے نہیں لکھے گئے :—

" حیف صد حیف کہ یہ دلسوز ' بی - ٹی " مانٹروز " متخلص بہ مضطر بحال ابتر گذارش کرتا ہے کہ حضرت استاد مرحوم سے اور مجھ‌سے بحسن اتفاق اتحاد ربط و ضبط اس قدربڑھاہواتھا کہ لوگوں کو میرے تلمذ ہونے میں بھی گفتگو تھی . . . . . . حضرت مرحوم کی عنایتوں کی نہایت تھیں . . . . . . اس حادثۂ نا گہانی (وفات داغ) سے دل کو وہ اضطرا ہوا کہ یہ " غیاث‌المضطرب " جس کا جواب ہوا - ورنہ کہاں میں اور کہاں یہ باتیں . . . . . . مقبول خاص و عام ہو تو زہے سعادت . . . .

رحمت باری سے مضطر دور کیا ورنہ میں کیا اور میرا مقدور کیا

غرض عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو میں موصوف کو کافی دستگاہ تھی - بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت مسٹر موصوف اپنے استاد کے پاس گئے -

داغ مرحوم وضو کر رہے تھے - فرمایا مصور صاحب اس مصرعہ پر مصرعہ لگائیے - ع

" دیکھیں تو آہ و نالے میں اپنے اثر بھی ہے "

مسٹر " مانٹروز " نے کہا - ع — " اچھی تو بات ہے ابھی وقت سحر بھی ہے "

اس پر " داغ " مرحوم بہت خوش ہوئے —

ایک مرتبہ دھلی میں ایک بڑا مشاعرہ ہوا - بڑے بڑے اہل کمال موجود تھے اور طرح یہ تھی - ع " سلمیٰ کے واقعہ اب ہم زبان برگ سوسن سے "

مسٹر " مانٹروز " کا شمار اس وقت بڑے شاعروں میں تو کیا متوسط شعرامیں بھی نہ تھا - مگر انگریز ہونے کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے - انھوں نے بھی ایک غزل لکھی اور اشعار پر ضروری اصلاح لیکر مشاعرے میں آئے - جب پڑھنے کی باری آئی تو کچھ اشعار کی خوبی اور کچھ اپنے نرالے لہجے کی وجہ سے مشاعرہ میں واہ واہ کا شور برپا کردیا - اس غزل کے صرف چار اشعار مل سکے ھیں جو یہاں لکھے جاتے ھیں —

۱ - صفائی دیکھنا قاتل کی مقتل میں کہ کس فن سے
لگا کر تیغ میرا خون بچھایا اپنے دامن سے

۲ - بچے تو کیا بچے کوئی نگاہ چشم پر فن سے
" کہ درپردہ چلاتی ہے ہزاروں تیر چلمن سے " *

۳ - اٹھا جب ہاتھ قاتل کا وہیں سر کر دیا حاضر
ہوے ہم تو ملا جے لی مگر تعظیم دشمن سے

۴ - ستارے جن کو کہتے ھیں اٹھا لایا فلک ان کو
گرے تھے پھول جو میرے چراغ داغ روشن سے

غرض الوضطر بعلی نوحہ " داغ " کو مسٹر " مانٹروز " نے بالکل انگریزی

---

* یہ مصرعہ ایراد معلوم ہوتا ہے --

پیرایہ میں لکھا ہے - اس میں کُل ایک سو دو بند ہیں - بعض بعض نہایت پاکیزہ لیکن عروض کی غلطیاں بہت ہیں - کُل مرثیہ بحر مضارع میں ہے مگر بعض اشعار میں بحر بدل گئی ہے - اکثر جگہ الفاظ غلط ہیں - مثلاً بجائے جدت کے " جودت " لکھا ہے اور هم صفیران کو صفیران وغیرہ —

مرثیہ کو ابتدا میں پہلے تمہیدی پہلو اختیار کیا گیا ہے - ملاحظہ فرمائیے پہلا بند کس قدر دلفریب ہے ---

صبرو و شکیب وطاقت ضبط فغاں نہیں کہنا پڑا کہ درد کہاں ہے کہاں نہیں
غمخوار و یار و مونس همدم یہاں نہیں کس کو سنائیں حال کوئی مہرباں نہیں
ایک " داغ " تھا سو وہ بھی تہ آسماں نہیں

پہلے پہل خود شاعر مرحوم کی تعریف کرتا ہے اس کے بعد ' گل ' و ' بلبل ' ' شاعری ' اور ' وفا ' کو شخصیت دیکر ان کی زباں سے نوحہ کناں ہوتا ہے - اور یہ انداز بیان انگریزی " ایلجی " (Elegy) کی خصوصیت سے ہے —

ملک سخن میں " داغ "تو ہر دل عزیز تھا مانے حریف اس کو نہ مانے تو اس سے کیا
جو کچھ کہیں گے اس کے لئے ہے وہ سب بجا " مضطر " زبان خلق ہے نقارۂ خدا
باقی اگرچہ ہند میں اس کا نشان نہیں

اس تمہید کے بعد شاعر سامعین کو اصل مضمون کی طرف مخاطب کرتا ہے -

آغاز ہائے نالۂ شور و فغاں سنو بیٹھو جگر کو تھام کے درد نہاں سنو
یہ شور الغیاث تہ آسماں سنو دو تین ذلے هم سے بھی پیرو جواں سنو
تلمیذ داغ دہلوی ہیں نوحہ خواں نہیں

وہ " شور الغیاث " اس طرح بیان کیا جاتا ہے —

دنیا سے ہائے روح " فصیح البیان " گئی یہ کیا گئی فصاحت ہندوستاں گئی
بزم جہاں سے رونق اهل زبان گئی گویا کہ جسم خلق سے روح رواں گئی
جسم سخن میں ہائے وہ اب لطف جاں نہیں

جورو فلک کا شکوہ کرنا مشرقی شاعری کی خصوصیات سے ہے - مگر اس کے ساتھہ ھی ساتھہ مرحوم کے عادات و خصائل پر روشنی ڈالنا مغربی انداز ہے مثلاً

دلی میں مرثیوں کا بھی غمگسار تھا　　اچھا تھا یا برا تھا مگر یادگار تھا

اے چرخ نابکار تجھے جس سے خار تھا　　وہ تو غریب آپ ھی یاروں کا یار تھا

پا مال تجھ کو کرنا تھا اے بدگمان نہیں

× × × × × × × ×

طفلی جوانی اس کی تھی پیری شباب تھی　　جو بات "داغ" کی تھی وھی لاجواب تھی

ہم کیا کہیں طبیعت عالی جناب تھی　　صد انتخاب میں سے تھیں انتخاب تھی

کلک زباں میں طاقت شرح و بیان نہیں

اسی طرح آئرش شاعر بیان کرتا ہے کہ داغ کس طرح دھلی سے " رام پور " گئے - کس طرح رام پور میں قدر کی گئی - اور کیونکر رامپور سے حیدرآباد آکر دولت آصفیہ کے زیر سایہ دنیاوی ثروت کے عروج پر پہنچ گئے - اعلیٰ ھذالقیاس ۔ اس کے بعد اپنے انگریزی دستور کے موافق داغ پر نوحہ کرنے والوں کو شاعر پیش کرتا ھے - " ملٹن " (Milton) نے اپنے دوست ایڈورڈ کنگ (Edward king) کے مرثیہ میں پہلے مرحوم کی تعریف کی ہے - اور لکھا ہے کہ کس طرح وہ دونوں ایک ھی کالج میں پڑھتے تھے اور کالج میں دوستوں اور پروفیسروں کے ساتھہ کیا کیا اشغال رھتے تھے پھر اس کے بعد ڈروائڈز (Druids) اور موزیز (Muses) یعنی پروفیسروں اور طالب علموں کو نوحہ خوانوں میں پیش کیا ہے اسی طرح مسٹر " ماتھرور " پہلے " داغ کی تعریف جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا لکھتے ھیں پھر " وفا " اور " شاعری " کو نوحہ خوان کی حیثیت سے پیش کرتے ھیں - کیونکہ شاعری کو " داغ " نے عروج دیا تھا - اور خصلت " وفا " ان کے خمیر میں شامل تھی جس کا ثبوت یہ ہے کہ گو اس قدر بڑے اور معزز عہدے پر مامور تھے مگر ادنیٰ سے ادنیٰ شخص سے نہایت خلوص برتتے اور اگر کوئی خط لکھتا تو کبھی

جواب سے دریغ نہ کرتے تھے --

۱ - نوحۂ وفا بہت دلچسپ ہے - 'وفا' کہتی ہے کہ "اے داغ تم مجھے کس کے حوالے کر چلے - کوئی میری پاس داری نہیں کرسکتا - تم نے مجھے محفلوں میں ممثل بوے گل ظاہر کیا - احباب سے خط و کتابت میں میرا ظہور پیام روح ہوا - اب میری شادمانی کا کونسا ذریعہ ہے --

ہے ہے سر مزار 'وفا' نوحہ خواں ہوئی   بےصد نکالا پاس سوے آسماں ہوئی
سر گرم ہائے نالہ و شور و فغاں ہوئی   کہہ کہہ کے ہائے 'داغ' وہ نالہ زناں ہوئی

ہنگامہ نعش پر تھا 'وفا' نوحہ خواں نہیں

لوگ وفا کو سمجھاتے ہیں کہ صبر کر لیکن اس کو صبر نہیں آتا - وہ کہتی ہے کہ 'داغ' میں تمہیں تنہا پیوند زمیں نہ ہونے دونگی - ع

" میں وہ نہیں کہ میں ہوں کہیں اور تم کہیں "

اس کے بعد وفا کہتی ہے --

الفت کا رشتہ وہ ہے کہ توڑا نہ جائے گا   دامن تمہارا ہاتھہ سے چھوڑا نہ جائے گا

میں ہوں 'وفا' تمہاری کچھہ عمررواں نہیں

آخر میں وفا اس نتیجہ پر پہنچتی ہے --

دل سے خیال 'داغ' ہٹایا نہ جائے گا   یہ نقش کالحجر ہے مٹایا نہ جائے گا

مدت کا یار غار ہے کچھہ میہماں نہیں

۲ - 'وفا' کے بعد شاعری آتی ہے جس کا نمبر نوحہ خوانوں میں سب سے بڑھا ہوا ہے - شاعری تابوت 'داغ' دیکھہ کر بے ہوش ہوجاتی ہے - تابوت سے لپٹ جاتی ہے - لوگ بہت سمجھاتے ہیں مگر اس کی گریہ و زاری کی کوئی انتہا نہیں --

کہتی ہے ہائے ' داغ ' مجھے داغ دے گئے		صبرو قرار کیوں میرا لے کر چلے گئے
دل کو بنا نا کھیل تھا اے آسماں نہیں

اب کون ہے جو مجھ کو بلا کر بٹھائے گا		اب کون ہے جو مجھ کو بنا کر بٹھائیے گا
اوروں کو ہے نصیب یہ طرز بیاں نہیں

' داغ ' کے بعد شاعری بے والی و وارث رہ گئی - اس لئے کہتی ہے —

بے ' داغ ' بزم اہل سخن میں یتیم ہوں		میں کس کے پاس بیٹھ کے جاؤں ندیم ہوں
غیروں کے پاس رہ کے میں کیونکر مقیم ہوں		میں آشنائے ' داغ ' سخنور قدیم ہوں
کس طرح بیٹھ جاؤں وہاں وہ جہاں نہیں

آخر میں شاعری ہوں اس نتیجہ پر پہنچ کر اپنا نوحہ ختم کرتی ہے —

تم وہ تھے جن کو عاشق پامال روئے گا		تم وہ تھے جن کو آسماں ہر سال روئے گا
روئیں گے وہ بھی سن کے جو صاحب زباں نہیں

اختتام پر مسٹر مالٹروز شہر یار ' دکن ' سے متعلق دعائیہ اشعار لکھتے ہیں اور وفات داغ کی تاریخ پر کلام ختم کرتے ہیں —

میری دعائے خیر پہ اب اختتام ہو		جب تک کہ دور چرخ بریں صبح و شام ہو
جب تک کہ آسماں و زمیں کو قیام ہو		جب تک کہ آفتاب سر چرخ بام ہو
ہو " بلند کان عالی " سے خالی جہاں نہیں

تاریخ وفات داغ مرحوم —

تاریخ مرگ ' داغ ' سخنور بہ نالہا		پوچھا جو شاعری سے وہیں ہم نے برملا
چشم پر آب ہو کے بصد یاس یوں کہا		مضطر ' ہمیں تو غیب سے آتی ہے یہ صدا
" لو باغ میں وہ بلبل ہندوستاں نہیں

ہم یہاں نوحۂ داغ کی خامیوں پر کچھ زیادہ لکھنا مناسب نہیں سمجھتے

---

* آراستہ کر کے —

کیونکہ یہ اہل زبان کے قلم سے نہیں ہے - صرف یہ اشارہ کافی ہے کہ کہیں کہیں نظم کی بحر بدل گئی ہے - کل مرثیہ بحر مضارع میں ہے لیکن اس میں کہیں بند ایک قسم سے دوسری قسم کی بحر مضارع میں مبدل ہوگئے ہیں - مثلاً " مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن " جو کل مرثیہ کی بحر ہے اس کے بجائے چھہ ساتھہ بند " مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن " میں آ پڑے ہیں - مثلاً --

دل سوز اگر سرمہ کے بل جائے تو اچھا — یہ سوز نہاں دل سے نکل جائے تو اچھا
جوں شمع سر بزم پگہل جائے تو اچھا — "بس دل میں نہ ہو داغ* وہ جل جائے تو اچھا"

جز داغ عشق راز نہاں رازداں نہیں

بعض جگہ زبان کی غلطی ہے - مثلاً --

منظور یہ نہیں کہ طبیعت جتاؤ تم — مضمون آفریں میں طبع آزماؤ تم

مگر ایسے موقع پر " مضمون آفرینی " بولتے ہیں --

غیاث ' المضطر ' کا جو نسخہ ہمارے پیش نظر ہے اس کے آخر میں مسٹر مانٹروز موصوف کے دستخط بھی موجود ہیں - تاریخ بھی لکھی ہے - بالکل اس طرح :-

B . D , Montrose
Photog . & artist
Allahabad
1915

مسٹر ' مانٹروز ' کی بابت جو کچھہ واقفیت حاصل ہوسکی اس کے شکریہ کے مستحق جناب ' بشیر صاحب ' احمد پوری ہیں ' بشیر صاحب ' کا بیان ہے کہ

---

* یہ مصرعہ خاقانی ہند کا ہے --

+ جناب بشیرالدین صاحب بشیر احمد پوری پنشنر سابق کوتوال علی گڑھ و بنارس - آپ سے اور مسٹر مانٹروز سے بڑی دوستی تھی - داغ مرحوم اور امیر مرحوم کی صحبت سے بھی آپ مستفید ہوئے ہیں - اب بھی آپ کبھی کبھی جب ان قدیم جلسوں کا ذکر کرتے ہیں تو سننے والوں کا دل بھر آتا ہے --

مسٹر "مالٹروز" نہایت بامروت اور خلیق تھے - جب اپنے احباب سے ملتے تو مصافحہ ہی نہیں بلکہ معانقہ کرتے ' ان کا کوئی ایسا دوست نہ ہوگا جس کا فوٹو انہوں نے نہ لیا ہو - یا تصویر نہ کھینچی ہو - غرض اپنے احباب کی تصویریں بنانے میں مشاق تھے - اور ہندوستانیوں میں ایسے گھل مل کر رہتے کہ کسی کو ان کے فرنگی ہونے کا دھوکا بھی نہ ہوتا تھا - ان میں زندہ دلی بیحد تھی - ہر وقت لبوں پر موج تبسم رواں رہتی - اس کے علاوہ ان کی بابت ہمیں زیادہ علم نہیں - اگر چہ --

بس نیست ایں کہ می گذرد در حال ما
آرے ہمیں زجانب ما بودہ است شرط

تنقید حیات حافظ

از

جناب بشیر احمد صاحب ڈار - بی - اے (آنرز)

مدت ہوئی کہ مولانا اسلم جے راجپوری نے ' حیات حافظ ' کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی - میں نے کئی دفعہ اپنے مضامین میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے - مصنف کی محنت کی داد نہ دینا نا انصافی ہوگی لیکن چونکہ میرے نقطہ نگاہ سے اس میں چند ایک خامیاں موجود ہیں اس لئے بھی کوشش کرونگا کہ ان اغلاط کی تصحیح کرسکوں - میرے سامنے ' حیات حافظ ' کا تیسرا ایڈیشن مطبوعہ عام علیگڈہ ہے

(۱) نام و نسب اور تعلیم

مولانا فرماتے ہیں :

ان کے آبا و اجداد مقام ' سرکان ' کے باشندے تھے ...... ان کے دادا شیراز میں آگئے تھے ...... خواجہ کے والد کا نام مولانا کمال الدین تھا وغیرہ ..." صفحہ ۷ —

اس بیان کا ماخذ اگرچہ خود مولانا نے تصریح نہیں کی' مرزا فرصت شیرازی کی کتاب آثار عجم ہے -لیکن ایک محقق کا فرض ہے کہ جتنی مختلف روایات دستیاب ہوسکیں انہیں دیکھے اور ان میں کسی ایک کو چننے کی وجوہات بھی تو بتائے - مولانا نے

تو یہ تمام بیان یوں درج کر دیا گویا کہ یہ فیصلہ شدہ امر ہے ۔ مولانا نے اس روایت کو شاید اس لئے بے کم و کاست لکھا کیونکہ پہلی روایت مولانا 'شبلی' استعمال میں لا چکے تھے اور چونکہ نئی کتاب کے لئے نیا مواد ہونا ضروری تھا اس لئے انھوں نے بغیر پہلی روایت کی طرف اشارہ کئے اس کو لکھ ڈالا —

مولانا 'شبلی' کا ماخذ جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں 'عبدالنبی کا میخانہ ہے جہاں یہ درج ہے :

" آوردہ اند کہ جد عالی تبار ایشاں از کوہائے اصفہان ست بہ جہت بعضے از موانع در ایام سلطنت اتابکیہ (۵۴۳ھ تا ۶۸۶ھ) از انجا بہ شیراز آمدہ توطن نمودہ اند اسم والد ماجد حافظ ' خواجہ بہاءالدین ست '' صفحہ ۸۰ —

مولانا فرماتے ہیں :-

" خواجہ کے ایک چچا بھی تھے جن کا نام سعدی تھا (یہ شیخ سعدی گلستان و بوستان کے مصنف نہیں ہیں) وہ ایک صوفی منش شاعر اور بڑے باکمال تھے '' صفحہ ۷

یہ غلط فہمی ہم پہلے ہی دور کر چکے ہیں ۔ (دیکھو رسالہ اردو بابت اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ ء) خواجہ کے چچا اگر سعدی تھے تو بموجب حکایت وہ گلستان و بوستان کے مصنف ہی تھے ۔ مولانا نے خطوط وحدانی کی عبارت بڑھا کر تاریخی غلطی کے ارتکاب سے تو اپنے آپ کو بچا لیا ہے (کیونکہ حافظ سنہ ۷۲۵ ھ میں پیدا ہوتے اور شیخ سعدی سنہ ۶۹۰ ھ میں فوت ہوتے ہیں) لیکن انھوں نے ماخذ سے روگردانی کی ہے جو خود بھی ایک بڑی بھاری غلطی ہے —

اس کے بعد مولانا نے ' خواجہ حافظ ' کی تاریخ پیدائش اور عمر کے متعلق جو قیاس دوڑایا ہے اس کی اصلیت بھی پہلے دکھائی جاچکی ہے —

قولہ :

" حفظ قرآن کے بعد خواجہ نے مولانا ' شمس‌الدین محمد عبداللہ ' شیرازی کے حلقۂ درس میں تفسیر اور فقہ پڑھی - مولانا شمس‌الدین ' حافظ کی ذہانت پر اس قدر فریفتہ تھے کہ ان کو اپنی اولاد سے بھی زیادہ عزیز سمجھتے تھے - یہاں تک کہ انہوں نے اپنا لقب شمس‌الدین ان کو عطا کردیا " - صفحہ ۹

مولانا نے اس بیان کو درج تو کر دیا لیکن اس کا ماخذ بیان نہیں کیا - امید ہے کہ وہ اپنا ماخذ ضرور بیان کر نے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے --

(۲) امرا اور سلاطین کا دربار

اس عنوان کے تحت میں مولانا نے وہ وہ فاش غلطیاں کی ہیں کہ الاماں- معلوم نہیں کہ یہ لوگ الفاظ کو تو کہاں تک پہنچا دیتے ہیں لیکن جب تاریخ کا معاملہ آتا ہے تو محض پھسلتی - دولت شاہ جیسے تذکرہ نویسوں کی کہانیوں کو پسند کرتے ہیں اور ان کو مصا لحہ لگا کر اپنی کتابوں میں درج کر دیتے ہیں — مولانا ارشاد فرماتے ہیں :-

" ان کے ابتدائی زمانے میں سلطان ابو سعید خاں بغداد کا بادشاہ تھا - تمام عراق و فارس ان کے قبضے میں تھا - اس کے زمانہ میں اس کی طرف سے شیخ حسین پسر امیر الامراء چوپان شیراز کا والی تھا - اہل شیراز عام طور سے اس سے ناراض تھے-سنہ ۷۳۶ھ میں جب سلطان ابوسعیدخاں نے وفات پائی اور بوجہ اس کے کہ کوئی بیٹا نہ تھا ' اطراف ممالک میں جس کا جہاں بس چلا اس نے قبضہ کر لیا اور ایک سلطنت کی گیارہ سلطنتیں ہو گئیں تو شیخ حسین اپنی جان کے خوف سے شیراز سے بھاگ گیا-شیخ ابواسحاق نے جوسابق

والئی شیراز محمد شاہ اینجو کا بیٹا تھا موقع پاکر شیراز اور اصفہان پر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی " صفحہ ۱۹

اس بیان میں مولانا نے چند غلطیاں کی ہیں۔ 'خاندان اینجو' کی تاریخ اتنی صاف نہیں جتنی کہ مولانا نے بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ تا حتی الوسع اس کو بیان کرسکوں :—

'خاندان اینجو' —

سلطان 'خدا بندہ' سنہ ۷۰۳ ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت فارس اور اس کے گرد و نواح کی حکومت شیخ الاسلام 'جمال الدین ابراہیم' کے ہاتھوں میں تھی۔ سنہ ۷۰۶ ھ میں وہ فوت ہوگیا تو بادشاہ نے یہی منصب اس کے لڑکے شیخ 'عزالدین عبد العزیز' کے حوالہ کردیا۔ اسی زمانے میں 'شرف الدین شاہ محمود اینجو' فارس کے چند اضلاع کا صوبہ دار تھا (شیخ عبد العزیز کے ماتحت)

جب سنہ ۷۲۵ ھ میں 'عزالدین' قتل ہوگیا تو 'ابو سعید' نے جو 'خدا بندہ' کے بعد تخت نشین ہوا تھا 'فارس' اصفہان' اور 'کرمان' کی حکومت 'امیرتاش' پسر امیر حسین پسر امیر الامرا چوپان کو مل گئی۔ اس نے 'محمود شاہ اینجو' کو فارس' کی صوبہ داری عطا کی —

اس دن سے خاندان اینجو کی حکومت شروع ہوتی ہے۔ تاریخ گزیدہ' (مصنفہ حمداللہ مستوفی) میں لکھا ہے کہ 'محمود شاہ' عبداللہ انصاری' کی اولاد میں سے تھا۔ 'امیر محمود' کے چار لڑکے تھے :

(۱) جلال الدین مسعود شاہ (۲) غیاث الدین کیخسرو (۳) شمس الدین محمد (۴) جمال الدین ابو اسحٰق —

سنہ ۷۳۵ ھ میں ابو سعید نے فارس کی حکومت امیر 'مسافر ایناق' کے سپرد

کردی - جب 'محمود شاہ' کو معلوم ہوا تو اس نے چند امیروں کو ساتھ ملاکر امیر 'مسافر' پر حملہ بول دیا - وہ بیچارہ کسی طرح بچ بچاکر 'ابو سعید' کے پاس جا پہنچا - محمود شاہ اور اس کے ہمراہی پکڑے گئے - اور بادشاہ نے سب کو سزائیں دیں - 'محمود شاہ' کو 'اصفہان' کے قلعہ میں قید کردیا - اور 'امیر مسافر' بڑی شان سے شیراز میں داخل ہوا —

جب سنہ ۷۳۶ ھ میں ابو سعید فوت ہوا تو ملک غیاث الدین کیخسرو' شیراز آیا اور امیر مسافر 'ایناق' کو پکڑ کر پہلے تو قید کیا اور بعد میں اُسے 'آذربایجان' بھیج دیا - 'ابو سعید' کے بعد 'ارپاخاں' تخت پر بیٹھا - اس نے تمام ان سرداروں کو جن کو وہ اپنی سلطنت میں خارج سمجھتا تھا' قتل کروانا شروع کیا اسی میں 'محمود شاہ' کی بھی باری آگئی - اور وہ 'تبریز' میں قتل کیا گیا 'امیر مسعود' نے بھاگ کر امیر شیخ حسن پسر امیر چوپان کے پاس 'روم' میں پناہ لی اور شیخ 'ابو اسحق' امیر 'علی شاہ' کے پاس 'دیار بکر' چلا گیا - اسی سال 'ارپا خاں' قتل ہوا اور 'موسیٰ خاں' تخت نشین ہوا اور اسی سال ہی سلطان 'محمد خاں' پسر امیر 'قتلق خاں' نے شیخ 'حسن ایلخانی' کی مدد سے آذر بایجان' پر قبضہ کرلیا اور شیخ 'حسن' کے مشورہ سے 'مسعود شاہ اینجو' کو وزیر اعظم مقرر کیا - لیکن جب سنہ ۷۳۸ ھ میں سلطان 'محمد' قتل ہوگیا 'مسعود شاہ' شیراز چلا آیا - مگر 'کیخسرو' نے بھائی کو داخل نہ ہونے دیا - دونوں میں لڑائی ہوئی - 'کیخسرو' نے شکست کھائی اور قید ہوا - تھوڑے عرصہ بعد وہ قتل کرڈالا گیا - اور 'مسعود' بادشاہ ہوا - پھر اسے اپنے بھائی 'محمد' کی طرف سے خطرہ پیدا ہوا تو اس نے اسے بھی 'شولستان' کے قلعہ 'سفید' میں قید کردیا —

سنہ ۷۴۱ ھ میں امیر شیخ 'حسن کوچک' نے 'سلیمان خاں' کو جو 'ہلاکو خاں' کی اولاد سے تھا' تخت شاہی پر بٹھایا اور اس کے نام سکہ چلانا

شروع کیا - لیکن در حقیقت تمام سلطنت کا مالک خود تھا - سنہ ۷۴۰ ھ میں اس نے اپنے پسر عم ' امیر پیر حسین ' بنبیرہ چوپان ' کو فارس کی حکومت عطا کی - جب ' پیر حسین ' شیراز کے قریب پہنچا تو ' شمس‌الدین محمد ' جو قلعۂ ' سفید' میں تھا ' بھاگ کر اس کے ساتھ مل گیا ' مسعود شاہ ' نے خوب مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی ' پیر حسین ' شہر میں داخل ہوا لیکن اس نے ' محمد ' کو بے گناہ قتل کر ڈالا - جس کی وجہ سے لوگوں نے شورش بر پا کردی - ' پیر حسین ' بھاگ گیا اور مسعود دوبارہ شہر میں داخل ہوا —

سنہ ۷۴۱ ھ میں ' پیر حسین ' دوبارہ لشکر جمع کر کے آیا - ' مسعود ' کو پھر شکست ہوئی اور وہ ' سرستان ' بھاگ گیا - ' پیر حسین ' پچاس دن تک شہر کا محاصرہ کئے رہا - آخر کار شہر والوں نے اس سے مصالحت کرلی اور وہ شہر میں داخل ہوا —

سنہ ۷۴۲ ھ میں ' ملک‌اشرف بن تیمور تاش بن امیر چوپان ' اور ' جمال‌الدین ابواسحق ' نے بڑی فوج کے ساتھ ' اصفہان ' پر قبضہ کر لیا - پھر دونوں مل کر ' فارس ' کی طرف بڑھے - ' پیر حسین ' نے آگے آ کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور بھاگ کر اپنے پسر عم ' امیر حسین کوچک ' سے مدد مانگی لیکن اس نے اسے زہر دے کر مار ڈالا - ' ملک اشرف ' بغیر کسی تکلیف کے ' عراق کا مالک ہو گیا - اس کے بعد دونوں نے ' شیراز ' کا رخ کیا لیکن ' ابواسحق ' نے ایک چال چلی - ' ملک اشرف ' کو کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں شہر میں جاکر آپ کے قیام کا بند و بست کروں - اجازت حاصل کر کے وہ شہر میں داخل ہوا - امیروں کو ورغلا کر اپنی طرف کر لیا اور ' ملک اشرف ' کے مقابلے پر کھڑا ہو گیا — ' ملک اشرف ' نے غصے میں آکر ' فارس و عراق ' کے کئی شہر جلا دئیے اور خود ' آذر بائیجان ' کی طرف چلا گیا جب اس واقعہ کی خبر ' امیر شیخ حسن بزرگ ' کو پہنچی تو اس

نے 'امیر مسعود' اور 'یاغی باستی' کو بھیجا - 'ابواسحق' نے خوشی سے سلطنت کی باگ بھائی کے ہاتھہ میں دے دی لیکن 'یاغی باستی' نے ایک دن موقع پا کر مسعود کو قتل کر ڈالا - شہر کا ایک حصہ 'امیر شیخ' کی طرف ہوگیا اور دوسرا 'یاغی باستی' کی طرف - لیکن تھوڑے ہی عرصے میں موخرالذکر آذر بایجان کی طرف چلا گیا -

اس طرح 'ابواسحق' 'شیراز' اور اس کے توابع کا خود مختار حکمراں ہو گیا*

---

* میں نے یہ سب بیان 'فارس نامۂ ناصری' 'انسائیکلوپیڈیا اسلام' جو تمام تر 'شیراز نامہ' (اس کا مصنف خود 'ابواسحق' کا ہم عصر تھا) سے ماخوذ ہے' اور 'روضۃالصفا' وغیرہ تواریخ سے لیا ہے - لیکن ان کے علاوہ ہمیں 'ابن بطوطہ' کے سفر نامے میں بھی 'ابواسحق' کے حالات ملتے ہیں - 'ابن بطوطہ' 'شیراز' میں دو بار پہنچا - ایک سنہ ۷۲۸ ھ میں اور دوسری بار سنہ ۷۴۸ ھ میں لکھتا ہے :-

جب 'محمود شاہ' (کتاب میں غلطی سے 'محمد شاہ' لکھا ہے) نے وفات پائی تو اس کی جگہہ پر 'سلطان ابو سعید' نے 'شیخ حسین' کو والیٔ شیراز کر کے بھیجا - یہ 'شیخ حسین' امیرالامرا 'چوپان' کا بیٹا تھا ... جب 'شیخ حسین' کو سلطان 'ابوسعید' نے والی شیراز کر کے بھیجا ہے تو اس کی مدد کے واسطے افواج کثیرہ ساتھہ کردئے تھے - 'شیخ حسین' وہاں پہنچ کر قابض ہوا ... 'شیخ حسین' نے ایک مدت تک 'شیراز' میں اقامت کی - بعد اس کے ملک عراق (ابو سعید) کے پاس آنے کا ارادہ کیا تو 'ابواسحق' اور اس کے دونوں بھائیوں 'رکن‌الدین' اور 'مسعود بیگ' اور اس کی والدہ طاشی خاتون' کو گرفتار کر کے 'عراق' لے چلا - جب وہ 'شیراز' کے بیچ بازار میں پہنچے - تو 'طاشی خاتون' نے چہرہ کھول کر لوگوں سے فریاد کی کہ اے اہل شیراز! کیا اس طرح ذلت کے ساتھہ میں شیراز سے نکلونگی ؟

بقیہ حاشیہ پر صفحہ (۴۳۴) -

؛ سنہ ۷۴۲ ھ یا سنہ ۷۴۳ ھ / دہ ھے ' خاندان ایلجو ' کی تاریخ جس کو مولانا نے کتنی غلطیوں کا ارتکاب کر کے بیان کیا ھے - اس تمام بیان کو اگر غور سے پڑھا جائے تو معلوم ھو کا کہ

(۱) ' ابو سعید ' کی زندگی میں ' امیر محمود اینجو ' شیراز کا حاکم تھا اور اس کے بعد ' امیر مسافر اینانق ' حاکم ھوا —

بقیہ صفحہ گذشتہ

حالانکہ میں قاضی کی زوجہ قتل ھوں ... خاتون کے اس کہنے سے لوگوں نے شور مچایا - سپہیوں نے ھتھیار اٹھا لئے اور ' شیخ حسین ' کے لشکر کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر ڈالا - بہت سا مال و اسباب بھی لوٹ لیا - اس طرح اس خاتون اور اس کے لڑکوں کو چھڑا لیا - ' امیر شیخ حسین ' اور اس کے ساتھی سب بھاگ کھڑے ھوے اور سلطان ابو سعید کے پاس پہونچے - سلطان نے بڑا بھاری لشکر اس کے همراہ کردیا اور حکم دیا کہ تم ' شیراز ' کو پلٹ جاؤ اور جس طرح چ ھو ' شیراز ' کے لوگوں پر حکومت کرو - جب سلطان کے حکم کی خبر اھالیان شہر کو ھوئی تو ان کو یقین ھوا کہ ھم ایسے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے - سب کے سب ' قاضی مجدالدین ' کے پاس حاضر ھوے اور ان سے درخواست کی کہ فریقین کے خون بچائیے - غرض ان کی وجہ سے شہر والوں کو امان ملی ... ' امیر حسین ' بڑی دھوم دھام کے ساتھ شہر میں داخل ھوا - جب ' ابو سعید ' نے وفات پائی اور اس کا کارخانہ درھم برھم ھو گیا تو بخوف جان ' شیراز ' سے نکل گیا اور ' ابو اسحق ' حاکم بن گیا ... ''

دیکھو اردو ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ جلد اول اسولسر صفحہ ۲۲ - ۲۱

بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ

(۲) 'شیخ حسن' ابوسعید کی زندگی میں شیراز کا حاکم نہیں بنا بلکہ سنہ ۷۴۰ ھ میں یعنی ابوسعید کی وفات سنہ ۷۳۶ ھ کے چار سال بعد، یہ ایلخانی 'امیر شیخ حسن کوچک' وہ 'شیراز' کا حاکم ہوا —

(۳) یہ 'شیخ حسین' امیر چوپان کا پوتا تھا —

'مولانا اسلم' کا بیان ان تینوں باتوں کے خلاف ہے اور اس لئے غلط - فٹ نوٹ میں جو کچھ 'ابن بطوطہ' کے سفر نامے سے لے کر درج کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً مولانا نے اس کے بیان کو آسان اور زود رساں سمجھ کر درج کرلیا اور کوئی تکلیف گوارا نہ کی کہ یہ بیان ٹھیک بھی ہے یا نہیں!!

آگے مولانا یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

شاہ اسحق میں اگرچہ تمام خوبیاں تھیں مگر وہ آرام پسند تھا - سنہ ۷۵۴ ھ میں 'امیر مبارزالدین' مظفر نے اس کو غافل پا کر شیراز پر حملہ کردیا " صفحہ ۲۰

بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ

لیکن باوجود 'ابن بطوطہ' کی ہم عصری کے ہم اس بیان کو قابل یقین نہیں ٹھیرا سکتے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'محمود شاہ اینجو' 'ابوسعید' سے پہلے فوت ہوا - لیکن یہ بالکل غلط ہے - 'روضۃالصفا' میں 'ارپا خاں' کے حال میں لکھا ہے:—

" در روز استفتاح همین سال ملک سعید شرف الدین " محمود شاہ اینجو را کہ قارون زمان و اشرف و اعظم ملوک جہاں بود' بہ بہانۂ آنکہ پسرے از نسل 'ہلاکو خاں' در حجرۂ تربیت دارد' تا بر سعید بہ قتل آورد "

دیکھو صفحہ ۱۶ - ذکر احوال اولاد چنگیز خاں جلد پنجم - طبع بمبئی —

اور یہ صاف ظاہر ہے کہ 'ارپا خاں' 'ابوسعید' کی وفات (سنہ ۷۳۶ ھ) کے بعد تخت پر بیٹھا —

اس کے علاوہ 'ابن بطوطہ' نے 'ابواسحق' کے صرف دو بھائیوں کے نام بتائے ہیں - حالانکہ انسائکلو پیڈیا اسلام میں بہ حوالۂ شیراز نامہ صاف طور سے لکھا ہے کہ امیر محمود کے چار لڑکے تھے - 'رکن الدین' کا نام 'ابن بطوطہ' نے غلط لکھا ہے - 'ابواسحق' کا کوئی بھائی اس نام کا نہیں — (بقیہ حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

لیکن بعد میں دوسری صفحہ (۲۱) پر خود لکھتے ہیں :

...... لیکن حقیقت یہ ہے کہ ' شاہ ابواسحق ' اور ' مظفر ' میں ابتداهی سے لڑائیاں هوتی چلی آتی تھیں اور ' همیشہ ابواسحق کو فتح هوتی تھی ' - کیونکہ اس کے پاس فوج بہت زیادہ تھی - لیکن اس دفعہ اس حملہ میں بازی پلٹ گئی شاہ ابواسحق کو بڑی جرأت ' سے لڑا لیکن ' امیر مظفر ' نے اس کو شکست دی اور میدان چھوڑ کر اصفہان بھاگا —

اب اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم هوگا کہ یہ دونوں بیانات متضاد هیں ایک طرف تو کہا گیا ہے کہ ابواسحق غافل تھا اور امیر مظفر نے اسی بے خبری کی حالت میں حملہ کردیا - دوسری طرف کہتے هیں کہ ان میں همیشہ لڑائیاں هوتی تھیں اور ایسی حالت میں کیسے بے خبری رہ سکتی ہے —

پیشتر اس کے کہ میں ان بیانات کی تردید میں کچھ لکھوں ' مناسب سمجھتا هوں کہ امیر مظفر اور اس کے خاندان کے متعلق بھی کچھ لکھوں تا کہ ناظرین کو سمجھنے میں دقت نہ هو —

' خاندان آل مظفر '

' اس خاندان کا بانی ' ' مبارزالدین بن مظفر ' ' ابوسعید ' کے عہد میں

بقیہ حاشیہ بر صفحۂ گذشتہ

ابن بطوطہ کی غلطی کے کئی وجوهات هیں - اول تو یہ ہے کہ جو اب سفر نامہ موجود ہے وہ صرف اصلی سفر نامے کا خلاصہ ہے جسے ' ابن جزی ' نے جو ' سلطان ابوعنان مرینی ' بادشاہ ' مراکو ' کا سکریٹری تھا ' کہا تھا - اور اب جو سفر نامہ موجود ہے وہ در حقیقت یہی خلاصہ ہے - دوم یہ کہ وہ تمام یاد داشتیں جو ' ابن بطوطہ ' نے لکھی تھیں دریا میں ضائع هو گئیں - اور زبانی واقعات جو اسے یاد رهے اس نے وهی درج کر دئے - اس بیان کی تائید علامہ ' ابن خلدون ' سے بھی هوتی ہے - انھوں نے صاف لکھا ہے کہ ابن بطوطہ کے کئی بیانات ناقابل قبول هیں —

معمولی درجے کا آدمی تھا - لیکن آهسته آهسته ایسے کارهائے نمایاں کئے که 'ابوسعید' کا منظور نظر بن گیا - جب 'ابوسعید' فوت هوا تو اسوقت یه یزد کا حاکم تھا - اس نے فوراً یزد اور کرمان پر قبضه کرلیا اور آهسته آهسته ترقی کرتا رها - هم پہلے بیان کرچکے هیں که 'ابواسحق' سنه ۷۴۲ ھ میں مستقل طور سے 'شیراز' پر قابض هوگیا - تخت پر بیٹھتے هی اس نے توسیع سلطنت میں کوشش شروع کی - لیکن فوراً هی اسے 'مبارزالدین' سے پالا پڑا - مبارزالدین دلیر آدمی تھا ' سپاهی منش تھا اس لئے ابواسحق کی کچھه نه چل سکی - آخر کار سنه ۷۵۴ھ میں مبارزالدین نے اسے شیراز کے قریب شکست دی اور وہ بھاگ کر 'اصفہان' جاپہنچا - وهاں بھی چار پانچ سال تک وہ مقابله پڑتلا رها لیکن آخر کار قید هوا اور 'امیر مظفر' نے اسے قتل کر ڈالا —

لیکن 'امیر مظفر کا خود بہت بڑا حشر هوا - اس کے لڑکے شاہ شجاع نے اسے پکڑ کر اندھا کر دیا (سنه ۷۶۰ ھ) - کئی سال تک بے چارہ قید میں پڑا رها اور آخر کار وهیں مرگیا —

خواجه 'حافظ' نے اس واقعه کی طرف ایک قطعه میں اشارہ کیا ہے ...

شاہ غازی خسرو گیتی ستاں آنکه از شمشیر از خوں می چکید
عاقبت شیراز و تبریز و عراق چوں مسخر کرد وقتش در رسید
آں که روشن به جهاں بینش ازو میل در چشم جهاں بینش کشید

'شاہ شجاع' باپ کو اندھا کرکے 'شاہ شجاع تخت پر بیٹھا اور تمام ملک اپنے رشته داروں میں بانٹ دیا - 'کرمان' اپنے بھائی 'سلطان احمد' کو اور 'اصفہان' شاہ محمود کو - (سنه ۷۶۵ ھ) میں کسی بنا پر اپنے بھائی 'سلطان محمود' سے مخالفت هوگئی - لیکن بہت جلدی فیصله هوگیا - 'شاہ محمود' کے دل میں ابھی تک رنج تھا - اس نے 'سلطان اویس جلائر' کو 'بغداد' میں خط بھیجا که اگر چه

میرا بھائی ' شیراز ' چلا گیا ہے لیکن ' اصفہان ' کی تسخیر کا خبط اس کے دل میں ہے - اگر آپ مدد کریں تو تمام فارس فتح ہوسکتا ہے شاہ شجاع کو بھی اس بات کا پتہ لگ گیا - ادھر ' شاہ یحیی ' ' نے یزد ' پر قبضہ کرلیا - ' شاہ شجاع ' نے فوراً اپنے وزیر خواجہ قوام الدین نیار کو ' یزد ' بھیجا لیکن بعد میں اس کا قصور معاف کردیا - اس کے بعد ' شاہ محمود ' سلطان اویس کی مدد لیکر آگیا اور شہر پر قبضہ کرلیا - شاہ ' شجاع ' نے کرمان میں اپنی حکومت قائم کرلی - پھر استقلال پکڑ کر شاہ محمود ' کو بھگا دیا اور دوبارہ شیراز پر قابض ہوگیا - بعد میں ' تبریز ' ' شوستر ' ' بغداد ' اور سلطانیہ پر بھی قبضہ کرلیا - آخرکار ۷۸۶ ھ میں فوت ہوا ' زین العابدین ' شاہ شجاع کے بعد اسکا بیٹا فارس کی حکومت کا مالک ہوا ' مرنے سے پہلے اس نے ' تیمور ' جس نے شاہ شجاع کی زندگی ہی میں نمایاں کامیابیاں حاصل کرنی شروع کردی تھیں، خط لکھا کہ آپ میری اولاد کی حفاظت کریں - ' شاہ شجاع ' کے بھتیجے ' شاہ ' یحیی ' نے شیراز پر حملہ کیا - لیکن شکست کھائی - اس کے بعد سنہ ۷۸۹ ھ میں ' تیمور ' نے حملہ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ ' تیمور ' نے ایک ایلچی ' زین العابدین ' کے پاس بھیجا تھا اور کہا تھا کہ تمہارے والد مرحوم نے تمہیں میرے حوالے کیا ہے اس لئے بہتر ہے کہ تم میری اطاعت قبول کر لو - لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی اور سیدھا ' شوستر ' بھاگ گیا جہاں اس کا ' چچا زاد بھائی ' منصور ' حکمران تھا - اس نے اسے اندھا کر دیا —

' تیمور ' کسی خاص وجہ سے سمرقند واپس چلا گیا اور شاہ ' یحیی ' کو ' شیراز ' کا گورنر بنا گیا لیکن ' تیمور ' کے جاتے ہی شاہ ' منصور ' ' شیراز ' پر چڑھ آیا اور اسے فتح کر لیا - جب سنہ ۷۹۵ ھ میں ' تیمور پھر دوبارہ واپس آیا تو شاہ ' منصور ' نے خوب دل کھول کر مقابلہ کیا - لڑائی کے دوران میں کئی دفعہ وہ خود ' تیمور ' کے پاس جا پہنچا اور ایک دفعہ وار کرنے ہی کو تھا کہ ' تیمور '

کے لڑکے شاہ رخ ' میرزا ' نے اسے قتل کر ڈالا - اس کے قتل کے بعد ' تیمور ' نے اس کی بہادری کی بہت تعریف کی اور کہا کہ میں نے آج تک کسی کو 'منصور' کا ہمسر نہ پایا اس لڑائی کے بعد ' تیمور ' نے سب مظفری شاہزادوں کو قتل کر ڈالا اور آل ' مظفر ' کا خاتمہ ہوا —

بہ عبرت نظر کن بہ آل مظفر　　شہانے کہ گوئے از سلاطیں ربودند
کہ در ہفصد و خمس و تسعین ہجرت　　دہم شب ز ماہ رجب چوں غنودند
چو خورشید فاں از زما نہا بہ رشتند　　چوں ذرہ بہ اندک زمانے دُرودند

اب میں ان دونوں بیانات " کی طرف راجع ہوتا ہوں " - اصل واقعات یہ ہیں کہ دونوں میں لڑائیاں ہوتی رہیں اور ہر دفعہ شیخ ' ابواسحق ' کو شکست ہوئی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح صلح کر لیتا - مگر جب سنہ ۷۵۴ ھ میں امیر ' مظفر ' نے حملہ کیا تو ' ابواسحق ' نے قاضی ' عضدالدین ' کو صلح کے لئے بھیجا - لیکن امیر ' مظفر ' نے صلح سے انکار کر دیا - بعد میں ابواسحق کو شکست ہوئی —

' حبیب السیر ' میں لکھا ہے :—

" در اوائل سن اربع و خمسین و سبعمائہ ' ہمت بلند نہمت ارجمند ' امیر مبارزالدین محمد ' را بران داشت کہ کمند اندیشہ بر کنگرۂ تسخیر شیراز انداخت . . . امیر شیخ بعد از تقدیم مشورہ عمدۃ المتاخرین ' قاضی عضدالدین را بہ رسم رسالت نزد امیر مظفر فرستادہ و التماس مصالح نمود . . . لاکن جناب مبارزی جواب داد کہ بر عہد و پیمان شیخ ' ابواسحق ' مطلقاً اعتماد نیست زیرا کہ ہشت نوبت با من مصالح نمود و باز راہ منازعت پیمود . . . "
جز و دوم از جلد سیوم - سلطانت امیر مظفر

اس بیان سے صاف واضح ہے کہ امیر ' ابواسحق ' امیر ' مظفر '

کے حملہ سے واقف تھا ' بے خبر نہیں تھا یہ بھی واضح ہے کہ دونوں کے درمیان آٹھ دفعہ لڑائی ہوئی اور آٹھوں دفعہ ' ابواسحق ' شکست کھا کر صلح کرنے پر مجبور ہوتا رہا - اس کے علاوہ اس کی جرأت سے لڑنا بھی ثابت نہیں ہوتا چنانچہ لکھا ہے کہ جب اس نے مقابلہ کے لئے فوج کو شہر سے پانچ فرسخ کے فاصلہ پر قائم کیا تو امیر ' مظفر ' کا خوف اسے ہر وقت لگا رہتا تھا - حتیٰ کہ جب اس کی آمد کی خبر اس کے کان تک پہنچی تو فوراً میدان چھوڑ کر قلعہ بند ہو بیٹھا !

" ..... ' امیر شیخ ' از صلح نومید شدہ با لشکرے چوں سیل پر خروش ' پنج فرسنگئے شیراز را محل نزول ساخت لیکن بعد از قرب و صول جناب مبارزی وہم برو غالب گشتہ بہ شیراز در آمدہ "

یہ ہے اس کی جرات اور میدان میں لڑنا ! —

مولانا حاجی قوام الدین حسن کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انھوں نے حافظ کے لئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا (دیکھو صفحہ ۲۱) لیکن یہ غلط ہے - میں نے اس سے پیشتر اردو کے جنوری سنہ ۱۹۲۹ ع والے نمبر میں اس خیال کی تردید کر دی ہے —

قولہ :-

" امیر مظفر ایک سپاہی منش اور سخت طبیعت کا آدمی تھا - جب شیراز پر اس کا قبضہ ہوا تو اس نے بہت سختیاں کیں - یہاں تک کہ تمام لوگ اس کے دشمن ہوگئے - اس کے بیٹے شاہ شجاع نے جب دیکھا کہ عنقریب ملک میں بغاوت ہونے والی ہے تو امراء لشکر کے ساتھ متفق ہو کر ۷۶۰ ھ میں مظفر کو گرفتار کر لیا - آنکھوں میں سلائی پھیر کر قید کر دیا " صفحہ ۲۳

مولانا کے ایسے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ بجائے ایک سوانح اور تنقیدی

مضمون لکھنے کے وہ ایک ناول یا کہانی تصنیف فرما رہے هیں ' جس کا هیرو شاہ شجاع هے - یہ پہلا موقع هے کہ انہوں نے شاہ شجاع کی تعریف کی هے اور آگے بھی کئی اور مواقع آئیں گے - شاید انہیں شاہ شجاع سے محبت هو گئی هے اور وہ اسے کسی حالت میں بھی برے رنگ میں پیش نہیں کر سکتے - اس لئے اس کی برائی کو بھی اچھائی کے رنگ میں پیش کرتے هیں —

اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر مظفر بڑا ترش مزاج آدمی تھا - سخت گیر تھا اور کئی انسانوں کو اس نے بڑی بے رحمی سے قتل کیا تھا لیکن اس ظلم کے ساتھہ هی ساتھہ اس کا رعب و داب اس کی هیبت و طاقت اتنی تھی کہ کوئی اس کے سامنے بول نہیں سکتا تھا - باوجود اس ظلم کے ملک میں کسی قسم کی بغاوت کا اثر نہ تھا - شاہ شجاع نے اپنے باپ کو اندھا کیا اس خوف سے نہیں کہ ملک میں بغاوت هونے والی هے بلکہ اس خوف سے کہ کہیں باپ بجائے اس کے کسی اور بیٹے کو بادشاہ نہ بنادے - وہ خود عیاش تھا - اور مظفر بڑا دیندار - اس لئے باپ همیشہ شاہ شجاع کو حقارت سے دیکھا کرتا تھا —

اس کی شہادت تاریخ سے یوں ملتی هے —

(ا) ایک دفعہ امیر مظفر نے شاہ شجاع کو کسی دشمن کے تعاقب میں بھیجا روضة الصفا میں هے :—

" شاہ شجاع و شاہ محمود را از عقب گر یختگان فرستاد - ایشاں تا نخچوان رفتہ در انجا سہ شبانہ روز بہ عیش و عشرت مشغول گشتند و چوں مراجعت نمودند ' امیر محمد شاهزادگان را بہ سخنان زشت و دشنامهاے غلیظ مشوش خاطر گردانید و ایں موجب کینہ و عداوت اولاد گشت "

جلد چہارم - آغاز احوال شاہ شجاع صفحہ ۱۴۶

(ب) دوسری جگه لکھا هے :-

" چوں جناب مبارزی در اصفہاں قرار گرفت ' فرزنداں را به دستور سابق بلکه زیادہ از اں به سخنان و کلمات نا خوش و حرکات خنک می رنجانید و شاہ شجاع و شاہ محمود قبل از وصول به صفہاں بشاہ سلطان شکایتے از پدر کردہ بودند و گفته بود که امیر محمد داعیهٔ آں دارد که شہد را بکبرد و فرزند کوچک خویش ابویزید را بر تخت نشاند... پس ایں سه کس باهم عہد کردہ اتفاق نمودند که چوں به اصفہاں رسند ' جناب مبارزی را گرفته ' مقید سازند "

یه هیں وجوہ جو تواریخ میں همیں ملتے هیں - مولانا نے خدا جا نے کہاں سے یه روایت لی که بغاوت کے خوف سے انہوں نے اسے قید کرلیا —

قوله :-

" ابوالفوارس شاہ شجاع کے تخت نشین هوتے هی تمام لوگ بہت خوش هوئے کیونکه وہ خود عالم ' عالم دوست اور بڑا دیندار تھا- علماء و صلحاء کی اس کے دربار میں بڑی قدر و منزلت هوتی تھی " صفحه ۲۳

اس جگه مولانا نے شاہ شجاع کی پھر تعریف کی هے - هم اوپر ذکر کر چکے هیں که ایک دفعه شاہ محمود نے سلطان اویس والیء بغداد کی مدد سے اپنے بھائی شاہ شجاع سے شیراز فتح کر لیا - لیکن کچھ عرصه بعد ۷۶۷ھ میں شاہ شجاع نے دوبارہ پھر شیراز فتح کر لیا-اس وقت حبیب السیر میں لکھا هے :-

در امر معروف و نہی منکر و تقویت ایمان ارکان شریعت خیرالبشر صلعم مبالغهٔ بسیار نمود و در تعمیر مساجد و مدارس وخوانق

مساعی جمیلہ مبذول داشتہ ملازمت مجلس علماء کرام اختیار نمود"

جلد سیوم جز و دوم ذکر سلطنت آل مظفر صفحہ ۲۹

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اسلم نے اس بیان سے تمام واقعات درج کئے ہیں لیکن ایک محقق کا فرض ہے کہ وہ تمام واقعات پر نظر ڈالے - نہ یہ کہ جو مطلب کا بیان ہو وہ لے لے اور باقی کو چھوڑ دے - ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ شاہ شجاع نے یہ سب کچھہ کیا - لیکن یہ کرنے کی وجہ ملکی تھی اس نے اپنی رعایا کو خوش کرنے کے لئے یہ کام کئے اور مولانا نے غلط فہمی سے اسے الٹا سمجھہ لیا - چنانچہ اسی تاریخ میں کسی اور جگہ لکھا ہے کہ جب وہ سلطانیہ اور بغداد وغیرہ ممالک فتح کرکے آتا ہے تو عیش و عشرت میں مشغول رہتا ہے —

" دراں ایام بر شرب مدام چنداں حرص و شرہ پیدا کردہ کہ از دست ساقیان گلندام جزمئے گلفام نمی گرفت و از علواء مستی صبوح از عیوق باز نمی شناخت و ترانۂ مجلس او بہ ذروۂ عیوق رسیدہ ... چوں اغلب اوقات ازجام نشاط و ساغر عشرت جرعۂ کم نمی فرمود ' غذا بسیار اندک تناول می نمود . . "

اب اگر ہم اس بیان کو پڑھیں تو اس سے کیا اندازہ لگا سکتے ہیں - مولانا ' اسلم ' کی جو مرضی ہو وہ کہیں لیکن ہمارے نزدیک تو جیسا کہ اس بیان سے صاف ظاہر ہے وہ شرابی تھا —

کسی یورپین مورخ نے لکھا ہے کہ " حقیقت میں ' شاہ شجاع ' کی عیاشی کی وجہ سے اس کے زمانہ میں شراب خواری اور عشق بازی کا بہت زیادہ چرچا ہوگیا تھا - مولانا ' اسلم ' اس فقرہ پر تنقید کرتے ہوے لکھتے ہیں :

" کاش اس مورخ نے کوئی تاریخ بھی ' فارس ' کی اُٹھا کر پڑھی ہوتی تو اسے معلوم ہوجاتا کہ تمام شاہان ' شیراز ' میں ' شاہ شجاع ' بہت بڑا عالم اور نہایت درجہ کا پابند شرع اور حافظ قرآن تھا -

اس کا زمانہ 'شیراز' کے لئے شریعت اور مذہب کا زمانہ تھا ایسے متشرع بادشاہ کے متعلق اس قسم کا غلط اندازہ کرنا فارسی تاریخ سے جہالت کی دلیل ہے'

لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جو فقرہ مولانا نے دوسروں کے لئے استعمال کیا ہے وہ خود مولانا پر ہی عائد آتا ہے۔ بہ مانا کہ وہ عالم تھا' حافظ قرآن تھا لیکن کیا ان دونوں چیزوں سے اس کا پرہیز کار بھی ہونا ضروری ہے تاریخ صاف لفظوں میں بتلا رہی ہے کہ وہ عیاش اور شراب خوار تھا —

ایک بیان تو ہم پہلے 'حبیب السیر' سے ابھی درج کرچکے ہیں۔ ایک اور جگہ درج ہے کہ وہ شراب کے نشے میں اتنا مست ہوگیا کہ اسے دین و دنیا کا ہوش نہ رہا اور اسی مستی کی حالت میں اس نے اپنے بیٹے سلطان 'شبلی' کی آنکھیں نکلوانے کا حکم دیا۔ لیکن جب ہوش آیا تو بہت پچھتایا لیکن جو ہونا تھا وہ ہوچکا اب آپ اس مستی کے کیا معنی لیتے ہیں ؟

میں نے اس سے پہلے کسی اور تعلق میں روضۃ الصفا سے ایک بیان نقل کیا تھا (دیکھو صفحہ ۸) اس میں لکھا ہے

"ایشاں تا نخچواں رفتند در اں جا سہ شبانہ روز بہ عیش و عشرت مشغول گشتند"

'ایشان' کی ضمیر کا اشارہ 'شاہ شجاع' اور 'شاہ محمود' کی طرف ہے۔ 'مبارزالدین' نے جو اپنی اولاد سے درشتی کی تو اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ خود پرہیزگار تھا اور اس کے برخلاف 'شاہ شجاع' عیش پرست —

اب اگر انسان ان واقعات کا مطالعہ کرے تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ 'شاہ شجاع' پرہیز گار تھا —

مولانا اسلم ان دلیلوں کے علاوہ ایک اور دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ

ہے کہ خود خواجہ 'حافظ' نے 'شاہ شجاع' کی تعریف کی ہے:

مظہر لطف ازل روشنئی چشم امل　　جامع علم و عمل جان جہاں شاہ شجاع

اور اس کے ساتھ لکھتے ہیں:

ایک بات ضرور تھی کہ امیر 'مظفر' نے شراب خانے بند کردئیے تھے اور 'شاہ شجاع' کے زمانے میں تجارت کی آزادی کی وجہ سے پھر شراب کی دوکانیں کُھل گئیں - اسی کا بعض جگہ خواجہ نے مذاق اُڑایا ہے:

سحر ز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش　　کہ دور شاہ شجاع ست می دلیر بنوش

چونکہ خواجہ 'حافظ' نے 'شاہ شجاع' کی تعریف کی ہے اور اسے جامع علم و عمل کہا ہے تو اس سے نتیجہ نکالنا کہ وہ درحقیقت ایسا ہی تھا بالکل غلط ہے - 'حافظ' قصیدہ خوانی میں ایسا ہی تھا جیسے کہ دوسرے شاعر - اس کا بیان بعد میں آئے گا —

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا شراب خانے کُھلوا دینا حالانکہ اس کے والد نے انھیں بند کیا تھا کوئی عیب کی بات ہے یا نہیں - اس کی موجودہ مثال ریاست بھوپال سے ملتی ہے - موجودہ حکمراں سے پہلے تمام شراب کا کار و بار بند تھا لیکن موجودہ نواب نے شراب بنانے اور بیچنے کی عام اجازت دے دی ہے - اس پر تمام ملک میں عام احتجاج ہوا تھا - خواہ یہ تجارت کی وجہ سے ہو خواہ کسی اور مدعا سے ہر حالت میں یہ کار بد ہے - اور شاہ 'شجاع' کی حالت میں تو یقیناً اس لئے تھا کہ وہ خود شراب خوار تھا - اب دیکھئے 'خواجہ حافظ' اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں

غزل کا مطلع یوں ہے:

سحرز ہاتف غیبم رسید مژدہ بگوش　　کہ دور شجاع ست می دلیر بنوش

اور آخر میں یوں ختم کرتے ہیں:

محل نور تجلی ست رائے انور شاہ　　چو قرب او طلبی در صفائے نیت کوش

بجز ثنائے جلالش مساز ورد ضمیر کہ هست گوش دلش محرم پیام سروش

رموز مصلحت ملک خسرواں دانند گدائے گوشہ نشینی تا حافظا مخروش

ان اشعار کو سمجھانے کے لئے مجھے ' شیخ سعدی ' کی ایک مثال پیش کرنی چاهئے —

تاریخ کا مشہور واقعہ هے کہ جب ' هلاکو خاں ' نے سنہ ۶۵۶ ھ میں بغداد کو تباہ کیا تھا تو ' ابوبکر بن سعد زنگی ' (المتوفی سنہ ۶۵۸ ھ) نے جو خاندان ' اتابک ' سے شیراز کا حاکم تھا ' اپنی فوج جواں آور کی مدد کے لئے بھیجی اور اس طریقے سے اس نے اپنی سلطنت کو بچا لیا - لیکن اس کے ساتھ اس نے ایک دوسری اور زیادہ با وقعت اسلامی سلطنت کو تباہ کرنے میں مدد دی - ' شیخ سعدی ' (المتوفی سنہ ۶۹۱ ھ) نے بغداد کا مرثیہ لکھا تو آخری شعر یہ تھے :

خسرو صاحب قران غوث زماں بوبکر سعد آنکہ اخلاقش پسندیدہ است و اوصافش گزیں

مصلحت بود اختیار رائے روشن بین او زیر دستاں را سخن گفتن نشاید جز چنیں

روز کارت باسعادت باد و سعدی مدح گوئے رایتت منصور و بختت باز و اقبالت قریں

اب ' حافظ ' کے شعروں کا ان اشعار کی روشنی میں مطالعہ کرو - تم کو معلوم هوگا کہ ' حافظ ' نے کس طرح عمدہ طریقہ سے شاہ ' شجاع ' کی هجو کی هے - ظاهر یہ تعریف هے اور در پردہ مذمت ! سو مولانا ' اسلم ' کو سمجھنا چاهئے کہ شراب خانے کھولنا کوئی اچھا کام نہیں اور اس کام پر ' حافظ ' نے بھی ' شاہ شجاع ' کو برا کہا لیکن چونکہ حاکم وقت تھا اس لئے زیادہ زبان کھولنے کی جرات نہیں هوئی —

قولہ :

" سنہ ۷۸۶ ھ میں ' شاہ شجاع ' کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ' زین العابدین ' تخت نشین هوا ... اس مغرور شہزادے نے باپ کے

صاحبوں اور ملازموں کے ساتھہ بد سلوکیاں شروع کیں اور شیراز میں
پھر دور مظفری تازہ ہو گیا " صفحہ ۲۶

معلوم نہیں کہ مولانا نے کہاں کہاں سے اپنا مواد جمع کیا ۔ کسی تاریخ میں تو کم از کم ایسے واقعات نہیں ملتے ۔ حبیب السیر میں لکھا ہے :

" ہمدریں سال اشراف و اعیان اصفہان بہ واسطہ بخل و امساک شاہ یحییٰ
بہ مقام ہوا داریء سلطان زین‌العابدین کہ در غایت کرم و سخاوت بود
آمدند ... " جز و دوم از جلد سیوم صفحہ ۳۸

اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اس نے کس حد تک اپنے امیروں کو تنگ کیا ۔۔

قولہ :۔

" مثل مشہور ہے کہ ظلم کی عمر تھوڑی ہوتی ہے ابھی ایک سال بھی نہ گزرنے پایا تھا کہ سنہ ۷۸۷ ھ میں شہنشاہ ' تیمور ' ایک گرجتے برستے بادل کی طرح آن پہنچا ۔ ' زین‌العابدین ' نے مقابلہ کے لئے لشکر فراہم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا ۔ آخر خوف کے مارے صاحب قران کے آنے سے پہلے ہی ' شیراز ' سے بھاگا اور اپنے چچا ' منصور ' کے پاس ' تستر ' میں پہنچا " صفحہ ۲۷

اس بیان میں کچھہ اتنی غلطیاں جمع ہیں کہ ہنسی آتی ہے ۔ تیمور کا پہلا حملہ سنہ ۷۸۹ ھ میں ہوا نہ کہ سنہ ۷۸۷ ھ ۔ اور اس حملہ کی وجہ ' زین‌العابدین ' کا ظلم نہ تھا بلکہ اس کی وجہ کوئی اور تھی ۔ ' حبیب السیر ' میں لکھا ہے :

" در سنہ ثمان و سبعین و سبعمائہ کہ صاحب قران گیتی ستاں امیر تیمور گورگاں ہمت عالی بر استخلاص و لایت ' آذربایجان ' و عراق گماشت ' ایلچی بہ شیراز فرستاد وبہ سلطان ' زین‌العابدین '

پیغام داد کہ پدر مرحوم تو با ما در مقام دولتخواہی و اتحاد بود -
بنا برآں در وقت وفات یافتن مکتوبے در باب سفارش تو ارسال نمود
می باید کہ بدرگاہ عالم پناہ آئی تا ترا بہ نوعے منظور نظر گردانیم
... سلطان زین‌العابدین بہ سبب عدم مساعدت بخت ہر توجۂ
آستانۂ جہاں و جلال طریق اہمال و اہمال سلوک داشت بلکہ ایلچی را
اجازت مراجعت ندادہ ... " صفحہ ۳۹

نیز یہ کہنا کہ ' زین‌العابدین ' نے فوج جمع کرنے کی کوشش کی کہیں ظاہر نہیں ہوتا - جب ' تیمور ' نے اصفہان کے تمام آدمیوں کو قتل کر ڈالا تو ' شیراز ' کی طرف رخ کیا - اس وقت لکھا ہے :

صاحب قراں عازم شیراز گشت و سلطان زین‌العابدین از واقعۂ اصفہان
و توجہ موکب نصرت نشاں ' خبر یافتہ بہ جانب شستر گریخت "
اس کے علاوہ مولانا نے بجائے شستر کے جس کو شوستر بھی لکھتے ہیں '
تستر لکھا ہے - معلوم نہیں کہ آپ نے یہ نام کہاں سے لیا ہے ؟

قولہ :-

" ... انھوں نے کسی امیر یا وزیر کی شان میں کبھی کوئی قصیدہ نہیں لکھا جو شعراء کا خاصہ خیال کیا جاتا ہے اور جس سے شیخ سعدی جیسے بزرگ تارک‌الدنیا بھی نہیں بچ سکے - ' انھوں نے بہت کیا تو یہ کیا کہ کسی غزل میں ایک دو شعر کسی کی تعریف ' میں بڑھا دئیے اور اس کا قلم لے دیا اور بس "		صفحہ ۱۹

ایک دوسری جگہہ مولانا فرماتے ہیں :

" قصیدوں کی کیفیت یہ ہے کہ مطبوعہ نسخوں میں سے کسی میں کوئی قصیدہ نہیں ہے - کسی میں چار ہیں کسی میں پانچ - ہمارے

سنہ ۹۵۲ ھ کے نسخے میں ایک بھی نہیں ہے سنہ ۱۲۰۸ ھ کے نسخے میں سات ہیں —

مگر عام طور پر قلمی نسخوں میں کوئی قصیدہ نہیں پایا جاتا " صفحہ ۷۰ یعنی 'مولانا اسلم' کے خیال کے مطابق 'حافظ' نے کبھی قصیدہ خوانی نہیں کی وہ کسی دوسرے کی تعریف نہیں کرتے تھے بلکہ ہر وقت اپنی ہوس میں غرق رہتے تھے - لیکن یہ خیال درحقیقت غلط ہے - 'حافظ' نے ایسی ہی قصیدہ خوانی کی جیسے کہ دوسرے فارسی شاعروں نے کی - لیکن ایک نقطہ بیان کر دینے کے قابل ہے 'مولانا روم' اور 'عطار' رحمہم اللہ تعالے نے اپنی تمام عمر بے پروائی میں گذاری - یہ حالت زمانہ کے اقتضا کی وجہ سے تھی - تمام ملک میں بدامنی تھی - اسلامی سلطنتیں تباہ ہوگئیں اس حالت میں اگر ان شخصوں نے اپنی حاجت روائی کے لئے دست سوال دراز نہ کیا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ حالت ہی ایسی تھی - یہی حال 'شیخ سعدی' کا تھا - لیکن ان کے زمانے میں قدرے امن تھا انھوں نے بھی اپنے زمانے کے بادشاہوں کی تعریفیں لکھیں لیکن مولانا 'اسلم' کو سمجھ لینا چاہئیے کہ ان تمام قصائد میں ان کو شاذو نادر ہی کوئی ایسا موقع ملے گا جہاں وہ یہ کہہ سکیں کہ یہ مبالغہ ہے - انھوں نے قصیدوں میں بادشاہوں کو سمجھایا اور اس سمجھانے سے وہ کبھی نہیں ٹرے ایسی ہمت عالی پیدا کرنی بڑی مشکل ہوتی ہے - لیکن اس کے بر خلاف خواجہ حافظ نے قصیدے لکھے اور ان میں بادشاہوں کی تعریف کی اور ایسی تعریف کی جو عام فارسی شعراء کا رویہ ہے —

ان کے دیوان میں چند قصائد ہیں - ایک ان میں سے 'ابواسحق' کی تعریف میں، ایک 'شاہ شجاع' اور ایک 'شاہ منصور' کی تعریف میں - اب 'مولانا اسلم' ان قصائد کو حافظ کی طرف منسوب کرنے سے انکار کرتے ہیں - لیکن ایک آدمی کا انکار جب کہ وہ بغیر دلیل ہو کوئی وقعت نہیں رکھتا - 'ابواسحق' کی تعریف

خواجہ ' کرمانی ' نے بھی کی ہے اور اگر یہ قصیدہ اس کے ہاں بھی نہ ملے تو پھر اس کو کس کی طرف منسوب کریں ؟ اس طرح ' شاہ شجاع ' کی تعریف میں ' سلمان ساوجی ' اورعماد کرمانی نے قصاید لکھےاوراگریہ قصیدہ ان کےدواوین میں بھی نہ ملے تو پھر اس کو کیا کریں ؟ ان کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ یہ جعلی ہیں - لیکن جعلی لکھنے والوں کا کوئی مقصد ہونا چاہیے - انہوں نے جو یہ جعلی قصیدے لکھکر ' حافظ ' کی طرف منسوب کئے تو کیا وجہ تھی ؟ حضرات تشیع نے تو کئی قصیدے اس غرض سے تصنیف کرا کر مختلف شعرا کے دواوین میں شامل کئے کہ وہ شیعہ ثابت ہوسکیں لیکن معلوم نہیں کہ ان قصائد کو لکھنے والے کا کیا مدعا تھا ؟یہ محض ' حافظ اسلم ' کا خیال خام ہے کہ یہ قصائد ' حافظ ' کے نہیں - اسی طرح انہوں نے ' حافظ ' کے ' ساقی نامہ ' سے بھی انکار کردیا ہے حالانکہ مولف میخانہ نے جو جہانگیر کے زمانے میں بیٹھا لکھہ رہا ہے اس کو ' حافظ ' کی طرف منسوب کیا ہے - اگر بعض شخصوں نے غلطی سے بعض چیزوں کو ' حافظ ' کے دیوان میں داخل کردیا تو مولانا ' اسلم ' نے اس کے برعکس دوسری غلطی کی کہ ان چیزوں کو جو ' حافظ کی ہی تھیں ' دیوان سے خارج کردیا ہے برایں عقل و دانش بباید گریست پیشتر اس کے کہ میں ' حافظ ' کے قصیدوں کی مثالیں پیش کروں ' میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ ' شیخ سعدی ' کے قصائد کے نمونے بھی پیش کروں تاکہ مولانا ' اسلم کو معلوم ہوجائے کہ ' شیخ سعدی ' اگر وہ تارک‌الدنیا تھے تو وہ قصائد میں بھی تارک‌الدنیا ہی رہے - سب سے پہلے میں ان کے ان قصائد کو لیتا ہوں جو انہوں نے ' اتابک ' کی مدح میں لکھے ہیں - فرماتے ہیں ' —

بس بگردید و بگردد روزگار دل بہ دنیا در نہ بندد ہوشیار

اے کہ دستت می رسد کارے بکن پیش ازاں کز تو نیاید ہیچ کار

نام نیکو گر بماند ز آدمی به کز و ماند سرائے زر نگار
صورت زیبائے ظاہر ہیچ نیست اے برادر سیرت زیبا بیار
چوں خداوندت بزرگی داد و حکم خوردہ از خوردان مسکیں در گزار
نام نیک رفتگاں ضائع مکن تا بماند نام نیکت بر قرار

اور اخر میں فرماتے ہیں —

سعد یا چنداں کہ میدانی بگو حق نشاید گفتن اِلا آشکار
ہر کرا خوف و طمع دربار نیست از ختا باکش نباشد و ز تتار

ایک دوسرے قصیدے میں جو انھوں نے انکیانو کے لئے ھی لکھا ہے فرماتے ہیں۔

بہ نقل از اوستاداں یاد دارم کہ شاہان عجم کیخسرو و جم
ز سوز سینۂ فریاد خواہاں چناں پرہیز کردندے کہ از سم
درامش بادہ ملک و پادشاہی کہ پیشش سم گویند از قفا نم
سخن شیریں بود پیر کہن را ندانم بشنود نوئیں اعظم
جہاں سالار عادل انکیانو سپہدار عراق و ترک و دیلم
چنیں پند از پدر نشنیدہ باشی الا گر ہوشیاری بشنو از عم
نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ سخن ملکیست سعدی را مسلم

' انکیانو ' تو پھر بھی معمولی ' شیراز ' کا حاکم تھا - سعدی نے جب ' علاءالدین جوینی ' اور صاحب دیوان شمس‌الدین جیسے شخصوں کی تعریفیں کی ھیں تو بھی ان میں کہیں مبالغہ نہیں ملتا - شیخ سعدی کے اپنے بیان کے مطابق صاحب دیوان ' شمس‌الدین ' نے ہزاروں احسانات ان پر اور ان کے بھائی پر کئے- اور بزرگوں کی طرح ان کی عزت کرتے تھے - شیخ سعدی نے بھی اپنے قصائد میں ان احسانات کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن باوجود ان سب باتوں کے انھوں نے تقریباً کسی جگھہ

بھی مبالغہ سے کام نہیں لیا —

شمس الدین کی تعریف میں فرماتے ھیں :

دوست دارم کہ همه عمر نصیحت گویم ‌ ‌ ‌ با ملامت کنم و نشنود الا مسعود
همه گویند وسخن گفتن سعدی دگرست ‌ ‌ ‌ همه دانند مزامیر نه همچون داؤد
من چگویم که گر اوصاف حمیدت شمرند ‌ ‌ ‌ خلق آفاق بمانند طرفے نا معدود
همه آں باد که در بند رضائے تو روند ‌ ‌ ‌ اهل اسلام و تو در بند رضاے معبود

اسی طرح ' علاءالدین جوینی ' کی تعریف میں فرماتے ھیں :

جفا مکن که نماند جهاں وهرچه دروست ‌ ‌ ‌ وفا و صحبت یاران مهرباں ماند
امیر مشرق و مغرب علاء دولت و دیں ‌ ‌ ‌ که بارگاه رفیعش به آسماں ماند
خدائے خواست که اسلام در حمایت او ‌ ‌ ‌ ز تیر حادثه در بارۂ اماں ماند
وگر نه فتنه چناں کرده بود دنداں تیز ‌ ‌ ‌ کزیں دیار نه مرغ و نه آشیاں ماند
من ایں غلط بپسندم ز رائے روشن خویش ‌ ‌ ‌ که دست طبع تو گویم به بحر و کاں ماند

آخری شعر میں ' شیخ ' نے انوری کے شعر کی طرف اشارہ کیا ھے جو اس نے ' سنجر ' کی تعریف میں لکھا ھے —

گر دل و دست بحر و کاں باشد ‌ ‌ ‌ دل و دست خدایگاں باشد
شاه سنجر که کمتریں خدمش ‌ ‌ ‌ در جهاں پادشه فشاں باشد

ان کے مطالعہ کے بعد اب ذرا ' حافظ ' کے طرز کلام کا بھی ملاحظہ کریں - اور اگر آپ انصاف سے کام لیں تو معلوم ھوجائیگا کہ ' سعدی ' اور ' حافظ ' کی قصیدہ خوانی میں دن رات کا فرق ھے - ' سعدی ' کے قصائد میں اگر خوشامد ھے تو بالکل خال خال لیکن ' حافظ ' کا لہجہ ایسا نہیں ھے جیسا کہ دوسرے عام ایرانی شعراء کا - میں چند مثالیں پیش کرتا ھوں - ناظرین خود اندازہ کرلیں —

ایک قصیدے میں جو انہوں نے ' قوام الدین محمد ابن علی ' کی تعریف میں لکھا ہے ' فرماتے ہیں :

قوام دولت و دنیا محمد ابن علی — کہ می درخشدش از چہرہ نور یزدانی
اگر نہ گنج عطاے تو دستگیر شود — ہمہ بسیط زمین رو نہد بہ ویرانی
تونی کہ صورت جسم تراہیولیٰ نیست — چو جوہر ملکی در لباس انسانی
سوانح کرمت را چگونہ شرح دہم — تبارک اللہ ازاں کار ساز روحانی

آخر میں کہتے ہیں :

شنیدہ ام کہ زمن یاد می کنی گہ گہ — ولے بہ مجلس خاص خودم نمی خوانی
ہزار سال بقا بخشدت مدائح من — چنیں متاع نفیسے بچوں تو ارزانی
بباغ ملک بہ شاخ امل بہ عمر دراز — شگفتہ باد گل دولتت بہ آسانی

سب تعریفوں کو چھوڑ دو - ان آخری اشعار کو ہی لے لو - میرے خیال میں شیخ سعدی نے کبھی کسی کی اتنی خوشامد نہیں کی کہ وہ اسے کہیں کہ تو ہزار سال تک جئیے - چنانچہ وہ ایک جگہ فرماتے بھی ہیں : -

ہزار سال نگویم کہ عمر تو بادا — کہ آں برون ز عقل ست ......

اس کے علاوہ انہوں نے ' شاہ شجاع ' جیسے عیاش کی تعریف کی اور قصیدے کے بعد میں لکھتے ہیں :

دادہ فلک عنان ارادت بہ دست تو — یعنی کہ من کیم بمراد خودم رسان
خصمت کجا ست در تہ پاے خودت فگن — یار تو کیست بر سرو چشم منش نشان

یوں تو کئی مثالیں میں دیوان سے نکال کر دے سکتا ہوں لیکن طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتا ہوں —

قولہ :-

" الغرض سواے غزل کے جو طبیعت کے اصلی اپج سے ہوتی ہے

قصیدہ وغیرہ جن میں مصنوعی خیالات ہوتے ہیں انھوں نے کبھی نہیں کہا ... ان کی ساری توجہ غزل گوئی ہی کی طرف تھی" صفحہ ۱۶

یہ تو میں نے ابھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ انھوں نے قصیدے لکھے اور ان قصیدوں میں انھوں نے دوسرے فارسی شعراء کا سا رویہ بھی تھوڑا یا بہت ضرور قائم رکھا - اب مولانا "اسلم" فرماتے ہیں کہ انھوں نے اور کچھ نہیں لکھا - یہ ان کی غلط فہمی ہے - انھوں نے مثنوی بھی لکھی اور وہ بھی ایسی پر زور کہ نظامی کا دھوکا ہوتا ہے - ملاحظہ ہو ساقی نامہ

سر فتنہ دارد دگر روز کار　　من و مستی و فتنۂ چشم یار
فریب جہاں قصۂ روشن ست　　بہ بیں تا چہ زاید شب آبستن ست
بیا ساقی آں جام صافی صفت　　کہ بر جاں کشاید در معرفت
بدہ تا صفا در دروں آردم　　دلے از کدورت بروں آردم
بیا ساقی از باد ہاے کہن　　بجامے بیاپے مرا مست کن
چو مستم کنی از مئے بے غشت　　بمستی بگویم سرود خوشت
بمن دہ کہ طنبور خوش گفت ونے　　کہ یک جرعہ مے بہ ز دیہیم کے
بیا ساقی آں آتش تابناک　　کہ زردشت می جویدش زیر خاک
بمن دہ کہ در پیش رندان مست　　چہ آتش پرست و چہ دنیا پرست
بیا ساقی آں جام جم دہ مرا　　تعلل مکن دم بدم دہ مرا
کہ خوش گفت با تاج و کنج　　کہ یک جو نیرزد سرائے سپنج
ہم از سر ایں دیر دیرینہ زن　　صلائے بہ شاہاں پیشینہ زن
ہماں مرحلہ ست ایں بیاباں دور　　کہ گم شد درو لشکر سلم و تور
ہماں منزلست ایں جہاں خراب　　کہ دیدست ایوان افراسیاب

مغنی نوائے بہ گلبانگ رود | بیاد آور آں خسروانی سرود
روان بزرگان خود شاد کن | ز پرویز و از باربد یاد کن
مغنی ز اشعار من یک غزل | بہ آهنگ چنگ آور اندر عمل
کہ تا وجد را کار سازی کنیم | بہ رقص آیم و خرقہ بازی کنیم
کہ "حافظ" چو مستانہ سازد سرود | ز چرخش دهد رود زهره درود

اُردو کے اَن پڑھ شاعر*

از

[جناب مرزا فدا علی صاحب ' خنجر ' لکھنوی]

—————.o:—————

پیک

اس شاعر کا اصلی نام دریافت نہ ہوسکا لیکن تخلص کے لحاظ سے اسم بامسمیٰ تھا - ابتدا میں حضرت ابو محمد سراج الدین بہادر شاہ متخلص بہ ظفر آخری تاجدار دھلی کے دربار فیض آثار میں چوبداری کی خدمت پر مامور تھا جو بجائے خود بڑے پایہ کے شاعر تھے اور فن شعر میں عالی نظر رکھتے تھے —

وہ زمانہ شاعری کے کمال عروج کا تھا - قدر دانان سخن نے اہل کمال پر جود و کرم کے دروازے کھول دئیے تھے - دھلی کے علاوہ نظام دکن و نوابان اودہ' رامپور فرخ آباد کی سرکاریں کملا و فضلا کے لئے آغوش کشا تھیں - ہر چند دھلی کا نیر اقبال پستی کی طرف جھک چکا تھا اور حکومت کا رقبہ قلعۂ معلی کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گیا تھا ' لیکن شاہ ظفر کے دربار میں شعرائے نامور کی کمی نہ تھی - سیکڑوں شاعروں کے علاوہ ذوق سا رفیع الخیال اور غالب سا فلسفی اور با

* دیکھو سلسلے کے لئے رسالہ اردو جلد ۹ حصہ ۳۵ بابت جولائی سنہ ۱۹۲۹ع —

کہاں شاعر اچھے کلام بلاغت نظام سے مشاعروں کو محشر ستان معنی بنائے تھا - حکیم مومن خاں مومن الگ انعکاس لفظی کی بساط بچھائے داد شیریں مقالی دے رہے تھے - شہزادوں اور رئیسوں کے ذوق و شوق کا عجب عالم تھا - کوئی تذکرہ نویس ایسا نہ ملے گا جس نے تذکرہ لکھنے پر قلم اٹھایا ہو اور ان رنگین محفلوں کی نظر فریب تصویریں کھینچنے سے اغماض کیا ہو —

وهی پر ذوق زمانہ پیک کو نصیب ہوا - قلعۂ معلی میں منعقد ہونے والے مشاعروں کی دلچسپیاں دیکھیں اور بہاریں لوٹیں، شعرائے نغز گفتار کی دل پذیر سخن سرائیوں سے بہرہ اندوز ہوا - رفتہ رفتہ طبیعت پر شاعری کا رنگ چڑھنے شروع ہوا - علم و فضل کی جانب سے تو خیر صلا تھی، لیکن شاہی وسل نے آئین تہذیب سکھاکر مہذب و شائستہ کردیا تھا - ادب و آداب نے اصول و قواعد یاد تھے - اچھے اشعار سنتے سنتے طبعی جوہر اُبھر آئے - خدا کے گھر سے طبع موزوں لایا تھا - اول اول تو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے خائف رہا، طبیعت بحر نظم کی روانی دکھاتی مگر وہ جبراً اس سمت سے توجہ ہٹاتا - آخر آخر سیلاب ذوق کا روکنا دشوار ہوگیا جس طرح کسی کے روکے سیل نہیں رکتی وہ بھی وجدان و تاثرات قلبیہ پر قابو نہ رکھہ سکا اور شد بد نظم کرنے لگا —

یہ کُلیہ ہے کہ قایل پر وقتاً فوقتاً جو جذبات و کیفیات طاری ہوتے ہیں ان کا کیف و اثر کلام موزوں کی صورت میں نمودار ہونے لگتا ہے - چونکہ پیک بھی اکثر دھلی کے بے نصیبوں کی طرح شاہی کا ورق الٹتے ہی حوادثات و مصائب میں مبتلا ہوگیا اور نہ معلوم کتنی مدت تک زمانہ کے شدائد برداشت کرتا رہا آخر کار ضروریات زندگی سے ناچار ہوکر قاصدی و نامہ بری کا پیشہ اختیار کیا اور اسی ذریعہ سے معاش حاصل کرنے لگا یہی وجہ ہے کہ اس کے کلام سے اس ادنی زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے —

'پھک' کے نام کی طرح اُس کی شاعری کے حالات بھی عام معلومات سے بے نیاز ھیں۔ ہم نہیں جانتے کہ اُس نے کس اُستاد فن کے سامنے زانوئے شاگردی تہہ کیا اور اپنے بعد کلام کا کس قدر ذخیرہ بطور یادگار چھوڑا ؟ تذکروں کی چھان بین کرنے سے صرف تین شعر دستیاب ہوئے جس سے اس طبیعت دار امی محض شاعر کی مشاقی کا اندازہ کرنا مشکل ہے مگر مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر حاصل شدہ کلام درج کیا جاتا ہے —

اب تو غم کھاتا ہوں میں اے ہم نشیں	دیکھنا ! پھر غم سمجھ کھا جائے گا
'پھک' اُس کوچے میں نہ لے جا آرزو	دن دیہاڑے قافلہ لٹ جائے گا

شوق سے جب کہ میں آتا ہوں ترے کوچہ میں	مجھ سے لیتی ہے صبا تیزیٔ رفتار کو دام

تاب

میر حیدر نام 'تاب' تخلص میر محبوب علی پانی پتی کے خلف الرشید اور علم سے بے بہرہ تھے۔ ابتدائے عمر سے موسیقی کا شوق تھا۔ مبداء فیاض نے لحن داؤدی اور خوش گلوئی عطا کی تھی۔ جب گانے بیٹھتے تو کیف آور سماں باندہ دیتے۔ بچپن کا عہد گذر کے شباب کا عالم شروع ہوا تو حسن اتفاق نے موسیقی کے ایک ماہر کامل 'دھرم داس' نامی سادھو سے دو چار کردیا۔ دھرم داس اپنے وقت میں فن موسیقی کا بے مثل ماہر تھا اور میر حیدر 'تاب' پر خاص طریقے سے مہربان ہوگیا تھا۔ نہ معلوم 'تاب' کی آواز کا سریلا پن یا خوش نوائی و طبیعت داری پسند آئی، بہر حال اُس نے فن تعلیم کرنے میں مطلق بخل نہ کیا اور موسیقی کے تمام

عیب و صواب ذہن نشین کرادئیے۔ ایک تو آواز میں قدرتی رس، سریلا پن اور دل کشی موجود تھی اُس پر فن کی تکمیل نے اور چار چاند لگا دئیے نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی روز میں 'تاب' کی موسیقی دانی شہرت پذیر ہوئی —

'تاب' کا مولد تو پانی پت تھا لیکن قیام دہلی میں رہتا۔ ابتدا میں جو فن شوقیہ حاصل کیا جاتا ہے آخر میں وہ ذریعہ معاش بن جاتا ہے۔ 'تاب' نے بھی قوالی پیشہ اختیار کیا۔ امیروں کی سرور افزا محفلیں اُن کے اظہار کمال کا اکھاڑا بن گئیں —

دہلی کے مستقل قیام نے شاعری کی طرف بھی متوجہ کردیا۔ گاہ گاہ فکر سخن ہونے لگی۔ شاگردی کا حال معلوم نہ ہوسکا۔ شاید دہلی کے کسی اُستاد سے اصلاح لیتے ہوں گے۔ سنہ ۱۸۵۶ع کے غدر سے دس بارہ برس قبل تک دہلی میں زندہ سلامت موجود تھے۔ تذکرہ نویسوں نے ان کے صرف دو شعر نقل کئے ہیں جو ضیافت طبع کے واسطے لکھے جاتے ہیں —

میں تو عاقل تھا زمانے کا، پہ اُلفت کے طفیل
کوئی سودائی کہے ہے کوئی دیوانہ سمجھے

کثرت دل ہر شکن میں دیکھ، غیرت سے ہوا
آفت جاں ہو گیا، زلفوں کا سلجھانا سمجھے

تحیر

غلام مصطفیٰ نام تحیر تخلص۔ مولانا شاہ رفیع الدین کے فرزند جگربند اور دہلی کے باشندے، ذہین و ذکی آدمی تھے۔ اِن کے خاندان دودمان کی بزرگی اور

شہرت محتاج بیان نہیں۔ سارا خاندان بہ اعتبار علم و فضل کمال ناموری رکھتا ہے۔ خود جناب 'تسہیر' مولانا شاہ عبد العزیز محدث صاحب تحفۂ اثناء عشریہ کے برادر زادے ہیں۔ افسوس کہ آپ خاندانی میراث یعنی دولت علم و فضل سے محروم رہ گئے لیکن شاعری میں طبیعت خوب لڑی۔ فکر رسا کی استعداد و استعانت سے زمین سخن میں پر بہار و نکہت بھز باغ لگا۔ حکیم ثناء اللہ خاں 'فراق' کی شاگردی نے کلام میں گرمی پیدا کردی —

جناب 'تسہیر' اوصاف حمیدہ و اخلاص پسندیدہ رکھتے تھے۔ سب سے جھک کر ملنا اور اعزاز و اکرام سے پیش آنا گویا طبیعت ثانیہ بن گئی تھی —

ان کا کلام بالکل صاف اور مغلق الفاظ سے قطعاً پاک ہے۔ ادق مضامین نے کبھی بار نہیں پایا۔ حسن و عشق کی باتیں اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں:

عید کے دن مجھے کہنے یہ ہر اک یار لگا　　ہو مبارک 'تری چھاتی سے وہ دلدار لگا

ندا مجھ سے جب وہ دل آرام ہوگا　　اجل کا اُس وقت پیغام ہوگا

لڑ اطفال کو ہے سنگ اُٹھا لانے کی　　آمد آمد ہوی شاید ترے دیوانے کی

تصدق

ان کا نام شیخ تصدق حسین اور 'تصدق' تخلص تھا۔ لکھنؤ میں پیدا ہوے۔ یہیں بچپن کا عہد بسر کرکے جوانی کے ولولہ خیز و دلفضا میدان میں داخل ہوے۔ یہیں شباب کوشیب سے تبدیل کیا اور بالآخر یہیں کی زمین کا پیوند ہوگئے —

ان کی پیدائش غالباً شاہی زمانے کی تھی کیونکہ عمر طبیعی کو پہنچ کر وفات پائی اور سنہ ۱۹۰۵ ع کے قبل زندہ سلامت لکھنؤ میں موجود اور مطبع منشی نول کشور میں کام کرتے تھے - علم سے بالکل بہرہ نہ تھا لیکن - قلب و دماغ غضب کا پایا تھا - جس زمانے میں ان کی نشو نما ہوئی - وہ قدیم روسا و امرا کا عہد تھا - اگلے تمدن اور پرانے اخلاق و عادات کا دور دورا تھا - امیروں کے کاشانۂ عیش و نشاط میں اور اسباب امارت کے علاوہ ایک داستان گو کا ہونا بھی ضروری خیال کیا جاتا تھا جو لچھے دار باتوں کا مزیدار طلسم بناکر اُن کے قلوب کو محظوظ و مسرور کرسکے - سیکڑوں غریب خاندانوں کی اِسی بہانے سے روٹیاں چلتی تھیں - اکثر فصیح البیان اشخاص جنھیں کوئی اور پیشہ نہ جڑتا وہ فن داستان گوئی اختیار کرکے - نام و نمود حاصل کرتے - شیخ صاحب کو بھی من جانب اللہ جوہر بیانی اور شیریں مقالی عطا ہوئی تھی - علم کی طرف سے تو دواب صاف تھا - رہا ہنر تو وہ بھی بجزداستان گوئی کے حاصل نہ ہوا - چونکہ شرفائے وقت اِس پیشہ میں عیب نہ سمجھتے تھے لہذا شیخ صاحب نے بھی مناسبت فطری سے یہی پیشہ ذریعہ معاش بنایا اور اپنی اور اپنے اہل وعیال کی بسر اوقات کرنے لگے مگر جب زمانے نے کروٹ لی - اہل لکھنو پر تباہی و بربادی آئی - شاہی کا ورق الٹا اور انگریزی حکومت کا باب شروع ہوا تو رفتہ رفتہ رئیسوں کے مزاج میں بھی انقلابی کیفیت رونما ہوئی - طلسمی کتابوں اور داستانوں کے بدلے نئے نئے ناول اور قصے پڑھے اور سنے جانے لگے اور اُن غریبوں پر تازہ مصیبت نازل ہوئی جو داستانیں بیان کرکے اپنا پیٹ پالتے اور اہل وعیال کا آذوقہ بہم پہنچاتے تھے —

شاہی میں تو ایسے لوگوں کی کمی نہ ہوگی لیکن کساد بازاری کی گرما گرمی ہوتے ہی سب کے سب متفرق اور مُنتشر ہونا شروع ہوئے - جس کا جدھر منہ اُٹھا عالم بے سرو سامانی میں بھاگ کھڑا ہوا - بعضوں کو دیسی ریاستوں میں پناہ

ملی بہتوں نے داستان گوئی ترک کرکے اور اور پیشے اختیار کر لئے اور لکھنؤ
بھر میں صرف تین شخص رہ گئے جو وضع داری کو نبا ہے جاتے تھے - منجملہ اُن کے
ایک ہمارے شیخ صاحب ہیں - زمانے کی سفا کیوں نے انہیں بھی نہ چھوڑا اور فکر
معیشت نے تنگ کرنا شروع کیا - لیکن لکھنؤ کی جدائی گوارہ نہ ہوئی - بار بار
پردیس کا عزم کر کے ارادہ فسق کردیتے - اُنہیں دنوں میں نواب بہاول پور کو
داستان سننے کا شوق پیدا ہوا - اہل صحبت کی زبان سے شیخ صاحب کی تعریفیں
سن سن کے غائبانہ طور پر بے حد مشتاق ہوئے - کسی سلسلے میں لکھنؤ تشریف
لانے کا اتفاق ہوا - شیخ صاحب کی داستان سننے کے لئے یہ موقع نہایت مناسب تھا -
لکھنؤ آ کر ایسے فصیح اللسان و سحر بیان داستان گو کو نہ سننا مُنتہائے محرومی
تھی - اشتیاق تو پہلے ہی سے تھا - لکھنؤ پہنچتے ہی خدام کو حکم ہوا کہ کسی نامی
داستان گو کو حاضر کیا جائے - یہاں شیخ صاحب کے سوا اور کون تھا ؟ لوگوں نے
ان سے کہنا شروع کیا - اول اول تو استغنا کے سبب سہل انکاری رہی - پھر کچھ
لوگوں نے اصرار کر کے نواب کی حضوری میں حاضر کیا انھوں نے مناسب عزت و توقیر
کی اور داستان سننے کا شوق ظاہر فرمایا - شیخ صاحب نے امیر حمزہ کی داستان
کا ایک ٹکڑا فصیح و دل نشیں الفاظ سے عرض کیا سلاست بیان اور طبیعت داری
پورا رنگ دے گئی - پہلے تو نواب صرف مشتاق ہی تھے اور اب داستان سن لینے کے
بعد شیخ صاحب کو چھوڑنا دشوار ہو گیا - ملازمت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی -
شیخ صاحب کو وطن کا فراق اور احباب کی جدائی گوارا نہ تھی اور نواب کا اصرار
کہ بہاول پور چلو غرض

دو گونہ رنج و عذاب است جان مجنوں را
بلائے صحبت لیلی و فرقت لیلی

ایک والئی ملک کا کہنا بھی ٹالا نہیں جا سکتا - چار و نا چار ملازمت اختیارکی

دل پر پتھر رکھ کر وطن و اہل وطن سے مفارقت گوارا کی اور نواب کی ہمرکابی میں بہاول پور تشریف لے گئے - جس طرح بن پڑا چند روز قیام کیا لیکن وہاں لکھنؤ کی سی چھل پہل اور مزیداریاں کہاں - زبان مختلف ، معاشرت جداگانہ طبیعتوں میں اختلاف یہاں تو سو شام گھر سے نکل کر امیروں رئیسوں کے ہاں میں جا بیٹھنا اور شام اودھ کے نظر فریب مناظر سے لطف اندوز ہونا ، افیون خانے کی خوش گپیاں احباب کی نمکین گفتگوئیں ، وہاں ان میں سے کچھ بھی نہ تھا - چھہ سات مہینے تو جوں توں بسر کئے اُس کے بعد بیماری کا عذر پیش کر کے رخصت حاصل کی اور وطن واپس آگئے - جب تک رخصت کے دن باقی رہے ریاست کی طرف سے خاموشی رہی - رخصت کی معیاد ختم ہوتے ہی بہاول پور آنے کا تقاضا شروع ہوا - شیخ صاحب کا یہ حال کہ قطب کی طرح جم کر رہ گئے - شہر چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے - مختصر یہ کہ نواب صاحب نے کوئی ممکن کوشش اُٹھا نہ رکھی مگر شیخ صاحب نے لکھنؤ نہ چھوڑا اور کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بیٹھ رہے - ہر چند بہاول پور تو نہ گئے لیکن فکر معیشت نے پھر عود کیا ایسے نازک وقت میں ان کے واسطے مطبع منشی نول کشور خدا کی رحمت سے کم نہ تھا جس نے کرم کا دامن پھیلا کر ایسے کمال شخص کو اپنی حمایت میں لے لیا اور داستانوں کے دفتر کے دفتر لکھوا کر مطبع میں شایع کردئے جس سے دو فائدے ہوے ایک یہ کہ اُن کی بے روزگاری کی شکایت رفع ہو گئی اور دوسرا نفع یہ ہوا نہ مستقل یادگاریں قائم ہو گئیں جو متعدد بار کتابی صورت میں طبع ہو ہو کر اہل ملک کے سامنے پیش ہو چکی ہیں اور پیش ہوتی رہتی ہیں -

شیخ صاحب کے دیکھنے والوں (مطبع منشی نول کشور کے قدیم ملازمین) کا بیان ہے کہ مرحوم کو دستخط کرنا بھی نہ آتا تھا - جب کسی داستان کے اجزا داخل کر کے معاوضہ حاصل کرنا چاہتے تو حسب قاعدہ رجسٹر پر ٹکٹ لگا کر دستخط کرنے کی ضرورت پیش آتی اُس وقت شیخ صاحب دستخط کے بدلے انگوٹھے کا نشان

بنا دیتے اور کوئی دوسرا شخص تصدیق کر دیتا —

شیخ صاحب بلند بالا، لا غر اندام، سیاہ فام و چیچک رو آدمی تھے سر پر تنے وضع و لباس میں قدامت کے پابند، البتہ چو گوشیہ ٹوپی کے عوض دو پلی پہنتے تھے - افیون کے نہایت شائق تھے - جب داستان تصنیف کر نے بیٹھتے تو افیون کی ڈبیا، ایک چھوٹی سی کٹوری، لوٹے میں پانی اور بھرا ہوا مدار یہ حقہ سامنے موجود ہو تا چسکی کھلتی جاتی اور عالم سرور میں داستان کا غیر متناہی سلسلہ جاری رہتا - طبیعت دریا کی طغیانیوں کی طرح ابلتی رہتی - ایک یا دو کاتب، کتابت کی خدمت انجام دینے میں مصروف رہتے - داستان بیان کر نے کا اسلوب بھی نہایت دل کش، موثر اور خاطر نشین ہو تا مطبع کے بعض دفتری اور کلرک اشتیاق میں گرد جمع ہو جاتے اور داستان سننے میں اتنا محو ہو تے کہ کبھی کبھی فرائض منصبی سے بھی بے پروا ہو جا تے - گاہ گاہ اثنائے داستان کوئی میں پھنک آ جاتی اور داستان کا سلسلہ قطع ہو جاتا - سامعین اپنے اشتیاق کو دیر تک دبا نہ سکتے اور ' ہاں ' کہہ کر شیخ صاحب کو چونکا دیتے - حافظہ اتنا قوی کہ کبھی سہو واقع نہ ہوتا - جہاں سے داستان چھوٹتی تھی وہیں سے پھر شروع ہو جاتی - بیان کی دل چسپی اور تاثیر کا یہ عالم کہ سامعین کو مسرور و مغموم کرنا بالکل اختیاری بات تھی - جب چاہتے دو چٹکلوں میں ہنسا دیتے اور جب مزاج میں آ تا چند جملوں میں غمگین ملول بنا دیتے - حکیم حافظ خواجہ محمدشمس الدین احمد صاحب کا بیان ہے کہ ان کی عمر بارہ پندرہ برس کی تھی - علمائے فرنگی محل سے عربی کا درس لیتے تھے ان دنوں شیخ صاحب حافظ خواجہ محمد قطب الدین مالک مطبع نامی کے یہاں آمد و رفت رکھتے اور حکیم صاحب کو بھی ان کی خوش گفتاریوں سے لطف اندوز ہو نے کا موقع ملا کرتا تھا - ایک مرتبہ لاہور سے کوئی رئیس تشریف لائے اور حافظ صاحب کے مہمان ہوئے - حافظ صاحب نہایت باوضع،

خلیق و متواضع واقع ہوئے ہیں انھوں نے لوازمات مہمانداری میں کوئی کسر
باقی نہ چھوڑی - مہمان کی آسائش و آرام کا کل سامان فراہم کردیا - لکھنؤ کی
مشہور و تاریخی عمارتیں دکھائیں تفریح گاہوں کی سیر کرائی اور پُررونق بازاروں
میں پھرایا - رئیس لاہور کو جہاں لکھنؤ کے عجائب و غرائب دیکھنے کا شوق تھا
وہاں اہل کمال کی داستان گوئی کے بھی بے حد شائق تھے کئی مرتبہ حافظ صاحب
کو باتوں باتوں میں سنا چکے تھے - چنانچہ ایک روز حافظ صاحب انھیں ساتھ لے
کر منشی نول کشور کے مطبع میں گئے - ان دنوں شیخ صاحب داستان تصنیف کرنے
کی خدمت پر مطبع میں مامور تھے جب شیخ صاحب کو اطلاع ہوئی تو رئیس
لاہور سے نہایت اخلاق سے ملے - رسم تعارف ادا ہونے کے بعد ادھر سے داستان کہنے
کی فرمائش ہوئی - شیخ صاحب نے ازراہ انکسار پریشانئ طبع کا عذر کیا لیکن
پذیرا نہ ہوا - جب اصرار بڑھا تو امتثال امر کے طور پر معمولی طریقہ سے ایک
ٹکڑا داستان شروع کی قصہ یہ تھا کہ "امیر حمزہ بغرض شکار جانب صحرا
تشریف لے گئے ہیں - پڑاؤ میں ان کی نہایت محبوب ملکہ
"مہر انگیز" دختر نوشیروان موجود ہیں" جن کے حاصل کرنے میں
امیر کو ہفت خواں فتح کرنا پڑا تھا - بڑے بڑے پہلوانوں سے معرکے گرم ہوئے اور
منتہائے کوشش کے بعد ملکہ ساتھ آئیں بختک عرصہ سے فکر میں تھا کہ کوئی
موقع ملے تو ملکہ کو ہلاک کر کے امیر کو روحانی رنج و قلق میں مبتلا کرے -
چنانچہ موقع پاتے ہی قنات چاک کر کے ملکہ کے خیمے میں داخل ہوا اور ملکہ کو
فراق امیر میں خود رفتہ و حواس باختہ پاکر آتش کینہ بھڑک اٹھی فوراً خنجر
آبدار کھینچا اور پوری قوت سے ملکہ کے کلیجے میں بھونک دیا - زخم کاری لگنے سے
ملکہ خون میں لت پت ہوکر زمین پر تڑپنے لگیں اور بختک خیمے سے نکل کر فرار ہوا
لشکر میں اس واقعہ خونی کی اطلاع ہوئی ہر سپاہی غضبناک اور سراسیمہ ہوگیا

قاتل کی تلاش جاری ہوی - ایک ہرکارے نے جھپٹ کر امیر کو اطلع کیا - امیر نہایت پریشانی کی حالت میں لشکر گاہ کی طرف واپس ہوے - راستے میں بختک مل گیا اسے ملکہ کے قصاص میں قتل کیا اور لشکر میں داخل ہوے - خیمے میں جاکر ملکہ کی جو حالت دیکھی اُس سے کلیجہ شق ہوگیا - اُس وقت تک ملکہ میں کچھہ کچھہ جان باقی تھی - بالیں پر امیر کو پاکر آنکھیں کھول دیں ''—

اس پر غم کے منظر کو کچھہ ایسے الم پاش اسلوب سے بیان کیا کہ بے اختیار سامعین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے - یہ معلوم ہوتا تھا کہ آنکھوں کے سامنے مذکورہ واقعات گذر رہے ہیں - داستان تو ختم ہوگئی مگر دلوں پر جو دیرپا اثر ہوا تھا عرصہ تک محو نہ ہوسکا —

شیخ صاحب جس واقعہ کو بیان کرتے تھے ہو بہو اُس کی تصویر بن جاتی تھی - اگر غم کی داستان کہہ رہے ہیں تو صورت محزوں ، آنکھیں نمناک ، آواز گلو گیر و دردناک ہوجاتی - لب لہجہ سے سننے والوں کو متاثر کردیتے - اُن کی یہ صفت اُن کے ہم عصروں میں اس حد تک نہ تھی ، اِسی وجہ سے اُنھیں اور داستان گویوں میں درجۂ امتیاز حاصل تھا - ان کی تصنیف سے دفتر کے دفتر شایع ہوچکے ہیں - جو ہر جگہ دستیاب ہوسکتے ہیں منجملہ اُن دفتروں کے چند یہ ہیں —

(۱) نو شیروان نامہ کامل -

(۲) دفتر آفتاب شجاعت کامل -

(۳) طلسم زعفران زار کامل —

اسی طرح نہ معلوم کتنے دفتر ہیں جو اِس عالی دماغ اور ذہین و طباع شخص کی طبیعت داری کا ثبوت پیش کر رہے ہیں - یہ سوال کہ جس میدان میں اچھے پڑھے لکھے حضرات قلم اُٹھاتے خائف ہوتے ہیں وہاں ایک علم سے بے بہرہ شخص کیسی بے تکلفی سے سمند خیال کی تکاپو میں مصروف ہے ، سخت حیرت و استعجاب

میں مبتلا کر دیتا ہے اور سمجھہ میں نہیں آتا کہ اُس نے دماغ میں یہ خیالات کہاں سے سما گئے تھے ؟

شیخ صاحب کی تصنیف کی ہوئی داستانوں کی تصحیح کا کام مولوی محمد اسمعیل صاحب 'اثر' کے متعلق تھا - اِس سے خیال پیدا ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کے کلام منظومہ کی اصلاح بھی مولوی صاحب موصوف کے ذمہ ہوگی - بہر نوع شیخ صاحب گاہ گاہ ذکر سخن بھی فرماتے تھے - کلام صاف صاف ہوتا اور اس پر لکھنؤ کا رنگ غالب نظر آتا - گل و بلبل رخ و کاکل کے فرسودہ مضامین اور معاملہ بندی زیادہ پائی جاتی ہے ' جو عہد گذشتہ کی شاعری کا جز و اعظم سمجھی جاتی ہے - شیخ صاحب سنہ ۱۹۰۵ ع سے پہلے حیات تھے اور پریس میں کام کرتے تھے - غالباً اُن کی آخری تصنیف دفتر آفتاب شجاعت ہے جس کا پہلا ضخیم حصہ سنہ ۱۹۰۲ ع میں چھپ کر شایع ہوا اور دوسرا اور تیسرا حصہ سنہ ۴ - ۱۹۰۳ ع میں طبع ہوکر پبلک کی ضیافت طبع کا باعث ہوا - کلام کا نمونہ جو اُن کی تصنیفات سے حاصل ہوا یہ ہے :

ہردم یہ شور قمری و سرو و چمن کے ہیں ۔۔ جنگل میں آج پھول کسی بے وطن کے ہیں

کچھہ بات ایسی کیجئے اے بادشاہ حسن ۔۔ مشتاق اہل بزم نہایت سخن کے ہیں

پوچھے اگر تو کہہ دیں خدا کے بھی سامنے ۔۔ سارے ہوے ہم اک بت پیماں‌شکن کے ہیں

بلبل کی یہ دعا ہے کہ یارب تو خیر کر ۔۔ بگڑے ہوے کچھہ آج یہ نقشے چمن کے ہیں

جیسے ہیں گُل عذار حسینان لکھنؤ ۔۔ معشوق ہیں ختا کے نہ ایسے ختن کے ہیں

بلبل کی طرح ہوش میں آتی نہیں بہار ۔۔ مبہوت ایسے عشق میں اُس گلبدن کے ہیں

فصل خزاں کبھی ہے جہاں میں کبھی بہار ۔۔ نیرنگ سب یہ گردش چرخ کہن کے ہیں

زخموں کے مسکرانے سے ثابت ہوئی یہ بات ۔۔ کشتہ کئے ہوے کسی گل پیرہن کے ہیں

فرط قلق سے راتوں کو اُوڑجاے جس سے نیند ۔۔ افسانے وہ کچھہ ایسے غریب الوطن کے ہیں

صیاد ! ہم سے کہنہ اسیروں کو چھوڑ دے - مشتاق اک زمانے سے سیر چمن کے ہیں
مرنے کے بعد دولت و حشمت سے کام کیا - محتاج بادشاہ و گدا اک کفن کے ہیں

اصلاً نہ ہوگا ہم کو تصدق فشار قبر
کس واسطے کہ ہم تو محب پنجتن کے ہیں

" ساقی نامہ "

پلا ساقیا بادۂ خوش گوار　　کہ آئی ہے فی الحال فصل بہار
شگفتہ ہیں گل باغ میں بے شمار　　چمن میں مسرت کناں ہے ہزار
مرے دل کو ہر غنچہ مرغوب ہے　　گھٹا چھائی گلشن میں بھی خوب ہے
جو پڑتی ہیں کچھ ابر سے بوندیاں　　ہر اک گل ہے گلشن میں خندہ کناں
ہوا سرد جاں بخش ایسی ہے بس　　کہ بے شک ہے مثل مسیحا نفس
گلوں کی ہے گلشن میں طرفہ بہار　　بعینہ ہیں ہم صورت چشم یار
شگفتہ ہیں اس طرح سا بین باغ　　ذرا بھی نہیں دل میں لالے کے داغ
ہے مرغوب دل قامت سرو باغ　　ہے مثل قد یار عالی دماغ
عیاں ہے درختوں میں بس یوں انار　　کہ ہیں خوش نما مثل ...... یار
گلستاں میں سبزے کا ہے ایسا رنگ　　کہ ہے مخمل سبز بھی جس سے دنگ
گلوں سے چمن کے یہ بس ہے عیاں　　کہ ہے قدرت باغبان جہاں
جو اس فصل میں دل ہے شاداں کہاں　　مجھے روز و شب بس یہی ہے خیال
لکھوں داستا نہائے صاحب قراں　　کہ شائق نہایت ہیں پیر و جواں
دکھاؤں وہ اپنی طبیعت کا رنگ　　کہ دو میرے دشمن بھی ہوجائیں دنگ
جو ہیں دوست میرے وہ ہوں شادماں　　جو منصف طبیعت ہیں ہوں مدح خواں

تصدق نہ دے طول اب زینہار
کہ نا خوش ہوں احباب عالی تبار

تصویر

شیخ حسن جان نام تصویر تخلص، لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد شیخ مدد علی روسا کی سرکاروں میں داروغگی کی خدمات انجام دیتے اور سفید پوش شریفوں کی طرح عزت و آبرو سے زندگی بسر کرتے تھے۔ محلہ نادان محل میں ذاتی مکان تھا۔ وہیں شیخ حسن جان کی ولادت ہوئی۔ یہ کم سن ہی تھے کہ خاندان پر افلاس و ادبار کی گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں۔ خوش حالی و فراغت کا دور رخصت ہوا۔ عسرت و فلاکت کی نوبت پہنچی جس سے تصویر لکھ پڑھ نہ سکے۔ محض اُمی رہ گئے۔ کشف دوزی کا کام سیکھ لیا تھا وہی ذریعہ معاش قرار پایا۔ شاعری کی جانب میلان طبیعت تھا۔ شعر کہتے اور اچھا کہتے اس فن میں حضرت خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت مدظلہ لکھنؤی کے شاگرد تھے جو ادبی دنیا میں شہرت و نام وری رکھتے ہیں اور ہندوستان کے ہر گوشے میں ان کے تلامذہ کی کافی تعداد موجود ہے — حضرت عشرت کی اصلاح نے ان کے کلام کو جملہ لغزشوں سے پاک کر کے دلاویز و دلچسپ بنا دیا۔ مشاعروں کی شرکت کا زیادہ شوق نہ تھا مگر گاہ گاہ احباب کے اصرار اور تقاضے سے شریک ہوجاتے تھے۔ آدمی باش اور ہنس مکھ واقع ہوے تھے — اگلی وضع کے پیرو، گندمی رنگ، چیچک رو اور داغ ابھرے ہوے۔ سر پر پٹے رکھتے تھے، لاغر اندام و کشیدہ قامت — چالیس بیالیس سال کی عمر میں مدقوق ہو کر دس بارہ برس ہوے وفات پائی — کلام بہم رسیدہ کا نمونہ حاضر ہے —

هم تو راضی هیں وہ بیداد پہ بیداد کریں
کہیں افلاک نہ اس ظلم سے فریاد کریں
رحم اب بلبل ناشاد پہ صیاد کریں
فصل گل میں تو اُسے قید سے آزاد کریں

ایک انداز پہ مجبور نہ سمجھو اُس کو
وہ جو چاهیں تو اداؤں میں بهی ایجاد کریں
مرنے والے کی وفاؤں کا سنائیں قصہ
آئیے بیٹھیئے ، ذکر دل ناشاد کریں
کیا زمانے میں یہی هوتا هے کهوں اے تصویر
بهول جائیں وہ همیں اور اُنهیں هم یاد کریں
گلہ فلک کا شکایت نہ کچهہ زمانے کی
نصیب هی کو هے کاوش مرے ستانے کی
هر اک قدم پہ قیامت نثار هوتی هے
عجیب شان هے دامن اُٹها کے آنے کی
مزہ هو ، روٹهہ کے تم بے منائے من جاؤ
میں سوچتا رهوں تدبیر هی منانے کی
وہ بهیجتے هیں رقیبوں کے هاتهہ نامۂ شوق
نئی ادا یہ نکالی هے دل دکهانے کی
تمام عمر نصیبوں کو روئیے ، تصویر ،
یہی سزا هے ، حسینوں سے دل لگانے کی

تصویر

غلام احمد عرف میاں ببن نام تصویر تخلص تها ۔ دهلی کے شریف زادے بڑے خلیق ، متواضع اور ملنسار واقع هوے تهے ۔ آشنا و نہ آشنا سے یکساں

برتاؤ کرتے - خندہ رو ' خندہ جبیں ' نیک طبیعت و شگفتہ مزاج ' بھاری بدن منڈی ہوئی ڈاڑھی ' چھوٹی چھوٹی موچھیں گہرا سانولا رنگ ۔ جسم میں سوسی کا کرتا اور اسی کا تنگ مہری کا پائجامہ کندھے پر لٹھے کا رومال ۔ سر پر سوزنی کے کام کی گول ٹوپی - بے چارے زمانے کی ناساعدت اور فلک سفلہ پرور کے شاکی تھے - معلومات نہ تھی حتی کہ اپنا نام بھی لکھنا نہ آتا تھا - بعض شرفا کی طرح زمانۂ نا میموں نے اِن کو بھی امتحان کی سخت گیر کسوٹی پر چڑھایا - غریب پر افلاس و تنگ دستی کی بلا نازل ہوئی - حمیت ذاتی نے کسی کا دست نگر بننا گوارا نہ کیا - فن نیچہ بندی حاصل کرکے کسب معاش کرنے لگے - جب اپنی ردی حالت کا احساس پیدا ہوتا تو آہ جگر دوز کھینچ کر کہہ اُٹھتے —

کیا حال دل سناؤں یارا نہیں بیاں کا
مارا ہوا ہوں میں بھی اک جور آسماں کا

طبیعت خدا داد کی استعانت اور فکر سلیم کی استمداد سے شاعر بن گئے تھے - فن سخن میں پہلے میاں تنویر کے شاگرد ہوئے مگر جلد تر کسی شاعر کی اصلاح پر جھگڑا ہوگیا اور انہوں نے ذوق دھلوی کو کلام دکھانا شروع کیا اور آخر دم تک اُنھیں کی شاگردی کا دم بھرا کئے - دھلی کی بول چال اور روز مرہ اِن کے کلام میں نمکینی اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے - اکثر عاشقانہ رنگ میں کہتے ہیں جو شعرائے دھلی کا خاص رنگ ہے اور تغزل کی جان ہے - اور اُس سے تصویر کے کلام میں دل فریبی و دلکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے - صرف یہی نہیں کہ محض عاشقانہ چونچلے ہوں - بلکہ غزلیات کا بیشتر حصہ سوز و گداز سے بھرا ہے - تصوف کی بھی کمی نہیں - جب عشق حقیقی کا شوق چرّا یا تو فکر رسانے بلند پروازی اختیار کی - پاکیزہ جذبات اور نادر تخیلات نے دامن سخن کو گوھر مضامین سے مالا مال کر رکھا ہے - بندش صاف ہوتی ہے - پھر بھی علمی حالت

بادرست ہونے سے شعروں میں تعقید اور الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں جس سے طبیعت بے مزہ سی ہوجاتی ہے - اور ناگواری کے اثرات ذوق سخن کی راہ میں روڑے اٹکا دیتے ہیں - مگر یہ عیوب بہت ہی کم پائے جاتے ہیں - جہاں اس قبیل کی خامیاں پائی جاتی ہیں وہ اُن کی اُمیت پر نگاہ کرتے ہوے محاسن معلوم ہونے لگتی ہیں اور بے اختیار داد دینے کو دل چاہتا ہے - کیوں کہ جس تاریک فضا میں رہ کر انہوں نے فن لطیفہ سے دل چسپی حاصل کی وہ ایسا عالم ہے جہاں غلطیوں کی اُمید زیادہ اور محاسن کی توقع مفقود ہونا چاہئیے - پھر بھی اُن کے کلام میں جا بجا محاسن شعری کے جواہر ریزے ضوفشاں نظر آتے ہیں - اس موقع پر ایک شعر یاد آگیا ملاحظہ ہو —

فدا نا آشنائی پرتوهیں لاکھوں دل و جان سے
اگر وہ بت کسی کا آشنا ہوتا تو کیا ہوتا

اس شعر کی خوبیوں کو اس طرح جانچنا مناسب ہوگا کہ پہلے 'تصویر' کی استعداد علمی کا تصور کیا جائے - پھر شعر پڑھ کر غور کیا جائے کہ ایک نا آشنائے علم و فضل نے حسیات قلبی کو کتنی صفائی اور آسانی کے ساتھ بیان کردیا ہے - جسے ظاہر کرتے وقت قائل کو بڑے بڑے لفظوں کی ضرورت پڑتی ہے - لیکن 'تصویر' نے اپنی سیدھی سادی منجھی ہوئی زبان میں فوٹو کھینچ دیا ہے اور لطف یہ کہ رنگ تغزل کا دامن بھی چھوٹنے نہ پایا -

سنا جاتا ہے ان کی تصنیفات کا بہت کچھ ذخیرہ تھا - ترتیب دیا جاتا تو ضخیم دیوان بن جاتا مگر عدم توجہی کی بدولت ضایع ہوگیا - سنہ ۵۷ ع کے غدر کے بعد سنہ ۱۲۷۱ ھ میں نا مساعدت زمانہ اور بے روز گاری سے اُکتا کر مہاراجہ شیودان سنگھ والئی الور کی سرکار میں حاضر ہوئے - جہاں ان کے کلام کی اچھی قدر کی گئی اور ریاست کی طرف سے ایک رو پیہ یومیہ مشاہرہ اور دو پتے برائے زراعت

مقرر ہوئے۔ وہ زمانہ ریاست میں بہ لحاظ قدردانی بہت بہتر تھا حضرات ظہیر، مجروح، تشنہ وغیرہ بھی اسی سرکار کے نمک خوار تھے شعر و سخن کا چرچا اُزوروں پر تھا - "تصویر" نے ان صاحب کمال کے سامنے خوب خوب داد کلام دی اور آخر تک اسی سرکار کے وظیفہ خوار رہے - اب نمونہ کلام ملاحظہ ہو :

مہر اُس پر ہے، ہماری حسرت دیدار کا
بند جس نے کر دیا روزن تری دیوار کا

دل پہ بیٹھا تھا جو پھر دیکھا جگر کے پار تھا
دیکھنا کیا توڑ ہے تیر نگاہ یار کا

کہتے ہو، فرصت ہوی ہم کو تو آئیں گے ضرور
میری جاں ! یہ بھی کوئی انداز ہے اقرار کا

بوسۂ لب میں جو ہے قند مکرر کا مزہ
غور سے دیکھا تو سارا لطف ہے تکرار کا

اُس کی اک ٹھوکر پہ سو ہنگامۂ محشر نثار
پوچھ مت تصویر، عالم یار کی رفتار کا

کہاں میں، اور کہاں تیرا دام عیاری
یہ اتفاق ہے صیاد اب دوانے کا

جو لب پہ آہ و فغاں ہو تو کچھ اثر بھی ہو
وگرنہ لطف نہیں شور و غل مچانے کا

ہزار طرح سے تڑپے بوقت ذبح، مگر
نہ پایا ڈھب ترے پاؤں پہ لوٹ جانے کا

جو دل میں ہوتا تو دیتے کسی طرح سے ظالم
میں دل سی شے کو نہیں خاک میں ملانے کا

بٹھا بٹھا کے جو رکھا ، تو دل کو کیا رکھا
مزہ ہے جان پہ اُلفت میں کھیل جانے کا
خدا دکھائے نہ دشمن کو انتظار کی رات
قضا سے ہم کو تو شکوہ ہے بھول جانے کا
وہ نیچی نیچی نگاہیں ، وہ بھولی بھولی شکل
جو سر پہ دیکھو ، تو ہے خون اک زمانے کا
تمہاری شکل سے نفرت ہے یا حیا ، تصویر ؟
کھلا نہ بھید ہمیں ان کے منہ چھپانے کا
کس ناز سے وہ کہتے ہیں اکثر شب وعدہ
ہم آئے کہاں اور ارادہ تھا کدھر کا
اے دیدۂ خوں بار ! ذرا اور بھی ہمت
کچھ رنگ تو بدلا ہے مرے خون جگر کا

وہ تو لحد بھی میری پامال کر گئے تھے
ہر نقش پا نے ان کے کچھ کچھ نشاں بنایا
تصویر ! عاشقوں کا کیا پوچھتا ہے مسکن
روز ازل سے ہم کو بے خانماں بنایا

تمنا تھی کہ وہ ضد سے پلائے بادہ گلگوں
فقط دعویٰ کیا تھا اس لئے پرہیز کاری کا
وہ غش اچھا تھا، میرا سر تو تھا اس گل کے زانو پر
ہوا میرے ہی اوپر وار میری ہوشیاری کا

دیکھ کر قاتل کو آتے جان تن میں آگئی   قتل ہونے کی خوشی میں خون اپنا بڑھ گیا

تو نے جس جا پہ قدم رکھ کے اٹھایا ظالم
رہ گیا نقش قدم چشم تمنا ہو کر

وہ بھی ہوں گے کہ جو آرام سے ہیں الفت میں
چین ہم نے تو نہ پایا ترے شیدا ہو کر

خواب گہ سے اٹھتے ہی آیا جو یاں وہ مست ناز
دل میں کیا کیا شک گئے زلف پریشاں دیکھ کر

سر اُٹھاؤ ، ہوچکی بس سرکشی   اب تو من جاؤ ، خدا کو مان کر

سوئیں گے جا کے چین سے زیر زمیں بھی ہم   آرام پائیں گے دل مضطر کہیں بھی ہم

اے آسماں ! تو بھی ستم میں کمی نہ کر   یاں بھی یہی ہے جی میں کہ اب تو نہیں کہ ہم

یہ جنازہ ترے ، تصویر ، دل افگار کا ہے   ساتھ جانا تو تجھے چاہئے دو چار قدم

وہ کون سی جفا ہے کہ جو تو نے کی نہیں
وہ کون سا ستم ہے جو ہم نے سہا نہیں

جلوے کو تیرے دیکھ کے، کچھ غش سا آگیا
اس کا پتا ملا تو پھر اپنا پتا نہیں
کس کا رفیق، کیسی وفا، اے دل حزیں
دل لے کے پھر کسی کا بھی وہ آشنا نہیں

حریص لذت آزار میں ہی ہوں سچ ہے   خدا نہ خواستہ تم تو ستم شعار نہیں

کعبہ تو کعبہ، دیر میں سجدے کروں ہزار   پر آشنا ہو وہ بت نا آشنا کہیں
خدا ہی جانے بتوں کی نظر میں سحر ہے کیا   قیامت ہوتی ہے برپا جدھر کو دیکھتے ہیں

بگڑ جاتا ہے از بس تلخ خو وہ باتوں باتوں میں   ہم اس کے دل کو رکھتے ہیں دم تقریر باتوں میں

راہ طلب میں اس کی یہ کہتا ہے دل میرا
اے کاش! ہوتے بدلے ہر اک عضو تن کے پاؤں
قطع و برید دامن صحرا کا قصد ہے
کرتے ہیں کام ہاتھ کا مجھ بے وطن کے پاؤں
عصمت کے معنے یہ ہیں جلی سر سے پا تلک
لیکن نہ رکھا شمع نے باہر لگن کے پاؤں

سوزش دل سنائے کیوں، داغ جگر دکھائے کیوں
دعویٰ عشق ہو جسے، موت سے دم چرائے کیوں

عاشق زار میں نہیں' تم پہ نثار میں نہیں
مجکو یہ انفعال ہے میں نے قدم اٹھائے کیوں
دور ہر عشق ہے ابھی تار رہے جو جیب و آستین
جس کو جنوں سے ننگ ہو دشت کی خاک اڑائے کیوں

مل چکی ہم ظلم کے ماروں کی داد گر وہ آئے حشر کے میدان میں
کرتے ہو باتیں در و دیوار سے آج ہو تصویر کس کے دھیان میں

کہو کب تھیں تم میں یہ شوخیاں کہو کب تھیں تم میں یہ گرمیاں
کبھی آئینہ سے کسی تھی حیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی آکے مجھ سے چمٹ گئے' کبھی پاس سے مرے ہٹ گئے
وہ وفور رات کے نشہ کا' تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

قیس نے جنگل کیا آہوں سے روشن رات کو' وادئی ایمن بنایا نجد کا بن رات کو

بے وفاؤں سے بھی وفا' تصویر' یہ کیا خوش آئی تیری خو مجکو

جیتے پھرے' تو آئیں گے کعبہ بھی زاہدو اب تو چلے ہیں دیر کو اک برہمن کے ساتھ

عاشق زمانہ ہوتا ہے' لیکن نہ اس طرح' اے دل کبھی تو جانب سود و ضرر تو دیکھ
کرتی ہیں ذبح ہم کو تری کم نگاہیاں گر دیکھنا ہے یار' تو بھر کر نظر تو دیکھ

دشمن ھی کو بھیجئے جو مرے پاس سے اُٹھے اس سے تو نہیں کوئی قسم اور زیادہ

تم وہ ھو سنگ‌دل، کہ تمھیں نے خبر نہ لی جب تک ھمارے سر پہ قیامت گذر نہ لی
عاشق کے قتل کرنے میں ایسا ھے اضطراب ظالم ذرا بھی تو نے چھری تیز کر نہ لی

برچھی تری نگاہ کی پہلو میں کیا لگی پہلو سے دل میں، دل سے کلیجہ میں جا لگی
دامن پہ وہ رکھے نہ رکھے دلربا لگی لیکن ھماری خاک ٹھکانے سے آ لگی
میں نے کہا، عدو پہ تو عاشق ھی ھوگیا ھنس کر کہا، کہ آپ ھی کی بد دعا لگی
بس بس خرام ناز، کہ محشر ھوا بپا ہسنے تمھاری چال سے خلق خدا لگی

ھر رات ھم کو رہتی ھیں اختر شماریاں ھر روز اپنے حق میں تو روز شمار ھے

عداوت تو نہیں خلق خدا سے اُس ستم گر کو
تڑپنے میں ذرا بسمل کے، اُس کا دل بہلتا ھے
الٰہی! عشق بھی آلہ ھے کیا انساں بنانے کا
کوئی عاشق ھو یا مجنوں، یہاں سانچہ میں ڈھلتا ھے
تم آئے تو عنایت ھے، نہ آتے تو شکایت کیا
محبت میں کسی کا، کب کسی پر زور چلتا ھے
مقرر غیر کے زانوں میں لی اُس شوخ نے چٹکی
ھمارے دل کو، کوئی آج چٹکی سے مسلتا ھے
جلانا تھا جسے اُس کو جلایا ایک ٹھوکر میں
خرام ناز کے پردے میں ظالم چال چلتا ھے

نہ آئے گرچہ نہیں جاں جا کے آنے کی　　قضا بھی پھر نہیں اک بار آکے آنے کی
یہاں تلک میں بنا پارسا کہ اُس بت نے　　عدو سے شرط بدی یہ بلا کے آنے کی
کئے ہی ڈالتی ہے قتل، ذبح سے پہلے　　ادا، وہ ناز سے خنجر اُٹھا کے آنے کی
یہ قصد ہے کہ کروں بند و بست وہ شب وصل　　رہے نہ راہ کہیں سے حیا کے آنے کی
گلہ نہ کر سکے تا کشتۂ جفا کوئی　　یہ طرز خوب ہے سرمہ لگا کے آنے کی

وفا کی ہم نے تم سے اور تم نے غیر سے آج تک　　طریق عشق سے باہر نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

اگر اک لے لیا بوسہ خطا اس کو نہیں کہتے　　محبت کہتے ہیں ترک حیا اس کو نہیں کہتے

تمنا جو نہ رکھتا ہو، جھکائے وہ نظر کس سے
اُسے شادی و غم کس کا، اُسے سود و ضرر کس سے
ہمیں تو شام عیش و صبح غم یکساں نظر آئی
خدا جانے ترا وعدہ تھا شب کس سے سحر کس سے

ہمیں تو آزمائش اے بت بے پیر اتنی تھی　　نہ تو جلاد اتنا تھا، نہ تیری شمشیر اتنی تھی

کیا بری چیز ہے محبت بھی　　بات کرنے میں آنکھ بھر آئی
میرے ہر کام میں ہے ناکامی　　آہ بھی لب پہ بے اثر آئی

مجھکو وہاں بلائیے، یا آپ آئیے　　اپنی تو ہے وصال تمنا، کہیں سہی

ھجر کی شب تو سحر ھو یا رب وہ نہ آیا تو قیامت ھی سہی
جان بے کار تو اپنی نہ گئی اے ستم گر! تری شہرت ھی سہی
مجھہ سے اتنا بھی نہ کھنچئے صاحب آپ پر میری طبیعت ھی سہی
جذبۂ دل کھینچ لایا تم کو آپ کی خیر! عنایت ھی سہی

کفن کی سپیدی سے ثابت ہوا شب ھجر اپنی سحر ھو گئی

حال دل بھی کہوں گا چارہ گرو ہوی فرصت جو دیدۂ تر سے

تصویر! تو اتنا غم فرقت سے نہ گھبرا
یہ رنج بھی دنیا میں ھیں نادان کوی دن کے

تنہا

اکا نام، تنہا تخلص قصاب تھا۔ دھلی میں اس کی دوکان گوشت کی عمدگی میں مشہور تھی۔ اکثر شادی بیاہ کے موقعوں پر جو پخت و پز کا اھتمام کیا جاتا تو اکا کی دوکان سے گوشت کی خریداری ھوتی۔ بکری زیادہ ھونے کی وجہ سے اس کی مالی حالت بہت بہتر تھی اس میں اپنی قوم والوں کی طرح اکھڑ پن بالکل نہ تھا۔ مزاج میں آشتی اور صلح جوی کی صفت موجود تھی۔ امیروں شریفوں کی ڈیوڑھیوں پر حاضر ھوتے ھوتے آئین ادب و آداب سے خوب واقف ھو گیا تھا۔ گفتگو کرتے وقت اپنی اصلیت اور مخاطب کی عزت کو ملحوظ رکھتا۔ طبقہ قدما کے شعرا کا زمانہ پایا تھا۔ غزل گوئی کی گرما گرمی نے شوق سخن پیدا کردیا

کا مطلب حروف ندا ، تاسف ، تحسین ، تعجب وغیرہ ہے ۔ اس کے لئے " فجائیہ " کا لفظ زیادہ بہتر تھا جو استعمال میں آچکا ہے ۔ اسی طرح Prefixes اور Suffixes) کے لئے علامات اولیہ اور علامت آخریہ تراشے گئے ہیں حالانکہ ان کے لئے اب سابقہ اور لاحقہ عام طور پر استعمال ہونے گئے ہیں ۔ اگرچہ ہمیں مولفین سے کہیں کہیں اختلاف ہے تاہم یہ کتاب انگریزی خوان طلبہ کے لئے نہایت مفید اور کار آمد ہے اور مولفین نے اسے بڑی محنت اور سلیقے سے تیار کیا ہے ۔۔

مضامین فرحت ، حصہ دوم

(از مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ۔ بی اے ، اسسٹنٹ ہوم سکرٹری حیدرآباد ۔ صفحات ۱۹۰ قیمت دو روپے)

یہ مضامین فرحت کا دوسرا حصہ ہے ۔ ابھی کیا ہے ، خدا نے چاہا تو ایسے ایسے کئی حصے شایع ہوں گے ۔ مرزا صاحب میدان میں ابھی ابھی آئے ہیں اور آتے ہی انہیں قبولیت حاصل ہوگئی ہے ۔ ان کی زبان اور بیان دونوں دلکش ہیں ۔ یوں خود بھی انہیں ادب کا ذوق ہے اور پھر رسالے والے بھلا ایسی چہکتی بلبل کیوں چھوڑنے لگے ان کا اصرار برابر جاری رہا (خواہ مرزا صاحب کتنے ہی بگڑیں اور ناک بھوں چڑھائیں) تو ایسے بہت سے مضامین ان کے صدقے میں ہمیں مل جائیں گے ۔ اس حصے میں سب کے سب مضامین اردو رسالوں میں شایع ہوچکے ہیں ۔ آخری دو مضمون یعنی " حکیم آغا جان عیش دہلوی " اور " ایک وصیت کی تعمیل " تو اسی رسالے میں چھپ چکے ہیں ۔ باقی دوسرے رسالوں میں ۔ پہلا مضمون " بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر " بے مثل ہے اور ایک یادگار چیز ہے ۔ " پرانی اور نئی تہذیب کی ٹکر " آپ بیتی ہے اور پر لطف ہے ۔ "فرماں بردار بیٹا" تاریخی مضمون ہے اور آغا جان والا ادبی ۔ ادبی اور تاریخی مضامین میں وہ لطف نہیں جو بیانیہ مضامین میں ہے ۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ حصہ بھی پہلے حصے کی طرح مقبول ہوگا ۔۔

پردہ

(مصنفۂ محمد فضل الرحمن صاحب ' لکچرار سٹی کالج '
حیدرآباد- قیمت ایک روپیہ (مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن)

اس ڈرامے میں تین ایکٹ ہیں- اشخاص ڈراما میں خان بہادر اکرام حسین خاں ہیں جو شہر کے ایک رئیس دنیاوی خیال کے آدمی ہیں- دوشیزہ خان بہادر کی ناکتخدا لڑکی ہے ' اظہار ' خان بہادر کا لڑکا ہے ' صادق ' خان بہادر کا بھتیجا ہے جسکی نسبت دوشیزہ کے ساتھ ہو چکی ہے - ڈاکٹر میتھو ایک ہندوستانی عیسائی ہیں اور خان بہادر کے خاندانی طبیب ہیں - قادر ایک پرانا خادم ہے اور گل بہار خادمہ ہے —

صادق پر نئی تہذیب کے خیالات کا اثر ہے- وہ پردے کی رسم کا سخت مخالف ہے اور اس کی دلی تمنا ہے کہ وہ اپنی منسوبہ دوشیزہ کو پردے سے باہر پوری آزادی دے مگر اپنے خسر کے ڈر کے مارے اپنے خیالات پر عمل پورا نہیں ہوسکتا اتفاق سے دوشیزہ بیمار ہوتی ہے - ڈاکٹر کا خیال ہے کہ تازہ ہوا کی اسے ضرورت ہے - چنانچہ اب صادق عہد کرتا ہے کہ وہ اپنے خیالات پر عمل کر کے اپنی منسوبہ کی جان بچائے - پہلے پہل دوشیزہ کو صادق کی رائے ماننے میں پس و پیش ہوتا ہے کیونکہ وہ پردے سے باہر نکلنے کو اپنے خاندان کی رسوائی خیال کرتی ہے مگر پھر اس کی سمجھ میں بات آجاتی ہے- وہ صادق اور اپنے بھائی اظہار کے ساتھ باہر تفریح کو جاتی ہے- خان بہادر کو جو اس کا علم ہوا تو طیش سے آگ بگولا ہوگئے اور بھتی داماد دونوں کو گھر سے نکال باہر کیا چنانچہ وہ دونوں اپنے پرانے دوست اور خاندان کے خیر خواہ ڈاکٹر میتھو کے گھر میں پناہ گزین ہوے —

تیسرے ایکٹ دوسرے سین میں ایکدم سے اس ڈراما کے پڑھنے والے پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اظہار اور گل بہار (خادمہ) میں کچھ باہمی لگاو ہوگیا ہے- اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گل بہار قادر سے قطع تعلق کر کے میاں اظہار کے ساتھ ہو لیتی ہے- انہیں بھی خان بہادر گھر سے نکال دیتے ہیں- اور یہ دونوں بھی ڈاکٹر میتھو کے یہاں جاکر پناہ گزیں ہو تے ہیں —

اگرچہ اس ڈرامے میں مصنف صاحب نے ہماری سوسائٹی کی ایک بڑی خرابی

کی طرف توجہ دلائی ہے جس کی وجہ سے ہمارے ملک کی آبادی کا ایک اچھا خاصہ حصہ گھروں کی چار دیواری میں گھٹ گھٹ کر خود اپنی اور اپنی اولاد کی تندرستی کو تباہ کرتا رہتا ہے ' فن ڈراما نویسی کے اعتبار سے یہ ڈراما ناقص ہے - اول تو جتنے کیرکٹر ہیں وہ سب بے جان سے معلوم ہوتے ہیں - ان کی شخصیتیں معمولی اور امتیاز سے عاری ہیں - جو مواقع (Situations) پیدا کئے گئے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں جیسے ڈرامے کے کیرکٹر —

سوشل ڈراما بڑی کارآمد چیز ہے - لیکن اس کے ساتھ ڈراما نویس پر بڑی ذمہ داریاں بھی عاید ہوتی ہیں - کیرکٹروں کی شخصیت معین کرنے اور نیز مواقع آفرینی میں کمال احتیاط اور خوش سلیقگی درکار ہے —　　(ی)

اُردو انقلابی قاعدہ

(مرتبہ منشی انور علی صاحب بی اے ' بی ٹی ' سابق ایجوکیشنل سکریٹری ریاست منگرول - نمبر ۴۲ لیک اسکوائر ' نئی دہلی - قیمت ڈیڑھ آنہ)

اس زمانے میں اُردو کے متعدد قاعدے شایع ہوئے ہیں - ان کی غرض و غایت یہ ہے کہ بچوں کی تعلیم میں آسانی ہو اور پرانے طریقہ سے جو اُن کے دماغ پر بار پڑتا ہے وہ رفع ہو - اسی نیت سے یہ قاعدہ لکھا گیا ہے - لیکن افسوس ہے کہ قابل مولف کو اس میں کامیابی نہیں ہوئی - جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہے اُس سے اور اُلجھن بڑھ گئی ہے - پہلے سبق کے بعد ہی مرکب الفاظ شروع کردئے ہیں - یہ درست نہیں ہے - پھر اعراب کی عجیب حالت ہے - ہر آخر حرف پر جزم لگایا گیا ہے - اس کی مطلق ضرورت نہ تھی کیونکہ اُردو میں آخر حرف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے - املا میں بھی یکسانی کا خیال نہیں رکھا گیا - ایک جگہ سوطہ الف سے لکھا گیا ہے اور دوسری جگہ ہ سے - یہی حال بعض دوسرے الفاظ کا ہے - اعراب کے قائم کرنے اور لگانے میں بہت بے ترتیبی پائی جاتی ہے - بعض ایسے حروف کے جوڑ بتائے گئے ہیں جو کبھی مل کر نہیں آتے جیسے ظ اور گ کا جوڑ یا چ اور ذ وغیرہ - لکھائی چھپائی کاغذ ' تصویریں نہایت ادنیٰ درجے کی ہیں —

ترجمہ انٹرمیڈیٹ پرشین کورس

(از مولوی فضل الدین' فیاض' ہر یا سوی بی اے ' ایچ پی ' پروفیسر فارسی اسلامیہ کالج قیمت دو روپے چار آنے)

یہ پنجاب انٹرمیڈیٹ کے فارسی نصاب کے حصہ نظم کا انگریزی ترجمہ ہے - اس نصاب میں فردوسی ' قصائد سلمان ساوجی ' سعادت نامہ تحفۃالعجائب سنجری ' قصائد سعدی ' ہفت بند کاشی ' حسین دانش کی تضمین ' نظم انوری وغیرہ کا انتخاب ہے - مولوی فضل الدین صاحب نے شروع میں ہر شاعر کے حالات دئے ہیں اور پھر نظموں کا با محاورہ انگریزی میں ترجمہ کیا ہے - جہاں کہیں ضرورت ہوی مشکل الفاظ اور محاورات کی تشریح بھی کردی ہے - پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے کار آمد چیز ہے —

دیوان اثر

(مطبوعۂ انجمن ترقی اُردو - مجلد قیمت دو روپے غیر مجلد قیمت ڈیڑھ روپیہ)

سید محمد نام اثر تخلص ' خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے ان کا کلام فصاحت اور سلاست کا اعلیٰ نمونہ ہے - واردات قلبی کو ایسی صفائی' حسن و خوبی اور درد کے ساتھہ بیان کرتے ہیں کہ بیان سے باہر ہے - ان کی لا جواب مثنوی " خواب و خیال " اس سے قبل انجمن ترقیء اُردو شایع کر چکی ہے - دیوان اور مثنوی دونوں نایاب تھے - اب دیوان بڑی جستجو اور تلاش سے کمال صحت کے ساتھہ طبع کیا گیا ہے - اثر کا کلام اردو ادب میں خاص درجہ رکھتا ہے - اس میں نہ بعید از کار تشبیہات و استعارات ہیں نہ تخیل کی بلند پروازی ہے ' چھوٹی چھوٹی بحریں اور سادہ سادہ لفظ ہیں لیکن زبان اور بیان کے حسن نے جادو کا کام کیا ہے - زبان و ادب کے شائقین کے لئے یہ کلام ' جواب تک نایاب تھا ' ایک بڑی نعمت ہے -

---

درسیۂ عثمانیه

(یعنی اردو کا قاعدہ اور ابتدائی سات ریڈریں - مرتبۂ انجمن ترقی اردو)

یه سلسله انجمن ترقی اردو نے سررشتۂ تعلیمات ممالک محروسه سرکار عالی کی تجویز و مشوروں کے مطابق ریاست حیدرآباد دکن کے مدارس کے لئے مرتب کیا هے - اس سلسلے میں قاعدہ بالکل جدید طور پر لکھا گیا هے جس کا مقصد یه هے که بچے کم سے کم وقت میں نهایت سہولت کے ساتھ صحیح طور پر اردو لکھ پڑھ سکیں - انجمن نے اس سے پہلا کوئی مذکورہ سال ہوتے هوں جب که نیا قاعدہ مرتب کر کے شایع کیا تھا - اس کا اثر یه هوا که اس کے بعد جتنے قاعدے لکھے گئے سب نے کم و بیش اس کا تتبع کیا - اب وهی قاعدہ ترمیم و اضافے کے ساتھ اس سلسلے میں شایع کیا گیا هے - اس میں خصوصیت کے ساتھ یه باتیں قابل غور هیں —

۱ — سب حروف ایک بار نہیں دئیے گئے جن کا پہچاننا اور یاد کرنا بچے کے لئے عذاب هو جاتا هے - بلکه سب سے پہلے صرف تین حرف ایسے دئیے گئے هیں جو سب سے زیادہ آسان اور سادہ هیں - انهیں تین حروف سے لفظ اور جملے بنائے گئے هیں - یه حرف ایسے هیں جن میں جوڑ نہیں بلکه الگ الگ رهتے هیں (ا ر د) —

۲ — اس کے بعد تدریجی طور پر دو دو تین تین نئے حروف کا ایک ایک سبق هے تاکه بچے پر بار نه هو —

۳ — قاعدہ کے دو حصے هیں - پہلے حصے میں نہیں جوڑ نہیں تمام الفاظ اور جملے مفرد حروف سے بنائے گئے هیں دوسرے حصے میں جوڑ جوڑ شروع هوتا هے -

۴ — بچے کو حروف کے نام نہیں بتائے جاتے بلکه ان کی آوازیں بتائی جاتی هیں اور بچه انهیں آوازوں کو ملا کر خود بخود لفظ بناتا هے - هجے کرنے کا دستور بالکل اٹھا دیا هے —

۵ — بچے کو رٹنے اور یاد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکه شروع هی سے وہ اپنی سمجھ سے لفظ بنانے اور پڑھنے لگتا هے —

۶ — سب سے بڑی بات یه هے که اعراب کا قاعدہ ایسا منضبط کیا گیا هے که غلطی کا احتمال نہیں رهتا اور بچه ابتدا هی سے صحیح پڑھنے اور لکھنے پر قادر هوجاتا هے - اردو تحریر میں سب سے بڑا نقص یه هے که لفظ کی صحت کا یقین

نہیں ہوتا جس طرح جو چاہے پڑھ سکتا ہے لیکن اس قاعدے اور ریڈروں میں اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے ' غلط پڑھنے کا امکان ہی باقی نہیں رہا - اگر یہ رسم خط اردو تحریر میں جاری ہو گئی تو اردو پر جو بہت بڑا اعتراض ہے وہ خود بخود رفع ہو جاے گا —

قاعدہ ہندوستان کے نامور خوشنویس اعتماد رقم منشی علی محمد خاں صاحب سے لکھوایا گیا ہے اور اس کے بلاک بنوا کر طبع کرایا گیا ہے - بچوں کے لئے بجاے خود خوشنویسی کا بہترین نمونہ ہے —

پہلی چار ریڈریں بھی مشہور خوشنویسوں سے لکھوائی گئیں اور بلاک بنوا کر چھپوائی گئی ہیں - ریڈروں کی زبان بہت صاف ستھری اور فصیح ہے - مضامین دلچسپ اور کار آمد ہیں - اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ زبان کی فصاحت اور بیان کی دلچسپی کے ساتھ بچوں کے معلومات میں بھی اضافہ ہو - اس لئے تاریخ ' جغرافیہ ' ہیئت ' زراعت ' مناظر قدرت ' اخلاق وغیرہ پر بہت اچھے سبق خاص خاص لوگوں سے لکھوائے گئے ہیں - نظمیں کچھ تو پرانی ہیں اور کچھ نئی لکھوائی گئی ہیں جو بہت ہی پر لطف اور سبق آموز ہیں - آخری ریڈروں میں کچھ کچھ حصہ نامور انشا پردازوں کے نظم و نثر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے ' لیکن وہ انتخاب طلبہ کے ذوق کے مناسب اور ان مصنفین کا بہترین کلام ہے - تصویریں رنگین اور سادہ خاص طور پر تیار کرائی گئی ہیں - طلبۂ مدارس کے لئے اردو میں اس سے بہتر اب تک کوئی درسی سلسلہ نہیں لکھا گیا اور ہمیں امید ہے کہ ریاست حیدرآباد دکن کے علاوہ دوسرے صوبوں میں بھی ان کا رواج نہایت مفید ہو گا —

نصاب مرغوب موسوم بہ جدید الاسلوب

(مولفۂ مولوی قمر علی صاحب ایم - اے ایل ایل بی ' ایڈوکیٹ' بریلی)

(قیمت المعلم حصۂ اول دو روپے چار آنے ' حصہ دوم دو روپے چار آنے

نصاب مرغوب حصہ اول و دوم قیمت فی دو روپے چار آنے -

مصباح الابصار قیمت چار آنے)

ہمارے پاس یہ نصاب عربی رائے تقریظ کے آیا ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں انگریزی درسی کتابوں کے اصول پر زبان اور قواعد کو ساتھ ساتھ بیان کیا ہے تاکہ عربی زبان کے طالب کو دونوں مقابلۃً بہت کم مدت میں اچھی طرح حاصل ہوجائیں - اصل اسباق ابتدا میں چھوٹے چھوٹے عربی کے متداول جملوں پر مشتمل ہیں جو صرف و نحو کے کسی قاعدہ کے تحت بطور مثال کے لکھے گئے ہیں۔ ان جملوں کے انتخاب میں فاضل مصنف نے نہایت قابلیت صرف کی ہے - اور اکثر بیشتر وہ جملے یا کلام پاک کی آیتیں ہیں یا عربی کے دوسرے عام متداول جملے اور امثال۔ یہ طرز بیان نہایت مرغوب اور جلد ذہن نشین ہونے والا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اگر کوئی شخص توجہ اور محنت سے اس کتاب کو سمجھ کر پڑھے اور ذہن نشین کرے تو تقریباً تمام کلام پاک کو وہ اچھی طرح زبان عربی کے اصول پر سمجھنے کے قابل ہوجائے گا - اور اس طرح پھر اسے زبان عربی پر بہت جلد قدرت حاصل ہوجائے گی- اس کتاب نے عربی صرف و نحو کو ادب عربی کے ساتھ بیان کر کے عربی کے طالب پر بہت بڑا احسان کیا ہے اب اسے گردانیں یاد کرنے کی ضرورت نہیں

جتنی مدت میں درس قدیم کے طالب العلم کو شاید صرف و نحو بھی مکمل نہ آتی اس سے کم مدت میں اس نصاب کے پڑھنے سے نہ صرف و نحو بلکہ ادب عربی بھی بہت کچھ آجائے گا - اور ایسی استعداد پیدا ہو جائیگی کہ پھر زبان کے سمجھنے میں استاد کی ضرورت باقی نہ رہے گی —

جو لوگ عربی سیکھنا چاہتے ہیں ان سے ہم اس کتاب کی پر زور سفارش کرتے ہیں - اس کے دو حصے ہیں - اس کے ساتھ دوسری کتاب المعلم ہے اس میں ان تمام جملوں اور الفاظ کی تشریح ہے جو نصاب مرغوب میں فاضل مؤلف نے لکھے ہیں گویا یہ نصاب کی مکمل شرح ہے تا کہ طالب العلم کو سرے سے کسی استاد کی ضرورت ہی نہ رہے وہ اپنے آپ محنت کر کے عربی کا اچھا خاصہ ادیب بن سکے اس کے بھی دو حصے ہیں-اس مکمل سلسلہ کی قیمت ۴ر ۸ آٹھ آنے ہے —

فاضل مولف نے نصاب مرغوب پر چالیس صفحہ کا ایک نہایت دلچسپ مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں اپنی کتاب کی ضرورت اور خوبی بیان کی ہے - اسے مصباح الابصار کے نام سے علیحدہ بھی چھپوا دیا ہے -

اس کی قیمت چار آنے ہے —

ہم چاہتے تھے کہ جس قدر مفید اور آسان و عمدہ طرز پر یہ کتاب لکھی گئی ہے ویسی ہی اس کی کتابت اور طباعت بھی دیدہ زیب ہوتی تاکہ طالب العلم کے لئے مزید سہولت ہوتی اور یہ مروجہ انگریزی درسی کتابوں کے ہر حیثیت سے ہمپایہ ہو سکتی، مقدمہ کی زبان میں قدامت کے آثار نمایاں ہیں مگر اس سے نفس کتاب کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا —

تاریخ و سیر

عرب و ہند کے تعلقات

(مولانا سید محمد سلیمان صاحب ندوی - متوسط تقطیع صفحات ۴۰۲
قیمت ۴ روپیہ - ہندوستانی اکاڈیمی - الہ آباد)

یہ کتاب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی ان تقریروں پر مشتمل ہے جو موصوف نے مارچ سنہ ۱۹۲۹ع میں ہندوستانی اکاڈمی (یو پی) کے زیر اہتمام کی تھیں۔ اس کتاب میں پانچ باب ہیں - پہلے باب میں ہندوستان اور عرب کے ابتدائی تعلقات کے متعلق عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں کی کتابوں سے جہاں جہاں تک نہایت مفید اور کار آمد معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں چنانچہ ابن خرداذبہ نے اپنی مشہور کتاب المسالک و الممالک میں اور سلیمان تاجر، ابودلف مسعربن مہلہل ینبوعی بزرگ بن شہریار ناخدا، مسعودی، اصطخری، ابن حوقل، بشاری مقدسی، البیرونی اور ابن بطوطہ نے جو ہندوستان کے حالات لکھے ہیں ان کے اقتباسات موقع محل کے مطابق درج کئے گئے ہیں - دوسرے باب میں ہندوستان اور عرب کے درمیان تجارتی تعلقات کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ یونانی تجارت کے زوال کے بعد

متمدن دنیا کے تجارتی راستوں پر عربوں کا قبضہ ہوا اور مشرقی ممالک اور یورپ کا سارا بیوپار انھیں کے ہاتھوں ہوتا تھا۔ اسی بحری تجارت کی بدولت عباسیوں کے زمانہ میں اسلامی تمدن نے رونق پائی۔ تیسرے باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح عباسیوں کے عہد میں 'برامکہ' کی سرپرستی میں ہندی علوم و فنون کی 'بغداد' میں رسائی ہوئی اور سنسکرت سے کیمیا، طب، ہیئت، منطق اور ادب و اخلاق کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا گیا۔ اسی سلسلے میں مولانا نے 'سنکھو' اور 'برتھونت' کی تالیف کی ہے کہ 'برامکہ' کا دراصل مجوسیوں سے کوئی نسلی تعلق نہ تھا جیسا کہ اکثر مورخوں نے لکھا ہے بلکہ ان کے اجداد 'بدھ' مت کے ماننے والے تھے۔ اسی وجہ سے انھیں ہندوستان کے علوم و فنون سے خاص ہمدردی تھی۔ چوتھے باب میں ہندوستان اور عرب کے مذہبی تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس باب میں دراصل ان دو ملکوں کے باہمی مذہبی اثر و تعلق کو دکھانے کے بجائے ہندوستانی مذاہب و رسوم کے متعلق عرب مصنفین کی رائے پیش کی گئی ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ہندوستان کے عرب اور ترک و افغان و مغل فاتحوں کے مذہبوں میں باوجود ظاہری مشابہت کے فرق تھا۔ آخری باب میں ہندوستان میں اسلامی فتوحات سے پہلے کی عربی نوآبادیوں اور تجارتی منڈیوں کا حال دیا ہے۔ ان نوآبادیوں کے چھ بڑے بڑے مرکز تھے۔ سرندیپ، مالدیپ، ملیبار، گجرات اور سندھ۔ ان کے (کارومنڈل) دہ، پٹن، اور بدھ پٹن میں بھی ان کے تجارتی مرکز موجود تھے —

یہ کتاب ہندوستان کی آبادی ابتدائی اسلامی تاریخ میں ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ اس سے پہلے اب تک کسی نے اس عہد کی تاریخ کو اس قدر جامع اور مرتب طور پر نہیں پیش کیا ہے۔ جس زمانے کے حالات پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، یعنی آٹھویں صدی عیسوی سے بارھویں صدی عیسوی تک، وہ ہماری تاریخ کا ایسا باب ہے جو اس وقت تک تاریکی میں ہے۔ اب تک لے دیکر ہماری واقفیت کا سارا دار و مدار الیٹ صاحب کی تاریخ پر تھا جنھوں نے اپنی کتاب میں عربی اور فارسی ماخذوں سے نہایت ہی کارآمد اور مفید اقتباسات جمع کردئے ہیں۔ مگر تاریخی تحقیق کو اس وقت تک مکمل نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس کے نتائج خود ماخذوں کی چھان بین کے بعد قایم نہ کئے جائیں —

ہمیں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس موضوع کی تحقیق میں نہ صرف یہ کہ مولانا نے سب ضروری ماخذوں سے استفادہ کیا ہے بلکہ اپنے نتیجے قایم کرتے وقت اُس بصیرت سے بھی کام لیا ہے جس کے بغیر تاریخی تحقیق ادھوری رہتی ہے یا یوں کہیے کہ اس کی حیثیت واقعات و سنین کے ایک بے معنی طومار سے زیادہ نہیں ہوتی - اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ 'قطب الدین ایبک کی مرکزی حکومت (دہلی) کے قیام سے کئی صدیاں پیشتر مسلمانوں نے مغربی اور جنوبی ہند میں اپنی نو آبادیاں جو اکثر تجارتی منڈیاں تھیں ' قایم کرلی تھیں —

مگر اس کتاب میں بعض باتیں ایسی بھی ہیں جن سے ہمیں اختلاف ہے اور جو ہماری راے میں تاریخی تنقید کی کسوٹی پر پوری نہیں اترتیں - مثلاً پہلے باب میں مولف نے نہایت نیک نیتی سے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عربوں کو ہندوستان کے ساتھ ہمیشہ ایک قسم کا روحانی تعلق رہا ہے - اس کے ثبوت میں صفحہ ۳ پر اس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کے مطابق رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے" ہمارے خیال میں اصول درایت اور تاریخی تنقید کی بنا پر اس روایت کو کوئی مورخ بھی صحیح تسلیم نہ کرے گا - اصل یہ ہے کہ عرب اور ہندو تاریخ میں دو ایسی قومیں ہیں جن کے ذہنی اور روحانی نقطہاے نظر ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ ہیں - شاید ہی دو ایسی قومیں ہوں جن کی زندگی کے اصول اتنے مختلف ہوں جتنے کہ ان دونوں کے ہیں - پھر صفحہ ۳ پر ایک روایت نقل کی گئی ہے جس کے بیان کے مطابق جنت سے چار دریا نکلے ہیں نیل ' فرات ' جیحوں اور سیحوں - مولانا کے نزدیک اس چوتھے دریا سے گنگا مراد ہے - صفحہ ۴ پر امام حسین علیہ السلام کی والدہ کو بجاے ایرانی ہونے کے سندھی بتایا گیا ہے - آگے چل کر صفحہ ۱۱ پر سوامی 'دیانند' کے حوالے سے اس دعوے کو بلا غور و تامل تسلیم کرلیا گیا ہے کہ مہا بھارت کے زمانے میں ہندوستان میں عربی داں لوگ موجود تھے - چنانچہ جب کوروں نے لاکھ کے گھر میں پانڈوں کو جلا کر پھونکنے کا قصد کیا تو ودرجی نے عربی زبان میں 'یدھشٹر' کو اس کی خبر کردی - 'یدھشٹر' نے بھی عربی زبان میں انہیں اس کا جواب دیا - یہ سب حکایتیں بالکل نا معتبر ہیں جنہیں اس کتاب میں نہ ہونا چاہئے تھا - یا یہ

کہنا کہ عرب ہندوستان کو " اپنا موروثی پدری وطن " اس لئے سمجھتے ہیں کہ بعض روایتوں کے مطابق حضرت آدم جنت سے ہندوستان کی دکنی سر زمین پر پھینکے گئے تھے ' مورخانہ تعدیل کا خون کرنا ہے —

سندھ کی اسلامی تاریخ میں سومرہ اور سامہ خاندانوں کے متعلق ہماری معلومات اب تک بالکل ناقص ہیں ۔ بس اتنا پتہ چلتا ہے کہ سومرہ خاندان کی حکومت غزنویوں کے عہد سے لیکر محمد تغلق کے زمانہ تک رہی اور پھر اس کے بعد سامہ خاندان برسر اقتدار ہوا ۔ اس خاندان کی حکومت اکبر اعظم کے عہد تک رہی جب کہ یہ سب علاقہ سلطنت مغلیہ میں ملحق کر لیا گیا ۔ مورخین کو اس میں برابر اختلاف رہا ہے کہ آیا یہ دونوں خانوادے عربی نژاد تھے یا ہندی ۔ عبدالحلیم شرر صاحب اپنی تاریخ سندھ میں اس خیال کے حامی معلوم ہوتے ہیں کہ یہ عربی الاصل تھے ۔ اس کے برخلاف بعض انگریز مورخوں نے انہیں ہندی کہا ہے بلکہ الفنسٹن نے تو بلا تحقیق انہیں راجپوت قرار دے دیا ہے مگر تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خاندان کے زوال کے بعد سندھ کے دیسی قبیلوں نے سر اٹھایا اور سومرہ انہیں قبیلوں میں سے ایک تھا یا یہ کہ سومرہ کسی ہندی اسلامی قبیلے کے سردار کا نام تھا جس نے محمود غزنوی کے عہد میں یا اس سے کچھ قبل ملتان کے آس پاس کے علاقہ میں اقتدار حاصل کرلیا تھا ۔ ان خاندانوں کے متعلق الیٹ نے اپنی تاریخ کی پہلی جلد کے ضمیمے میں جو مواد اکٹھا کر دیا ہے اس کے سوا اب تک ہمارے مورخوں نے کوئی نئی بات نہیں بتائی ۔ اصل میں تاریخی اعتبار سے اس پورے زمانے کی ترتیب و تدوین ابھی باقی ہے ۔ ہمارا خیال تھا کہ " عرب و ہند کے تعلقات " سے یہ کمی پوری ہوجائے گی لیکن جیسا کہ مولف کو خود اس کا احساس ہے وہ مواد کے نہ ہونے کے باعث یا اور کسی وجہ سے یہ کام کماحقہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے —

مولف نے سومرہ اور سامہ حکمرانوں کے جو نام تحفۃ الکرام اور میرمعصوم کی تاریخ سندھ کے حوالے سے گنوائے ہیں ان میں ایسے نام بھی ہیں جو آدھے ہندی اور آدھے اسلامی کہے جاسکتے ہیں جیسے محمد تور ' عمر سومرہ ' جام نندا ' جام نندا نظام الدین ' جام تماچی ' جام جونا وغیرہ — یہ نام مورخ کی بہت کچھ رہنمائی کرسکتے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندی اسلامی تمدنوں اور زندگی کے تصورات کا اختلاط نہایت خوبی سے اس زمانے میں عمل میں آرہا تھا ۔ اس طرح تحقیق کا ایک بڑا میدان

کھل جاتا ہے ۔ ہر مورخ کے لئے اب بس ضروری ہے کہ کسی قوم کی سلطنت کی تاریخ کے ساتھہ ساتھہ اس کے تمدن اور خیال کی تاریخ بھی دنیا کو بتائیے کیونکہ اقوام کے تمدن و اعتقاد میں جو وقتاً فوقتاً تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان کی اہمیت زندگی کے لئے فوجی نقل و حرکت یا تعیین سلطنت سے کہیں زیادہ ہے چنانچہ اگر علاقہ سندہ کی مذہبی اور معاشرتی تاریخ پر ہم نظر ڈالیں تو اس چیستاں کا حل ہمیں مل جائیے گا جو اُن ہندی اسلامی مخلوط ناموں سے پیدا ہوتی ہے ۔

آج اس زمانے میں بھی سندہ کے ہندو اور مسلمان کا شتکار زندہ پیر کا بڑا ادب کرتے ہیں ' منتیں مانتے ہیں اور ان کی خدمت میں گیت گاتے ہیں - یہ زندہ پیر کون تھے ؟ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ سندہ میں مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہندو کاشتکار دریائے سندہ (انڈس) کے دیوتا کی پوجا کرتے تھے ۔ ظاہر ہے کہ اس دریا سے انہیں اتنا خلوص و اعتقاد اس لئے تھا کہ ان کی روزی اسی کی فیاضی پر منحصر تھی - جب یہی لوگ مسلمان ہوئے تو بھی ان کی زندگی میں اور گرد و پیش میں کوئی خاص فرق نہیں پیدا ہوا - انہوں نے اسلام کے احکام بھی تسلیم کئے اور اپنے قدیم بھگوان داتا دریائے سندہ کے ساتھہ بھی خلوص و نیازمندی کا لگاؤ باقی رہنے دیا - چنانچہ اسی پرانے دیوتا کو آج کل مسلمان زندہ پیر یا خواجہ خضر کہتے ہیں اور ہندو اندرو لال کے نام سے یاد کرتے ہیں - ' بکھر ' کے قریب ایک درگاہ ہے جہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کا سالانہ میلا لگتا ہے ۔ مسلمان اسے زندہ پیر کی درگاہ کہتے ہیں اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ اندرو لال کی خاک یہاں دفن ہے ۔ سندہ کی مردم شماری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں ایک ایسا فرقہ پایا جاتا ہے جو اندرولال کو اوتار مانتا ہے ۔ یہ لوگ موحد ہیں - یہ فرقہ دسویں صدی عیسوی میں وجود میں آیا ● - چنانچہ و ثوق کے ساتھہ کہا جا سکتا ہے کہ اس فرقے کے پیدا ہونے میں اسلام کی تحریک ضرور موثر ہوی ہوگی - ہمارے اس نظریہ کی خاص کراس سے اور بھی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں اسماعیلیوں اور قرامطہ کے مبلغین سندہ میں موجود تھے اور کبھی نچلے نہیں بیٹھتے تھے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ تبلیغ کے اس گر سے بخوبی واقف تھے کہ کسی عقیدے کے پھیلا نے

● ملاحظہ ہو (Indain Antiquary) ۱۹۱۸

کسی عقیدے کے پھیلانے کا بہترین اور سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہے کہ جس قوم میں اس عقیدے کی نشر و اشاعت کی جا رہی ہے اس کے قدیم رسوم و عقاید میں سے بعض کو چن کر ان کے ساتھ اس عقیدے کا امتزاج کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے یہی کیا اور اس لئے انہیں بڑی کامیابی ہوئی۔ آج بھی خوجے حضرت علی کو وشنو کا اوتار مانتے ہیں۔ بعد کے زمانے میں بہت سے صوفیا نے بھی اس اصول پر عمل کیا۔ ان کے نزدیک ایسا کرنے میں نہ صرف مصلحت تھی بلکہ انہیں اس طریقے میں سچائی بھی نظر آئی —

ہم نے ان مسائل کی طرف اس لئے توجہ دلائی ہے کہ وہ ہمارے نزدیک تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتے ہیں — ورنہ جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے مولانا کی یہ کتاب یقینی طور پر ہمارے تاریخی ادب میں ایک نہایت مفید اضافہ ہے — اس میں صحت کا بھی التزام رکھا گیا ہے — صرف صفحہ ۵ پر ایک غلطی رہ گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ "شمالی ہندوستان میں درہ خیبر سے آنے والے مسلمان ترکوں اور افغانوں کا زمانہ چوتھی صدی ہجری کا آغاز ہے" حالانکہ محمود غزنوی کا پہلا حملہ ۳۹۰ ہجری بمطابق سنہ ۱۰۰۰ ع میں ہوا ہے —

اس کتاب کی زبان نہایت سلیس اور صاف ہے مولف نے لفظوں کے استعمال میں متانت، اعتدال اور صحت کو ملحوظ رکھا ہے اور ہمارے اکثر مورخوں کی عادت کے خلاف خطیبانہ مبالغوں سے احتراز کیا ہے۔ ایک علمی مضمون کے لئے اس سے عمدہ اسلوب بیان نہیں ہو سکتا —

(ی)

ملیبار

(از حکیم شمس اللہ صاحب قادری۔ دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ دس آنے میں مل سکتی ہے)

قابل مولف نے اس رسالے میں ملیبار کے جغرافی حالات، اس کی قدیم تاریخ، اقوام عالم کے ساتھ تعلقات، مسلمانوں کا توطن، خاندان علی راجہ، قرون وسطیٰ کے سیاح اور ان کے سفر نامے اور ساحل ملیبار پر پرتگیزوں کے اقتدار کے متعلق نہایت مفید معلومات کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ اس رسالے کے آخر میں "کتابیات" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے مولف موصوف نے عربی، فارسی اور انگریزی کتابیں

کے وسیع مطالعہ کے بعد اسے مرتب کیا ہے - اور واقعات کی چھان بین میں اپنی ذاتی تحقیق سے بھی کام لیا ہے —

بعض بیانات کی نسبت ہمیں کچھ شبہات ہیں جنہیں یہاں بتا دینا ضروری ہے - مولف موصوف نے W. R. Philips کے حوالے سے لکھا ہے کہ مقدس تھوما ملیبار آئے تھے اور مایلپور میں اس جہاں سے رخصت ہوے - مگر تاریخ میں صرف نسطوری عیسائیوں کے مبلغین کے متعلق ذکر ملتا ہے کہ وہ عراق، یمن اور حضرموت کے عیسائی تاجروں کے ساتھ آئے تھے - انہوں نے جنوبی هند میں اپنے کلیسا بھی تعمیر کئے - بعض مورخوں نے اس واقعہ کو بہت اہمیت دی ہے - ان کا خیال ہے کہ ان مبلغین کی تعلیمات کا هندی عقاید و خیال پر مستقل اثر پڑا - مثلاً وہ کہتے ہیں کہ کرشن اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے حالات میں جو مشابہت ہے یا عیسائیوں کے Logos اور هندوؤں کے نظریۂ " واک " میں جو مناسبت ہے وہ سب مسیحی اثر کی بدولت ہے - تعجب یہ ہے کہ سرجارج گریرسن جیسے محقق نے بھی اس خیال کی تائید کی ہے - کیا ہم اسے ان کی مذهبیت اور اپنے مذهب کی بڑائی کے خیال پر محمول کریں ؟ مگر یورپ کے دوسرے مستشرقوں نے جن میں موسیو بارتھہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس نظریہ کو بالکل غلط ٹھہرایا ہے اور اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ نسطریوں کا اثر بہت محدود تھا اور مقدس تھوما کا هندوستان جانا محض ایک بے بنیاد افسانہ ہے جو مورخانہ تنقید تنقیم کی تاب نہیں لا سکتا —

پھر مولف موصوف نے صفحہ ۲۴ پر شنکر اچاریہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ " ویدوں کا مشہور مفسر اور وشنو مذهب کا هادی " تھا - حالانکہ شنکر اچاریہ نے ویدوں کی نہیں" بلکہ برہم ستر ا " کی تفسیر لکھی ہے جس میں اس نے اپنشدوں کے فلسفۂ وحدت الوجود کے مطابق انسان اور کائنات کی تعبیریں کی ہیں - وہ در اصل فلسفۂ ویدانت کا مدون اور مرتب ہے - غالباً مولف موصوف کو وید اور ویدانت میں غلط فہمی ہوگئی - فلسفہ ویدانت کا وید سے کوئی تعلق نہیں - یہ چھہ هندو فلسفوں میں سے ایک ہے جس میں برہما کے سوا جو، تنہا حقیقت ہے، اور سب کائنات مایا ہے - اس کے متبعین کو طنزاً مایا وادن " (مایا یا دھوکہ کے مبلغ) کہا جاتا تھا - یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ " وہ وشنو مذهب کا هادی " تھا - وہ

شیو جی کا پوجاری تھا۔ چنانچہ اس کا لقب شنکراچاری خود اس کی بڑی شہادت ہے۔ شنکر، شیوجی ہی کا ایک نام ہے۔ وشنو مذہب تو اس کی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے۔ اس مذہب کے ہادی راماننج نے شنکر اچاری کے جواب میں "برہم سترا" کی دوسری تفسیر لکھی تھی جس میں اس کے دلائل کو رد کیا تھا اور شخصی خدا کے وجود، کمالات، اخلاق اور بندگی کی ذمہ داری کو "مایا" نہیں بلکہ حقیقت سے تعبیر کیا تھا۔

صفحہ ۱۱۱ پر مصنف جہاز ران بزرگ بن شہریار کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے "چوتھی صدی میں سنہ ۴۰۴ ھ (۱۰۱۳ ع) سے پہلے ایک کتاب اپنے بحری سفروں کے حالات میں لکھی" پھر وقائع مہمہ کی فہرست میں لکھا ہے کہ اس کی کتاب عجائب الہند ۱۰۱۴ سے پہلے لکھی گئی — حالانکہ بزرگ بن شہریار نے سنہ ۳۰۰ ھ میں اپنی سیاحت شروع کی۔ غالباً یہاں یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ چوتھی ہجری کو ۴۰۰ ھ سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ چوتھی صدی سنہ ۳۰۰ ھ سے شروع ہوتی ہے —

ملک اشرف ابوالغوری قانصوہ بادشاہ مصر نے ۱۵۰۷ میں اور سلیمان والیٔ روم نے سنہ ۱۵۳۸ ع میں پرتگیزوں کے اثر کو توڑنے کے لئے ساحل گجرات پر جو جنگی بیڑے بھیجے ان کے متعلق بہت سرسری طور پر دو سطروں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ حالانکہ پرتگیزوں کی یہ بظاہر چھوٹی چھوٹی جنگی مہموں کی کامیابی تاریخی اعتبار سے بہت وقیع ہیں — یہ در اصل مشرق کی شکست اور مغرب کی فتح کا اعلان تھا۔ اس کے بعد سے آہستہ آہستہ متمدن دنیا کی ساری تجارت اور لین دین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر اہل یورپ کے قبضے میں پہنچ گیا — یہ وہ زمانہ ہے جب کہ محمود غزنوی نے وسط ایشیا میں نہایت مستحکم حکومت قائم کرلی تھی سندھ پر اس کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اگر بادشاہ مصر، والیٔ روم، اور سلطان محمود غزنوی کو اتنی توفیق ہوتی کہ متفقہ طور پر تگیزوں کا مقابلہ کرتے تو ممکن تھا کہ آج تاریخ عالم کی رفتار وہ نہ ہوتی جو اب ہے —

اس کتاب کی زبان سادہ اور سلیس ہے (ی)

سلطان شہید

محمود خاں صاحب محمود بنگلوری نے اس مختصر رسالے میں سلطان ٹیپو کی زندگی، اس کے جنگی کارنامے اور نیز انتظامات ملکی کے متعلق سرسری حالات بھی لئے ہیں۔ اس میں انہوں نے یہ دکھایا ہے کہ سلطان ایک مسلمان محب وطن بادشاہ ہوا ہے جس نے برابر یہ کوشش کی کہ سرہٹوں اور نظام کو انگریزوں کے جال میں نہ پھنسنے دے مگر کامیاب نہ ہوا۔ مولف نے سلطان کی عام دوستی اور وسیع الخیالی کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس ضمن میں سلطان کے اس خط کا ترجمہ نقل کیا ہے جو اس نے سنہ ۱۷۹۳ ع میں جگت گرو شنکر اچار یہ شری سچدا نند بھارتی کو لکھا تھا۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے مذہب والوں کا خیال رکھتا تھا۔ چنانچہ ہندوں کے مذہبی رہنماؤں کو خلعت و تحائف سے سرفراز کرتا رہتا تھا۔ آج بھی سرنگری میں وہ فرمان موجود ہے جس میں اس نے اس مٹھ کے لئے جاگیر عطا کی ہے —

اصل میں ان تمام حالات کو چند صفحوں میں نہایت سرسری طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ ہم مولف صاحب کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ ان سب فرامین کو علحدہ شائع کریں جو میسور کے سرکاری میوزیم یا ایشیا ٹک سوسائٹی بنگال یا ہندوستان میں اورکہیں موجود ہیں۔ فرانسیسی زبان میں مو سیو مارتینو Martineau نے ہمارے ملک کی اس عہد کی تاریخ کے متعلق نہایت کارآمد سلسلہ شائع کیا ہے۔ اس میں فرانسیسیوں کے ہندوستان سے تعلقات کے متعلق جتنا مواد انہیں اس عہد کے فرانسیسی گورنمنٹ کی مسلوں اور دستاویزوں کی بدولت مل سکا جمع کردیا ہے۔ سلطان ٹیپو کے فرانسیسیوں کے ساتھ برابر آخر دم تک نہایت گہرے تعلقات رہے۔ چنانچہ اس نے نپولین کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت بھی دی تھی۔ مگر زمانے نے ان منصوبوں کو پورا نہ ہونے دیا۔ بہر حال اس سلسلے میں بھی بہت کچھ مواد مل سکتا ہے —

اس رسالے میں مولف صاحب کے جوش خطابت کا جگہ جگہ اظہار ہوتا ہے - جیسے صفحہ ۲۸ پر :- " آہ ! وہ سلطان جو ہندوستان میں ترکش اسلام کا آخری خدنگ تھا ' وہ سلطان جو شمع و پلاہ دین تھا ' وہ سلطان جس کا وجود اسلامیان ہند کے لئے قدرت کی طرف سے آخری مہلت تھی " - وغیرہ —

تاریخ نے مدتیں ہوئیں خطابت کی زبان میں بولنا چھوڑ دیا ہے - اب جو کچھ اسے کہنا ہوتا ہے اپنی سیدھی سادی بولی میں ٹھیک ٹھیک کہہ دیتی ہے — ا ی !

چمنستان مظفر

(مولفہ مولوی مظفر حسین خان صاحب سلیمانی)

یہ کتاب مولوی مظفر حسین خان صاحب سلیمانی نے ہندوستان کے ایک فاضل اور اپنے ہم وطن پروفیسر سید اولاد علی مرحوم کے حالات میں لکھی ہے —

سید صاحب موصوف سلطنت اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ کے بھائی صاحب عالم مرزا محمد جواد علی بہادر عرف جرنیل صاحب کے استاد ' مشیر اور مختار کار تھے —

انتزاع سلطنت کے بعد جب بادشاہ کی والدہ ' ولی عہد بہادر اور جرنیل صاحب ایسٹ انڈیا کمپنی کے خلاف اپنے حقوق کی پیروی کے لئے انگلستان گئے تو سید صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے - بادشاہ کی والدہ اور بھائی کا وہیں انتقال ہوگیا اور جب یہ لٹا قافلہ اپنے وطن کو واپس آگیا تو سید صاحب وہیں رہ گئے - پہلے ان کا تقرر کیمبرج یونیورسٹی میں ہوا اور اس کے بعد ڈبلن یونیورسٹی میں عربی اور اردو کے پروفیسر ہو گئے - بوجہ علم و فضل ان کی وہاں بہت عزت و وقعت تھی اور ۳۷ سال تک پروفیسری کی خدمت انجام دی - انگریزی میں بھی انہوں نے اعلی قابلیت حاصل کر لی تھی - وہیں شادی کی اور اس سے ایک بیٹا بھی ہوا جو ڈاکٹر

تھا - آخر سنه ۱۸۹۸ء میں انتقال کر گئے - بیچ میں دو سال تیرہ سال کے لئے اپنے وطن بھی آئے اور شاہ آباد اور لکھنؤ میں ان کے لکچر ہوئے جو بڑے شوق اور دلچسپی سے سنے گئے —

مولوی مظہر حسین صاحب کے هم ممنون هیں که انهوں نے بڑی تحقیق اور جانکاهی سے هندوستان کے ایک ایسے فاضل کے حالات جمع کئے هیں جسے هم بھول گئے تھے - ان حالات کے ضمن میں ان کارروائیوں کا بھی ذکر آگیا هے جو بادشاه کی والده وغیره نے اپنی سلطنت کی واپسی کے لئے انگلستان میں کیں - اس کتاب کے پڑھنے سے اس زمانے کے متعلق بعض نئی باتیں معلوم هوتی هیں اور خاص کر اس بات کے معلوم هونے سے خوشی هوتی هے که هندوستان کے ایک شخص نے محض اپنے علم و فضل سے انگلستان جیسے ملک میں هر دلعزیزی اور عزت حاصل کی - تمام کتاب بہت دلچسپ اور مطالعه کے قابل هے —

حفظانِ صحت

رهنمائے صحت

(مهاتما گاندهی کی کتاب کا ترجمه از محمد اعظم خاں صاحب نصیر ولا، عثمان پوره، حیدرآباد دکن قیمت ۱۲ آنے)

یه کتاب مهاتما گاندهی کی ایک مختصر سی کتاب کا ترجمه هے جو اصل میں گجراتی میں تھی، گجراتی سے انگریزی میں ترجمه هوی اور اس انگریزی کا یه اردو ترجمه هے —

صحت کسے عزیز نهیں، لیکن انسان حظ نفس کی خاطر ایسی بے اعتدالیاں کرتا هے که اپنی صحت کھو بیٹھتا هے - اس کتاب کے شروع

میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ صحت دواؤں کے استعمال یا طبیب کے علاج سے نصیب نہیں ہوتی بلکہ اصول صحت کی پابندی سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ سخت مغالطہ ہے "کہ کسی مرض کا علاج بغیر دوا کے نہیں ہو سکتا۔ اس خیال نے نوع انسان کو جتنا نقصان پہنچایا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے اسے اس قدر نقصان ہوا ہو" - اور کیا خوب کہا ہے کہ "جہاں ایک دفعہ کسی گھر میں دوا کی شیشی داخل ہوئی پھر وہ کبھی نکلنے کا نام نہیں دیتی بلکہ اپنے ساتھ اور شیشیوں کو بھی کھینچ لاتی ہے" - مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی صاف ہوا، صاف پانی کا استعمال کرے، سادہ غذا کھائے، نشہ کی چیزوں سے پرہیز کرے، بے اعتدالیوں سے باز رہے، ضروری ورزش کرے تو نہ وہ بیمار ہوگا، نہ اس کی طبیعت کسل مند ہوگی، زیادہ دنوں تک زندہ رہے گا، اور جب تک زندہ رہے گا، توانا اور خوش رہے گا۔ جسم اور دماغ دونوں اچھی حالت میں رہیں گے اور اپنا کام زیادہ تن دہی اور اطمینان سے انجام دے گا۔ اس کتاب میں اسی کے گُر بتائے ہیں جو ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اور ذرا سے غور کے بعد قبول کرے گا۔ یہ کتاب ہر شخص کو پڑھنی چاہئے کیونکہ ہر شخص صحت کا آرزو مند ہے اور اکثر بیماریاں ہماری ناواقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ترجمہ بہت اچھا اور صاف ہے —

ماں اور بچہ

(مصنفہ ڈاکٹر بودھراج چوپڑہ صاحب ایم بی سی، ایچ بی۔ مرتبہ رام روق، لاہور۔ صفحات ۲۱۴ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے)

ہندوستان میں بچوں کی اموات کی جس قدر کثرت ہے دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں۔ اس کی وجہ جہالت ہے۔ ڈاکٹر بودھراج صاحب سالہا سال سے بچوں کے امراض کے علاج کر رہے ہیں اور اس فن میں خاص مہارت حاصل ہوگئی ہے۔ اس لئے یہ کتاب جو انہوں نے ایک مدت مدید کے تجربے کے بعد لکھی ہے، ہمارے ملک کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔

پہلے یہ کتاب انھوں نے انگریزی میں لکھی تھی جو کثرت سے شایع اور مشہور ہوئی۔ اب انھوں نے اردو میں اس کا سلیس اور آسان ترجمہ اپنے اہل وطن کے لئے شایع کیا ہے۔ اس کتاب میں بچوں کی اموات کے اسباب، حاملہ عورت اور بچے کے پیدا ہوتے وقت کی احتیاطوں، دودھ پلانے کی ہدایات، دایہ، دودھ چھڑانے، مصنوعی دودھ پلانے، بچے کی جسمانی، دماغی، روحانی ترقی، بچے کی عام بیماریوں، بچے کی دماغی کمزوری کے اسباب اور علاج کے متعلق نہایت تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہر شخص کو جو بال بچوں والا ہے اور خاص کر ماؤں کو بیحد فائدہ پہنچے گا۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر گھر میں رکھی جائے اور اس کی ہدایتوں پر عمل کیا جائے —

اُردو کے جدید رسالے

ادب

(اڈیٹر سید اعظم حسین صاحب - لکھنؤ - سالانہ قیمت چار روپے)

یہ ماہانہ رسالہ تقریباً ایک سال سے لکھنؤ سے شایع ہو رہا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ لکھنؤ سے ایسا اچھا رسالہ نکل رہا ہے۔ اگرچہ اس میں مختلف قسم کے مضامین ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر یہ ادبی رسالہ ہے اور ادبی لحاظ سے اچھے اچھے مضمون ہوتے ہیں۔ نظم و نثر دونوں میں زبان کی خوبی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ تنقید و تبصرہ اکثر بے لاگ اور ان پیمانہ ہوتا ہے۔ زبان و ادب کے شایقین کے لئے بہت اچھا رسالہ ہے۔ اس کا عید نمبر بڑے سلیقے سے مرتب ہوا تھا —

نیرنگ

(اڈیٹر : محمد عزیزاللہ صاحب ۔ دہلی ۔ سالانہ چندہ ساڑھے تین روپے)

یہ رسالہ دہلی سے شایع ہوتا ہے اور اس کا مقصد اردو علم و ادب کی ترویج و اشاعت ہے دہلی کے رسالے کی یہ کوشش ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے - اس کا ایک دہلی نمبر اس سال کے شروع میں شایع ہوا تھا جس میں بہت اچھے اچھے مضمون نظمیں اور تصویریں تھیں - یہ وہی نیرنگ ہے جو پہلے رام پور سے شایع ہوتا تھا اور اب دلی میں منتقل ہو گیا ہے - اس سے قبل بھی اس میں بہت اچھے علمی اور ادبی مضامین شایع ہو چکے ہیں --

معلومات

(اڈیٹر احمدالدین احمد صاحب مارہروی
ایم اے - الہ آباد - سالانہ چندہ دو روپے)

یہ چھوٹی سی تقطیع پر الہ آباد سے اسی سال شایع ہوی ہے - اس کا مقصد آسان زبان میں علمی معلومات بہم پہنچانا ہے - یہ بہت ہی مبارک مقصد ہے اور ہماری تمنا ہے کہ یہ رسالہ جاری رہے اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو - ایسے رسالوں کی ہمارے ملک کو بہت ضرورت ہے - اگرچہ اس کا حجم بہت کم اور تقطیع چھوٹی ہے مگر اس پر یہ مثل صادق آتی ہے " بقامت کمتر و بقیمت بہتر " - ہمیں امید ہے کہ اس کی قدر کی جائے گی اور خاص کر مدارس میں اسے رواج دیا جائیگا —

پیام اسلام

(زیر سرپرستی انجمن اشاعت اسلام جالندھر - سالانہ چندہ تین روپے)

یہ مذہبی اور تبلیغی رسالہ ہے اور اپنے مقصد کو خوبی سے انجام دے رہا ہے لکھنے والے بھی اچھے ہیں اور مضامین بھی مذہبی اعتبار سے خوب ہوتے ہیں —

بصیرت

(مدیر مولوی عبدالحق صاحب و دیارتھی، نائب مدیر

مولوی محمد عصمت اللہ صاحب۔ لاہور۔ سالانہ چندہ چار روپے)

یہ نیا رسالہ ہے جو رسالوں اور اخباروں کے جنم بھوم لاہور سے شایع ہوا ہے۔ اگرچہ اس میں علمی اور ادبی مضامین بھی ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر اسے شغف مذہب سے ہے۔ مگر تعصب سے اس کا دامن آلودہ نہیں وہ آپس کے اتحاد کی کوشش کرتا ہے اور کبھی کسی مذہب پر دلخراش حملہ نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی خوبیوں کا قائل اور ان کا بیان کرنے میں دریغ نہیں کرتا۔ یہ روش قابل تعریف ہے —

حصار اسلام

(اڈیٹر میاں سلطان احمد وحیدی، ایم آر اے ایس لندن۔ بٹالہ۔ سالانہ چندہ دو روپے)

اگرچہ یہ مذہبی پرچہ ہے لیکن اس میں ادبی اور دلچسپ مضامین بھی ہوتے ہیں۔ سامیات سے بھی بحث ہوتی ہے۔ ایک ناول کا ترجمہ بھی چھپتا ہے ایک آدھ تصویر بھی ضرور شائع ہوتی ہے۔ اکثر مضامین تبلیغی رنگ کے ہوتے ہیں جن صاحبوں کو اس قسم کی چیزوں سے دل چسپی ہے ان کے لئے خوب ہے —

عزیز

(اڈیٹر بشیر احمد صاحب۔ سالانہ چندہ تین روپے۔

عزیز آفس، پاتکامنشن، بھنڈی بازار بمبئی)

خوشی کی بات ہے کہ بمبئی شہر سے اردو کا ایسا اچھا رسالہ نکلتا ہے۔ اس

میں لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے بھی بعض خاص مضمون ہوتے ہیں یہ اس میں بڑی خوبی ہے - زبان صاف اور سادہ ہے - نظمیں بھی اچھی ہوتی ہیں - انعامی مضامین بھی لکھوائے جاتے ہیں - مضمون دلچسپ ہوتے ہیں اور لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کے قابل ہے -

ہونہار

(مرتبۂ اکرم صاحب بی اے سالانہ چندہ
پانچ روپے - قومی کتب خانہ ' ریلوے روڈ لاہور)

یہ ہفتہ وار رسالہ بچوں کی خاطر نکلتا ہے - ہماری زبان میں بچوں کے پڑھنے کے لئے کتابوں ' اخباروں اور رسالوں کی بہت کمی ہے اس لئے جو صاحب لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے لئے اس قسم کی کوشش کرتے ہیں وہ بڑا اچھا کام کرتے ہیں یہ رسالہ بہت خوشخط اور اچھا چھپا ہے ' زبان بھی اس کی سادہ ہوتی ہے - مضامین بھی بچوں کے پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں - لیکن بعض اوقات ایسے مضامین بھی شایع ہو جاتے ہیں جن سے ہمارے ملک کے بچوں کو زیادہ فائدہ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ اسے شوق سے پڑھ سکتے ہیں - جہاں تک ممکن ہو ایسی چیزیں لکھنی چاہئیں جنھیں بچے شوق اور دلچسپی سے پڑھیں اور اس کے علم میں بھی اضافہ ہو - اگرچہ اس کی زبان اچھی اور سلیس ہے تاہم اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ کوئی لفظ خلاف محاورہ اور غلط استعمال نہو کیونکہ بچوں کی غلطی بڑی مشکل سے نکلتی ہے - مثلاً "فرشتہ ... تیسرے شخص کے پاس پہنچا جو اندھا ہوا کرتا تھا" - یہ غلط ہے مطلب یہ ہے "جو کبھی اندھا تھا" اسی طرح "فاقہ مست ہوا کرتا تھا" یعنی جو پہلے تھا - بچوں کے مضامین کے لئے پیرایہ بیان بھی دلچسپ ہونا چاہئے - ہمارے رائے میں یہ رسالہ بچوں کے لئے بہت خوب ہے -

---

تلاش حق

یہ مہاتما گاندھی کی آپ بیتی کا اردو ترجمہ ہے - یہ ترجمہ ڈاکٹر

سید عابد حسین صاحب ایم اے ' پی ایچ ڈی نے بہت متھری اور سلیس زبان میں کیا ہے ۔ اس پر مفصل تبصرہ ہم کسی آیندہ اشاعت میں شایع کریں گے لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ یہ دنیا کی ان کتابوں میں سے ہے جس کا مطالعہ ہر پڑھے لکھے شخص پر لازم ہے —

جلد اول	قیمت	ایک روپیہ سکہ انگریزی
جلد دوم	قیمت	ایک روپیہ سکہ انگریزی

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے

دو ضروری اعلان

"چاند" متعلقہ ٹیلیفون نمبر ۲۰۵

چاند (اردو ایڈیشن)

ایڈیٹر، منشی کنہیالال ایم اے، ایل ایل بی، ایڈوکیٹ

۱ - چاند کا خاص ایڈیٹر نمبر نومبر اور دسمبر کا یکجائی نمبر ہوگا یہ نمبر ہر حیثیت سے ایک قابل قدر نمبر ہوگا - سو سے زائد ایڈیٹر صاحبان نے اپنے مضامین، افسانے اور نظمیں بھیجی ہیں - علاوہ ان کے متعدد رنگین اور سادی تصویریں اور کارٹون بھی شامل کئے جائیں گے

اس نمبر کی قیمت صرف تین روپیہ ہوگی مگر مستقل سالانہ خریداروں کو مفت دیا جائے گا یہ رعایت نئے ششماہی خریداروں کے ساتھ نہیں کی جا سکتی —

۲ - چاند کے سالانہ چندے میں خاص رعایت —

چاند کی کثیر اشاعت کو اور بھی بڑھانے کی غرض سے اور بہت سے حضرات کے خاطر ہم نے یہ طے کیا ہے کہ جو لوگ فوراً چاند کی خریداری منظور فرمائیں گے ان سے صرف ۲ روپیہ ۸ آنے لیا جائے گا - "چاند" کی کسی خصوصیت میں کمی نہیں ہوگی —

دیر نہ کیجئے اپنا نام فہرست خریداران میں فوراً درج کروا لیجئے

المشتـــــــــــــــــــــہر

منیجر "چاند" چندرلوک - الہ آباد

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

انجمن کے مطبوعات

—— (چمنستان شعرا) ——

ایک قدیم و نایاب اردو زبان کے شاعروں کا تذکرہ ہے ، جو انجمن ترقی اردو نے نہایت اہتمام سے شایع کیا ہے ، اور اس کی تصحیح و ترتیب میں نہایت محنت و کوشش سے کام لیکر ایک دل چسپ و محققانہ مقدمے کے ساتھہ چھاپا ہے - تذکرے کے مولف (دکن) کے مشہور مورخ و تذکرہ نویس لالہ لچھمی نرائن ، شفیق و صاحب ہیں - سنہ ۱۱۷۲ ھ میں یہ تذکرہ تالیف ہوا ، اور دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ ہی پایا جاتا تھا - عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے - سکریٹری انجمن ترقی اردو کا مقدمہ بھی قابل دید ہے - حجم تقریباً ۳۰۰ صفحے - جلد نہایت اعلیٰ قسم کی ، قیمت مجلد پانچ روپے آٹھہ آنے سکۂ انگریزی ، غیر مجلد چار روپے بارہ آنے سکۂ انگریزی —

—— (مخزن نکات) ——

یہ اردو شعرا کا نایاب تذکرہ ہے - مصنفۂ شیخ محمد قیام الدین ، قائم ، چاند پوری- شروع میں مولوی عبدالحق صاحب بی- اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو کا ایک مقدمہ ہے ، جس میں اس تذکرے پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور آخر میں قائم کے کلام کا انتخاب بھی دیدیا ہے - قیمت فی جلد مجلد تیرہ روپیہ —

—— (ذکر میر) ——

ہندوستان میں کون ایسا صاحب ذوق ہوگا جو اردو کے خداے سخن حضرت ، میر ، کے نام اور کلام سے نا آشنا ہو ، ان کے کلام کا پاکیزہ انتخاب عرصہ ہوا کہ انجمن

الیف —————————————— قہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

نے شائع کیا تھا جو ملک میں بہت مقبول ہوا اور کئی بار چھپ چکا ہے - اب خاص اہتمام سے مہر صاحب کی یہ نادرۂ روزگار سوانح عمری طبع کی گئی ہے جو خود انھوں کے پر سوز و گداز قلم کی تراوش ہے - جس میں انھوں نے اپنے حالات زندگی اور اس وقت کی فضا نیز آخری دور مغلیہ کی تصویر نہایت دل کش انداز سے کھینچی ہے - اور انجمن نے اپنے مخصوص و خوش نما ٹائپ میں چھاپی ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ معتمد انجمن کا مقدمہ بجائے خود قابل دید اور کتاب کی جان ہے - جلد خوب صورت، حجم ۱۸۰ صفحے، قیمت دو روپے —

—— (بزم مشاعرہ) ——

گذشتہ سال دو ماہ تک (مئی و جون) میں عالی جناب مہاراجہ کشن پرشاد " شاد " مدظلہ العالی صدر اعظم دولت آصفیہ دکن نے اورنگ‌آباد میں شرف ورود فرمایا تھا - جناب محتشم کی تشریف آوری پر اور دل چسپ ہنگاموں کے علاوہ ایک نہایت پر تکلف، شاندار مشاعرہ بھی حضرت موصوف کی صدارت میں بمقام مقبرہ ہوا - اس مشاعرے کا گلدستہ نہایت خوش نما، نظر فریب دو رنگوں میں طبع کیا گیا ہے - شروع میں جناب صدر مدظلہ کی پاکیزہ تصویر اور جناب محوی صدیقی کے قلم کا دل پذیر دیباچہ بھی قابل دید ہے - سر ورق بھی خوب صورت اور شاندار ہے - آخر میں وہ قصائد بھی شامل کر دیے گئے ہیں جو اورنگ‌آباد کالج میں پڑھے گئے تھے - نفاست پسند ارباب ذوق کے لئے بہت تھوڑی تعداد میں یہ گلدستہ طبع ہوا ہے - قیمت آٹھ آنے —

—— (تاریخ اخلاق یورپ) ——

اس کتاب کے اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر، تحقیق و صداقت کا مرادف ہے — یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن، اصول اخلاق، مذاہب و خیالات کا مرقع ہے - مترجمہ مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے، جلد اول مجلد ۳ روپے، جلد دوم مجلد دو روپے ۸ آنے —

المشتہر ————————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (ہماری شاعری) ——

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ' ایم ۔ اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالۂ اردو میں شاعری پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو عام طور پر بہت پسند کیا گیا تھا ۔ اب رضوی صاحب نے اس میں بہت کچھ اضافہ کر کے کتابی صورت میں کردیا ہے — اور انجمن ترقی اردو نے نہایت عمدہ طور پر یہ کتاب طبع کرائی ہے — پورے کپڑے کی خوشنما جلد ہے ۔ حجم دو سو صفحے ' قیمت دو روپے —

—— (کلیات ولی) ——

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا — اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں اور یہی گویا ہماری شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے ۔ اس کا کلام اس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب ' احسن ' مارہروی نے نہایت محنت اور قابلیت سے مرتب کیا ہے — اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے ۔ اب تک ولی کے جو دیوان کہیں چھپے اور ملتے ہیں — اکثر غلط اور نا مکمل ہیں — یہ کلیات ۱۷ — ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے کئی سال کی لگاتار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

اس قادرالکلام استاد کا کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی اور چار سو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے — شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسوط اور قابل قدر مقدمہ ہے ' جس میں موصوف نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت سے فراہم کر کے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسوط فرہنگ ہے ' جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ہیں ۔ آخر میں پورے دو سو صفحے کا ایک ضمیمۂ اختلاف نسخ ہے ' جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے ' اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے '

المشتہر ———————— مہتمم

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دے کر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت سے تیار ہوا ہے - ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اسے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دانان اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات ' قیمت مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے —

—— (مثنوی خواب و خیال) ——

حضرت میر درد دھلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی نایاب تھی ' بہت کوششوں کے بعد خوش نصیبی سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہو گئی اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ' طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرما کر اس مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ مثنوی آج تک نا پید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے ' حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا ھیں ' جو قابل دید اور نہایت پاکیزہ ھیں - یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور قدر دانان اردو کی خدمت میں انجمن کا جدید علمی ہدیہ ہے ' جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زائد ' قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ -

—— (انتخاب کلام میر) ——

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدر دان اردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے جو جناب مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہو چکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اسے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

المشتہر ———————————— ——تہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور ' نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے ۔ کاغذ چکنا ' نہایت عمدہ ۔ حجم دو سو صفحات سے زیادہ ' جلد نفیس اور مضبوط ۔ شروع میں فاضل مرتب کا زبردست و دلچسپ مقدمہ ہے ۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے —

—— (قواعد اردو) ——

یہ کتاب جناب معتمد صاحب انجمن ترقی اردو کی بیش بہا تالیف ہے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ' سہل ' جامع ' کتاب تصنیف نہیں ہوئی ۔ ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوئی ہے ۔ جامعۂ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے ۔ اب جناب مؤلف و مرتب کی بیحد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے ۔ شروع میں اردو زبان اور اس کے ادب پر لاجواب بسوط مقدمہ بجائے خود قابل دید ہے ۔ انجمن نے اپنے پریس میں عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے ' کاغذ بہت عمدہ ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے ۸ آنے —

—— (جاپان اُس کا تعلیمی نظم و نسق) ——

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظم ونسق کے مطالعے اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا ۔ نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور و تحقیق سے مطالعہ فرمایا ۔ کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے ' جو ہمارے اہل وطن کے لئے سبق آموز ہے ۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے ۔ ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات بھی ہے ۔ خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے دلچسپی اور تعلق رکھتے ہیں ۔ حجم ۴۸۲ صفحے قیمت فی جلد مجلد تین روپے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——(سر گزشت حیات (یا) آپ بیتی)——

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقے سے بتایا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھہ سکے - اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا - یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ لازم ہے - حجم ۳۰۰ صفحے - قیمت فی جلد مجلد ۲ روپے ۸ آنے -

——(تذکرۂ شعراے اردو)——

میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی مثنوی 'بدر منیر' کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی اور کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی ' بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرے کی خوبی پر کافی شہادت ہے - شروع میں مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنے غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنے —

——(تاریخ تمدن)——

سر تامسن بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلے پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے - اس کے مطالعے سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے - مجلد دو روپے - حصۂ دوم مجلد دو روپے —

الم———————————شتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (مقدمات الطبیعات) ———

یہ انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث ہے ' لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

——— (القول الاظہر) ———

امام مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الہیات کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنے ' مجلد ایک روپیہ —

——— (القمر) ———

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنے ' مجلد ایک روپیہ —

——— (فلسفۂ تعلیم) ———

ھربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - غور و فکر کا بہترین کار نامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپے ' غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنے —

——— (دریائے لطافت) ———

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے ' اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت مجلد ۲ روپے ' غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے —

——— (طبقات الارض) ———

اس فن کی پہلی کتاب ہے - (۳۰۰) صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

گئے ہیں ۔ کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور ان کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد دو روپے ۸ آنے —

—— (مشاهیر یونان و روما) ——

ترجمہ ہے - سہولت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمے سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی، عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپے - مجلد ۴ روپے جلد دوم ۲ روپے ۸ آنے —

—— (اسباق النحو) ——

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی - اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۲ آنے - حصۂ دوم ۴ آنے —

—— (علم المعیشت) ——

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم - اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے، اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے، حجم ۸۸۵ صفحے، قیمت مجلد ۵ روپے آٹھ آنے —

—— (تاریخ یونان) ——

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں، اس کتاب کو حد درجہ مفید پائیں گے قیمت مجلد ۲ روپے —

المشتهر ————————————————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——(رسالۂ نباتات)——

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے۔ علمی اصطلاحات سے معرا۔ طلباے نباتات جس مسئلے کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالے میں مطالعہ کریں، قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے —

——(دیباچۂ صحت)——

اس کتاب میں مطالعات صحت پر (مثلاً ہوا، پانی، غذا، لباس، مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے۔ زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے، ملک کی بہترین تصنیف ہے۔ اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا۔ حجم ایک ہزار صفحے۔ قیمت مجلد چار روپے —

——(نکات الشعراء)——

یہ اردو کا تذکرہ استاذالشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے۔ اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں۔ نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں۔ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

——(فلسفۂ جذبات)——

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ متعلمان نفسیات بہت مفید پائیں گے۔ قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے۔ غیر مجلد دو روپے —

——(وضع اصطلاحات)——

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز و عالم مولوی وحیدالدین سلیم مرحوم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعے کے بعد تالیف کی ہے

المشتہر ——————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

بقول فاضل مؤلف " یہ بالکل نیا موضوع ہے ۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی زبان میں " ۔ اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں ۔ مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی ، مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں ۔ اردو مصادر اور ان کے مشتقات ۔ غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آ گئی ہیں ۔ اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں ۔ لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں ۔ اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں ۔ اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعویٰ کرتے ہوے ہچکچاتے تھے ۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا ۔ اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے ۔ تعداد صفحات : ۳۰۵ ؛ قیمت مجلد تین روپے ۱۲ آنے —

—— (محاسن کلام غالب) ——

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کا معرکۃ الآرا مضمون ہے ۔ اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے ۔ یہ مضمون رسالۂ اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا ۔ صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ طبع کیا گیا ہے ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ

—— (ملل قدیمہ) ——

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے ۔ اس میں بعض قدیم اقوام ' سلطنت کلدانی آشوری ' بابل ' بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت ۔ عقائد ۔ اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں ۔ اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہو سکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے ۔ حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں ۔ صفحہ ۲۸۴ ۔ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

المشـــــــــــــــــــــــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) —

(نوٹ:- کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(بجلی کے کرشمے)

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی ' اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعے کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے ' کہاں سے آتی ہے ' کیا کام آ سکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکوں لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

(البیرونی)

مصنفۂ مولوی سید حسن برنی صاحب بی اے - اس کتاب میں علامہ ابو ریحان بیرونی کے حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے - انجمن ترقی اردو نے اب دوسرا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی اور اضافۂ مضامین کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر چھپوایا ہے - قیمت فی جلد مجلد دو روپے - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

(تاریخ ہند)

ہندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ہاشمی صاحب فریدآبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمائش پر لکھی ہے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہے - اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ہند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ہے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ہے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحے - قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(لغت اصطلاحات علمیہ)

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ ' جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:

Astronomy, Botany, Economics, History, (Constitutional, Greece

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں)

England, etc,) Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differential Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archaelogy -

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماھرین زبان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ھے - مصنفین و مترجمین کے لئے نا گزیر ھے —

حجم ۵۳۸ صفحے - قیمت مجلد چھہ روپے —

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ھیں

(دیوان غالب جدید و قدیم)

یہ وہ نایاب کلام ھے جس کی اشاعت کا اھل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ھے - مرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ھاتھہ آ گیا اور ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ھوا ھے - مع مقدمۂ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم- مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپے' غیر مجلد دو روپے آٹھہ آنے) —

(حقیقت اسلام)

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر کے' سی' آئی' ای' سی' ایس' آئی' ایم' اے' بی' ایل' ایف' آر' ایس' چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف "نوٹس آن اسلام" کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ھے۔

المشتہر —————————

انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ جوانوں یا دوسرے صاحبوں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے، جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے - قیمت مجلد بارہ آنے —

—— (تاریخ زوال روما) ——

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

—— (تاریخ عرب) ——

مصنفہ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتب خانوں کی زینت ہیں مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپے ۸ آنے —

—— (یادگار غالب) ——

یعنی مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے نظم و نثر اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفہ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب حالی مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپے —

—— (شعر و شاعری) ——

شمس العلما خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اردو زبان میں اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے - قیمت مجلد ۲ روپے غیر مجلد سوا روپیہ —

المشـــــــــــــتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ: کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (موازنۂ انیس و دبیر) ——

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ - مؤلفۂ مولانا شبلی نعمانی، قیمت فی جلد مجلد چار روپے - غیر مجلد تین روپے —

—— (وکرم اُروسی) ——

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمے کے جس میں ہندی ڈرامے کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مؤلفۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی، اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپے - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

—— (خطوط شبلی) ——

علامۂ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی اور زہرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نہایت یادگار ہیں، طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کر کے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب، بی - اے معتمد انجمن ترقی اردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے، جس نے ان خطوط کے جذبات اخلاص و محبت اور نکتۂ اصلی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ مولوی محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

—— (دیوان غالب مطبوعۂ جرمنی) ——

غالب کے کلام کی جو قدر اور مانگ ہے ہر صاحب ذوق جانتا ہے، ان کے دیوان کا ایک اڈیشن نہایت اہتمام سے طباعت کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعہ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ، کاغذ، چھپائی، جلد، سائز، ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپے —

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

———— (محشر خیال) ————

یہ سید سجاد انصاری مرحوم (کہال بارہ بنکی) کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے۔ سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے، ان کے مضامین میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے۔ یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے، جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے۔ لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ سائز مختصر، جلد نہایت نفیس، اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنے —

———— (چمن) ————

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عمدہ کے سوفتہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے۔ قیمت ۵ آنے —

———— (دیوان حالی) ————

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم کے قطعات غزلیات، قصیدے، مرثیے، ترکیب بند، رباعیاں، تاریخیں اور متفرق اشعار قیمت تین روپیہ —

———— (مٹریکولیشن کا نصاب اردو) ————

مجلس نصاب اردو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی ہدایت کے مطابق مولانا مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے (علیگ) آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو نے مرتب کیا۔ قیمت دو روپے —

———— (معراج العاشقین) ————

حضرت مخدوم ابوالفتح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز (رح) کی تصنیف ہے۔ اس میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اردو میں ہیں

المشتہر ———— قہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

دکنی اردو میں الکھ امین - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۶ آنے —

—— (وقائع عالمگیر) ——

حضرت اورنگ زیب سلطان ہند عالمگیر کے وقائع زندگی جو خود ان کے معاصر اور مستند مورخوں کی روایت پر مبنی ہیں - اور جن سے ان کے اخلاقی کیریکٹر، رواداری، عدل جوئی اور تمام مذہبوں کا کامل ثبوت ملتا ہے - مرتبۂ چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی مجلد ۲ روپے —

—— (افغان بادشاہ) ——

اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خان کی عظیم الشان چشم دید داستان حیات ہے - اس لاجواب کتاب کو محمد حسین خان بی - اے (علیگ) ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن افغانستان نے بڑی محنت اور دیدہ ریزی سے مرتب کیا ہے - شائقین سیر و تاریخ کے لئے خصوصاً اور کافۂ مسلمانوں کو عموماً لازم ہے کہ اس کتاب کو غور سے مطالعہ فرما کر استفادہ کریں - قیمت فی جلد دو روپے آٹھ آنے —

—— (عروس ادب) ——

مولوی سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی تاریخی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ - حجم ۲۲۴ صفحے - سائز ۲۶ × ۲۰ کاغذ عمدہ سفید، لکھائی چھپائی بہت خوشنما - قیمت فی جلد دو روپے —

—— (خیالات ارونگ) ——

مشہور امریکی مصنف واشنگٹن ارونگ کے بعض دلچسپ مضامین کا بامحاورہ اردو

المشـــــــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

ترجمہ از مولوی محمد یحیی صاحب تنہا وکیل غازی آباد ضلع میرٹھ قیمت ۸ آنے —

—— (سیر المصنفین) ——

جس میں نثاران اردو کے حالات زندگی اور اردو زبان کی عہد بعہد کی ترقی و تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے - مصنفۂ مولوی محمد یحیی صاحب تنہا بی - اے (علیگ) قیمت دو روپے —

—— (مصنوعی بیوی) ——

مشہور ہر دلعزیز مغربی ناولسٹ آر ' ایچ ' بول کے ایک نہایت دلچسپ انگریزی ناول " ہزمیک بی لیو وائف " کا اردو ترجمہ از مولوی عباس حسنی صاحب ' لطافی ' قیمت ۱۲ آنے —

—— (خواتین انگورہ) ——

مولفۂ ملا توحیدی صاحب - ترکی کی مشہور و معروف خواتین کے کار نامے - اس کتاب سے آپ کو معلوم ہو گا نہ موجودہ جد و جہد میں ترکی خواتین نے کس جوش اور قابلیت سے حصہ لیا ہے - قیمت ایک روپیہ —

—— (جہاں آرا بیگم) ——

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کی سوانح عمری جو نہایت مستند تاریخوں سے لکھی گئی ہے - مولفۂ مولوی ضیاالدین احمد برنی صاب بی اے قیمت ۸ آنے —

—— (ناٹک ندھا) ——

مولفۂ محمد عمر نور الٰہی صاحبان قدیم ہندوستانی ڈراموں کی کہانیاں نہایت دلچسپ پیرایے میں اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کردی گئی ہیں - قیمت فی جلد آٹھ آنے —

—— (سفیر اودھ) ——

آخری بادشاہ اودھ سلطان عالم واجد علی شاہ کے سفیر مولوی محمد مسیح الدین خاں بہادر مرحوم کے خود نوشت حالات - مطبوعۂ الناظر پریس لکھنؤ قیمت فی جلد ایک روپیہ —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ: کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

تاریخ فقہ	۴ روپیہ
خلفائے راشدین	۳ روپے ۸ آنے
مہاجرین	۴ روپے
سیرۃ النبی حصۂ اول	۴ روپے
سیرۃ النبی حصۂ دوم	۳ روپے ۸ آنے
سیرۃ النبی حصۂ سوم	۶ روپے
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپے
الکلام	۲ روپے
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپے
انقلاب الامم	۲ روپے
مکالمات برکلے	قیمت ۲ روپیہ
سیر الصحابیات	۲ روپے ۴ آنے
روح الاجتماع	۲ روپے
ابن رشد	۳ روپے
گل رعنا	۵ روپے
سیر الانصار حصۂ اول	۳ روپے ۸ آنے
سیر الانصار حصۂ دوم	۳ روپے ۸ آنے
شعرالہند حصۂ اول	۴ روپے
شعرالہند حصۂ دوم	۳ روپے

(جامعۂ ملیہ دہلی)

تاریخ نجد	۱ روپیہ
عربوں کا تمدن	۲ روپے ۸ آنے
تاریخ فلسفۂ اسلام	۲ روپے
تاریخ الدولتین	۲ روپے
سیرۃ الرسول	تیرہ روپیہ
خلافت راشدہ	۲ روپے
خلافت بنی امیہ	تیرہ روپیہ
خلافت عباسیہ	۲ روپے
خلافت عباسیۂ بغداد	۲ روپے
خلافت عباسیۂ مصر	۲ روپے
مبادی معاشیات	۱ روپیہ
دنیا کے بسنے والے	۳ آنے
قواعد عربی	۲ روپے
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم	۴ آنے
ترکوں کی کہانیاں	۴ آنے
تاریخ ہند قدیم	۱ روپیہ

(الناظر پریس لکھنؤ)

فسانۂ جوش	۱ روپیہ
مجموعۂ قصائد مومن	۱۲ آنے
گوتم بدھ	۳ آنے
مسالک النظر فی نبوۃ سید البشر	۴ آنے
حکایۃ لیلیٰ و مجنوں	۳ آنے
مقالِ فریب مغربی معمل خانے	۴ آنے
وکرم اروسی	۱ روپیہ ۸ آنے
فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنے

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

تاریخ عرب مجلد	۷ روپے ۸ آنے	دیوان جان صاحب مجلد	ڈیڑھ روپیہ
موازنۂ انیس و دبیر	۳ روپے	دیوان درد	۱ روپیہ ۴ آنے
مقدمۂ شعر و شاعری	۱ روپیہ ۴ آنے	دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)	ڈیڑھ روپیہ
اصول الدسخ	۶ آنے	خطوط سر سید قسم اول	۳ روپے
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ	خطوط سر سید قسم دوم	۲ روپے
اسرار رنگون	۱ روپیہ	فوٹو گرافی مجلد	۱ روپیہ ۸ آنے
خوان دعوت	۱ روپیہ	انتخاب زرین مجلد	۲ روپے
مصادری شوہر	۲ آنے	قصائد ذوق	۲ روپے
الاحسان	۸ آنے	مراثی میر انیس جلد اول مجلد	۱۰ روپے
ارض تہرین	۴ آنے	مراثی انیس جلد دوم قسم دوم	۸ روپے
حیات نظامی	۴ آنے	(تصانیف نور الٰہی و محمد عمر صاحبان)	
خضاب	۴ آنے	موجودہ لندن کے اسرار	روپیہ ۴ آنے
میلاد نبوی	۴ آنے	ناٹک ساگر (یعنی دنیا کے ڈراما کی تاریخ)	
فریاد امت	۳ آنے	مجلد ۳ روپے غیر مجلد	۲ روپے ۸ آنے
(نظامی پریس بدایوں)		تین ٹوپیاں	۸ آنے
قاموس المشاہیر جلد اول	۲ روپے	غدر کی صبح	۴ آنے
قاموس المشاہیر جلد دوم	۶ روپے	فراق	۸ آنے
[illegible] غالب مجلد	۱ روپیہ	بکھرے دل	۸ آنے
دیوان غالب مشرح مجلد	۲ روپے ۸ —		

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

انجمن ان مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو ، وہ بغیر ان سے دوبارہ دریافت کئے ، تیار ہوتے ہی ان کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے۔ ہمیں امید ہے کہ قدر دانان زبان اردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ ان کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کر لئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو، فوراً بغیر دریافت کئے روانہ کر دی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائےگی - ہمیں امید ہے کہ ہمارے وہ معاونین جو اردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں، اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے -

ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی -

---

رسالہ اُردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالۂ اردو ک خ ۱۰۰ ۶ ۱۰۰ ری اردو کی شائع کی ہوئی کتابیں ف سعد المشہر شعرا لہند حصۂ دوم روپیہ چار آنے کمی قیمت کے ساتھ دی جائیں گی - امید ہے کہ ناظرین اس رعایت فائدہ اٹھائیں گے -

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی -

المشتہر

منیجر انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)

اردو

۱ - یہ انجمن ترقی اردو کا سہ ماہی رسالہ ہے جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شایع ہوا کرے گا —

۲ - یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان اور ادب کے مختلف شعبوں کے پہلوؤں پر بحث ہوگی - حجم کم از کم ایک سو اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو صفحے ہوگا —

۳ - بنظر احتیاط رسالہ ذریعۂ رجسٹری بھیجا جاتا ہے —

۴ - قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپیہ کلدار (سات روپیہ محصول ڈاک وغیرہ آٹھ روپیہ سکہ عثمانیہ) —

۵ - تمام خط و کتابت مولوی عبدالحق صاحب بی اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن) سے ہونی چاہئے —

(باهتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اردو پریس اردو باغ اورنگ آباد دکن - میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اردو سے شایع ہوا

اُردو

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

اردو

جلد ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۳۰ ع حصہ ۴۰

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

فہرست مضامین

مبادیات فصاحت

از

جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ صاحب کیفی مدظلہ

یہ لکچر جناب کیفی صاحب نے عثمانیہ یونیورسٹی کلب میں اہل علم کی ایک اچھی اور ستھری صحبت میں دیا اور بہت پسند کیا گیا ۔ حضرت کیفی کی تحقیق اور نظر تنقید قابل داد ہے بیان کا لطف اس کے علاوہ ہے ۔ حضرت کیفی مغتنمات میں سے ہیں اور ان کا کلام (نظم ہو یا نثر) غور سے پڑھنے کے لائق ہے — (اڈیٹر)

ہر زمانہ میں بعض افراد اس خیال کے ہوتے ہیں کہ قاعدہ اور قانون فضول ہیں ۔ ان کے زعم میں مشق اور مادہ سب کچھ سکھا دیتی ہے — جمہوریت کا یہ جنون ادبیات پر آج کل از حد طاری ہے ۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ ادب کے حق میں تو بت شکن ہیں وہ پرانے بت توڑ کر اپنے نئے بت بناتے ہیں اور خلقت سے ان کی پرستش کا مطالبہ کرتے ہیں —

اس میں کلام نہیں کہ ہر عروضی اچھا شاعر اور ہر صرفی اچھا ناثر نہیں ہوتا ۔ لیکن اس سے عروض اور صرف سے واقفیت کی ضرورت زائل نہیں ہو جاتی ۔ متمدن جماعت کی مصروفیت کے ہر شعبے میں ضابطہ اور قانون کی ضرورت مسلم ہے ۔ ہاں قواعد فن اکثر آخری لفظ یا اتمام حجت پر منتہی نہیں ہوا کرتے — غرض و غایت علامہ "سکاکی" کی بڑی وہی تھی جو آج کسی کی ہو سکتی ہے ۔ لایعنیٔ عمل میں خواہ

اختلاف ہو لیکن اس سے قاعدے کی ہستی ساقط و باطل نہیں ہو سکتی - ذوق سلیم معمولی ذہن تیز تخیل اور سچے کاریگر ضابطۂ قدیم میں اصلاح و ترمیم ضرور ریںگے مگر قاعدے سے قطعاً منکر نہیں ہو سکتے - الفاظ کی بے جوڑ بندش معقولیت سے تہیدستی التزام تالیف کا عدم احساس حسن ترتیب کلمات کا فقدان - دقت اور نازکی کی کمی - تخئیل کی پستی اور فرومائیگی وغیرہ جو انشا کے نقایص ہیں مشق سے بہت کچھ رفع تو ہو جاتے ہیں لیکن اس سہولت اور وثوق سے نہیں کہ جب قاعدے سے بھی استفادہ ہو - اور یہ وہ عیوب ہیں جو مخاطب کے ذہن کو متکلم یا منشی کے ذہن کے قریب نہیں پہنچنے دیتے - قدما نے جو معایب کلام گنائے ہیں مثلاً تنافر کلمات ضعف تالیف تعقید لفظی و معنوی حشو و زوائد - تنافر کلمہ - ذو پہلو دور از کار اضافات وغیرہ ہم - یہ سب ان مدات میں ایک طرح سے موجود ہیں جن کا ذکر ابھی آیا ہے - ان کو خواہ زیادہ علحدہ سمجھئے یا سب وہ عیوب ہیں جو مخل فصاحت ہیں اور کلام کے منافی ہیں ان سے بچنا ہدایت کے بغیر ناممکن ہوتا ہے - ہدایت کا ماخذ استاد کی اصلاح ہو یا فن کی کتابوں کا مطالعہ - بات ایک ہی ہے —

متقدمین نے جو قاعدے علم معانی کی بحث فصاحت میں متعلق وضع کئے ان کا مطمح نظر زیادہ تر کلام کی لفظی حیثیت معلوم ہوتی ہے نہ کہ اس کی معنوی اہمیت - قاعدہ وہی مفید اور واثق ہوتا ہے جو سائنٹیفک یا علمی اصول کی میزان میں پورا اترے - اس کی توضیح کے لئے میں ایک نہایت معمولی بات پیش کرتا ہوں - وہ ہے اسم ذات اور اسم صفت کی ترتیب یعنی صفت و موصوف کی تقدیم و تاخیر کی طرف

آپ کو متوجہ کرتا ہوں - سوال یہ ہے کہ کلام میں صفت سے پہلے موصوف لایا جائے یا اس کا الٹ ؟ فرانسیسی اور فارسی زبانوں میں موصوف پہلے لایا جاتا ہے اور صفت اس کے بعد - انگریزی اور اردو میں عمل اس کے برعکس ہے - مثال کے لئے "اسپ مشکی" کو سمجھئے - یہ تو ہوئی فارسی کی ترتیب - اردو میں کہیں گے "مشکی گھوڑا" سطحی نظر کے نزدیک ان دونوں فقروں میں کوئی فرق نہیں پایا جاتا لیکن سائنس کی نظر میں فرق وجود ہے اور بڑا فرق ہے - علم نفسیات کی کی رو سے اس دو لفظی فقرے کا تجزیہ اس طرح ہوگا - جب "اسپ مشکی" یا "گھوڑا مشکی" سامعہ نے اخذ کیا تو سامع کا ذہن گھوڑے - محض گھوڑے کی طرف معاً راجع ہو گیا - اور چونکہ گھوڑے کی کوئی خصوصیت اس کے علم میں نہیں آئی ہے اس لئے کسی گھوڑے کی شکل ذہن پر اثر آفریں ہوجاتی ہے اغلبا سامع کا ذہن کُمیت یا سبزہ گھوڑے کی طرف جائے گا کیونکہ ان رنگوں کے گھوڑے عموما پائے جاتے ہیں اور روز مرہ دیکھنے میں آتے ہیں - نتیجہ یہ ہوا کہ جب لفظ "مشکی" ایزاد کیا گیا تو تخیل کی رفتار میں مزاحمت واقع ہوئی - یاتو کمیت گھوڑا کا نقش لوح تخیل سے مٹا کر اس کی جگہ مشکی گھوڑے کا نقش کھینچا گیا - یا اگر کمیت گھوڑے کا نقش ابھی مرتسم نہیں ہوا تھا تو اس ارتسام کا میلان روک دیا گیا - ان دونوں میں سے کوئی صورت ظہور پذیر ہو ان میں سے ہر ایک مزاحمت کی مقتضی ہے - اس کے برعکس اگر صفت کو پہلے اور موصوف کو بعد میں لائیں یعنی "مشکی گھوڑے" کہیں - تو مغالطے اور مزاحمت کا امکان نہیں رہتا - "مشکی" ایک مجرد صفت کا حامل ہے اور کسی خاص تمثیل کا خالق نہیں - وہ

ذہن کو اس عام معروض کے تصور کے لئیے تیار کردیتا ہے جو مشکوں رنگ کا ہے ۔ اور توجہ الگی رہتی ہے جب تک کہ وہ معروض معلوم نہیں ہو جاتا ۔ ان دو الفاظ کی اس ترتیب سے یعنی صفت کو موصوف سے قبل لانے سے ذہن کے فعل کے ساتھہ کوئی مزاحمت نہیں ہوئی ۔ نہ مغالطے کا امکان پیدا ہوا ۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ ترتیب زیادہ موثر یعنی فصیح ہے ۔ اسی طرح " جوان " اور " مرد " کی ترتیب پر نظر ڈالئیے اگر " مرد جوان " کہا جائے تو پہلے " مرد " کی صورت ذہن میں بیٹھے گی اور ذہن چونکے گا اس تلاش میں کہ مرد کس قسم کا ہے ؟ جوان ہے بوڑھا ہے یا ادھیڑ ہے ۔ یا مغالطے کا شکار ہوگا جب تک کہ " جوان " کا لفظ نہ آجائے ۔ لیکن " جوان مرد " کہنے سے یہ دقتیں رفع ہو جاتی ہیں ۔ اور ذہن کسی قسم کے اختلال اور تذبذب میں مبتلا نہیں ہوتا ۔ اس کو میں کہتا ہوں قاعدے کا سائنٹیفک اصول پر مبنی ہونا ۔ شاعر نے زندگی اور موت کی حقیقت اپنی طرز میں اس طرح بیان کی

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

اسی طرح سمجھہ لیجئے کہ فصاحت کیا ہے ؟ اجزائے کلام میں حسن ترتیب ہے ۔ اور انہیں اجزا کا پریشاں ہونا فقدان فصاحت ہے ۔

کہنا یہ مقصود تھا کہ تہذیب کے اور اداروں کی مانند زباں بھی ضابطے اور قواعد کی محتاج ہے ۔ اسلاف نہ تو اس حقیقت سے بیخبر تھے اور نہ بے پروا عوارض اور ضرورت کے مطابق انہوں نے فن انشا و تکلم کے قاعدے مدون کئے اب عہد حاضر میں اگر زبان کا ڈھانچ اور زمانے کی

ضرورتیں کچھ اور ہیں - زاویۂ نگاہ اور مطمح نظر بدل گیا ہے زیادہ وسیع ہوگیا ہے - کلام اور انشا کی غرض و غایت بھی تغیر پذیر ہے - عندیہ بھی منشی کا وہ نہیں جو پہلے تھا - تو کیا پرانا ضابطہ تقویم پارینہ ہوگیا ؟ یہ ایک قسم کی حوش فہمی ہے - اور کیا کہوں - ریاضی اور ہیات کے عالم سے پوچھو وہ کس طرح قدیم پارینہ کو حرز جان بنا کر رکھتا ہے - تازہ مشاہدات اور تحقیقات سے اس پر حاشئے چڑھاتا ہے اور اس کی مدد سے نئی تقویم مرتب کرتا ہے - اسی طرح زبان کے ان قواعد اور ضابطوں کو سامنے رکھ کر آپ نئے قاعدے انشا اور تکلم کے وضع کرسکتے ہیں اور زبان کے ضابطے کو معقولیت اور سائنس کا جامہ پہنا کر اس سے ہر کام لے سکتے ہیں - پرانی اچکنوں کے کپڑے پھینک نہیں دئے جاتے - ان میں سے کچھ تو گرم کپڑوں کے نیچے شعار کی طور پر استعمال ہوتے ہیں اور کچھ نمونے کے لئے درزی کو دئے جاتے ہیں کہ وہ اس تہذیبی شیروانی کے مطابق اس گرم کپڑے کی شیروانی تیار کردے - عام انسانی زندگی کا یہ اصول مہذب تمدن کے تمام شعبوں پر عاید ہے - جو لوگ اس سے نظر انداز کرتے ہیں وہ مصلح نہیں بلکہ تباہ کار اور ہنگامہ پرداز ہیں —

سوال کے دوسرے پہلو پر بھی نظر ڈالنی لازم ہے جہاں دنیائے اردو میں ایسے اصحاب پیدا ہوگئے ہیں جو کسی قاعدے یا ضابطے کے پابند ہی نہیں - وہبیت کا جن ان کے سر پر ایسا سوار ہے کہ ان کی گردن کسی اصول اور ہدایت کے سامنے خم ہونے والی ہی نہیں ہوتی - ایسے اصحاب بھی علقا کا حکم نہیں رکھتے جو قدیم ڈھرے اور دستور العمل میں سرمو تبدیلی اور ترمیم کو کفر و ارتداد کا مرادف سمجھتے ہیں - ان کا ادبی

جبر و استبداد سیاسی جبر و استبداد سے کم نہیں - یہ ادبی سخت جان اور سخت گیر بیں زبان کے حق میں ایک طرح کا مزمن مرض ہیں - ان میں اور ان میں فرق وہی ہے جو دق اور طاعون میں ہے - دونوں ادب کی جان کے لاگو ہیں —

ان جملہ امور واقعی کو مد نظر رکھ کر اردو کی ترقی اور زبان کی توسیع متقاضی ہے کہ قدیم ضابطہ کا جایزہ لیا جائے - زمانے کے تغیر اور ضروریات حالیہ کا لحاظ رکھا جائے مستقبل کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے - منقول اور سند کے مقابلے میں معقول اور سائنس کو جگہ دی جائے - اور ایسا ضابطہ مرتب کیا جائے جو مفہوم خاص و عام ہونے کی وجاہت رکھتا ہو * ان امور کو پیش نظر رکھ کر میں نے آپ کے لئے یہ موضوع انتخاب کیا - یعنی " مبادیات فصاحت " اور میں سمجھتا ہوں کہ حیدرآباد اس کے لئے نہایت موزون مقام ہے - وہ مقامی جذبات سے مبرا ہے - دوسرے صوبوں کی ہنگامہ خیزی اور زبان کے خلاف بیراہ روی سے معصوم ہے —

جو کچھ عرض کیا گیا اور جو اب گزارش ہوگا وہ ان صاحبوں کی طرف خطاب ہے جن کے دل میں اردو کی ترقی اور توسیع کی چھٹک ہے - جو اصلاح اور ترمیم ضروری کو ایک فعل مسلمہ یقینی کرتے ہیں - جن حضرات کو ان امور سے دلچسپی نہیں اور جو اپنی بےبضاعتی کو آزادگی اور بیقاعدگی کا خلعت فاخرہ پہنانا چاہتے ہیں ان کی طرف میرا روئے سخن نہیں - یہ شعران کے حسب حال ہے —

ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی
دل چاہتا نہ ہو تو زبان میں اثر کہاں

نظریۂ فصاحت قدیم - کہنر سننے میں آتا ہے کہ فلاں شخص افصح الفصحا

اور ابلغ البلغا ہے - یعنی اس کا کلام فصاحت کی جان اور بلاغت کی روح و رواں ہے - عام لوگ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں لیکن فصاحت اور بلاغت کا اصلی مفہوم ان کے ذہن سے اتنا ہی دور ہوتا ہے جتنا قطب شمالی سے قطب جنوبی - وہ سہل - سلیس اور با محاورہ کو فصاحت کی تعریف سمجھتے ہیں اور دبیز بلند آہنگ و مغلق اور مشکل کلام کو بلیغ جانتے ہیں - لیکن خواص کے ذہن میں صرف حقیقت و مجاز - تشبیہہ و استعارہ تعریض کنایہ اور ایجاز و اطناب وغیرہ صنایع بدایع بلاغت کا مدلول ہوتے ہیں - وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بلاغت کے لئے فصاحت پہلی شرط ہے —

ایک فلسفی کا قول ہے کہ دنیا میں سجاوٹ کو افادیت پر غلط ترجیح دی جاتی ہے - شعور کا یہ نقص ادب پر بھی اسی طرح حاوی ہے جس طرح تہذیب تمدن کے دوسرے اداروں پر - کلام میں صحت اور تاثر کا لحاظ کم رکھا جاتا ہے - بناؤ چناؤ اور نمود نمائی پر اکثر و بیشتر نظر رہتی ہے - مذاق کی سلامتی اور زبان کی صلاحیت کے تحفظ کو مد نظر رکھ کر قدیم زمانے میں ادیبوں نے قاعدے مقرر کئے اور فلسفۂ انشا مدون کیا - اردو میں یہ قاعدے فارسی سے آئے اور فارسی میں عربی سے - لیکن اصل ماخذ اہل عرب کے دل و دماغ کا مولود نہ تھا بلکہ اہل عجم کا - یہ ایک نہایت دلچسپ منظر ہے کہ ان بزرگوں نے جو عربی نژاد نہ تھے اہل عرب کی زبان میں اور عربی سے متعلق محاسن و معائب سخن پر قواعد وضع کئے اور کتابیں لکھیں —

فارسی میں سب سے پہلے سراج المحققین علامۂ سراج الدین علی خاں آرزو نے علم معانی و بیان پر دو مختصر کتابیں تالیف کیں ان کے نام ہیں

عطیۂ کبریٰ " اور " موہبت عظمیٰ " - اس کے بعد میر تقی کا اردو کا تذکرہ " نکات الشعرا " نکلا جس میں شاعروں کے کلام پر جا بجا تنقیدی حاشیوں میں فصاحت کے بعض نکات واضح کئے گئے - میر سراج الدین علی خان آرزو کے عزیز اور ادبی تلمیذ تھے - نکات الشعرا کی تنقیدوں سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ اب تک ادب اور شعر کے متعلق عربی اور فارسی میں جو ہدایتیں جاری ہوچکی تھیں وہ سب یا ان میں سے اکثر اردو پر عاید ہیں - اسی زمانے میں مرزا قتیل کی کتابیں ستین " چار شربت " اور " نہرالفصاحت " وغیرہ لکھیں - دو کتابوں کا نام لینا اس تشکیک کی نفی کرتا ہے کہ اب تک قدما اور متوسطین نے ادب اور بیان پر جو کچھ لکھا وہ اردو پر حاوی ہے یا نہیں ؟ وہ بھی سیدانشا کی " دریائے لطافت " اور مولانا صہبائی کا ترجمہ "حدایق البلاغت" - حدایق البلاغت کا ترجمہ اردو زبان میں ہے اور مثالیہ اشعار بھی اردو کے ہیں - " دریائے لطافت " اگرچہ اس زمانے کے دستور کے مطابق فارسی میں لکھی گئی لیکن اس کتاب کو اردو میں سید انشا کی اولیں کتاب تسلیم کرنا چاہئے - زبان‌دانی کے بنیادی اصول اور قاعدے سیدانشا نے قرار دئے ان کی تشریح کی اور تمثیلوں سے اپنے عندیے کو واضح کیا - لیکن کہنا پڑتا ہے کہ فصاحت کا جہاں تک تعلق ہے سید انشا کیا آج تک کوئی بھی اس مقام سے ادھر ادھر نہیں ہوا جہاں " سکاکی " اور " قزوینی " مقیم ہوے وہی " الفصاحت یوصف بہاالمفرد و الکلام والمتکلم " کے ترجمے ہر کہیں دیکھنے میں آتے ہیں—

اس ضمن میں صرف دو امور کی طرف توجہ دلا کر اصل مطلب پر آؤں گا - اول یہ کہ عربی کی جن کتابوں میں فصاحت کا تذکرہ آیا ہے وہ اگرچہ عجمیوں نے تصنیف کیں لیکن ان کا مطمح نظر عجم نہیں بلکہ عرب تھا اور چونکہ

اهل عرب قدیم الایام سے فن خطابت میں طاق تھے اس لئے لابد تھا کہ منشی پر خطیب کو ترجیح ہوتی ۔ فصاحت میں تثلیث کا مسئلہ یعنی فصاحت سہ گانہ کا وجود اس کی توثیق کرتا ہے " فصاحت متکلم " سو زبان سے اس کی شہادت دیتا ہے کہ علم معانی و بیان پر جو کتابیں مشہور ہیں ان میں مقدمہ کی ذیل میں فصاحت کے متعلق جو کچھہ درج ہے وہ زیادہ تر خطابت پر عاید ہوتا ہے نہ کہ انشا پر ۔ اگر چہ وہ جو کچھہ بھی ہے انشا کے بارے میں اس سے بہت کچھہ استفادہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن اس سے فصاحت کی جامع و مانع تعریف مستنبط نہیں ہوسکتی اور وہ تعریف تعریف کہے جانے کی مستحق نہیں جس میں یہ دونوں صفتیں موجود نہ ہوں ۔ منطق کی رو سے تعریف جامع و مانع ہونی چاهئے ۔ یہاں صرف یہ پچھلی صفت هی پائی جاتی ہے یعنی وہ کلام فصیح ہے جو ایسا اور ایسا نہو ۔ جس میں تنافر نہ هو ۔ ضعف تالیف نہ هو ۔ تعقید نہ هو وغیرہ وغیرہ —

دوسرا امر ہے " فصاحت کلمہ " ۔ اس میں تنافر حروف و غرابت وغیرہ کی ممانعت کا ذکر آیا ہے ۔ اور مثال میں " مستشزرات * " پر اعتراض کیا گیا ہے ۔ میرا گمان ہے کہ وہ فاضل مولف اس لمبے کی اتنی چھان بین نہ کرتے اگر خطیب اور خطابت ان کے ذهن پر مسلط نہ ہوتے۔ میں یہ نہیں کہونگا کہ اگر یہ لغت صرف عربی کے طابق صحیح ہے اور اهلل کی طرح متروک بھی نہیں قرار دیا گیا ' اسلوب بیان کے اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے بھی صحیح محل پر استعمال ہوا ہے ' تو پھر

---

* امرو القیس کا شعر ہے غدائرہ مستشزرات الی العلی -- تضل العقاص فی مثنی و مرسل —

اس میں کیا فیہ نکل آئی ؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس لفظ کی جگہ امرءالقیس " مسترزعات " لکھہ دیتا تو بہتر تھا ' تو اسے زیادہ سے زیادہ ترقی کہا جائی کا نہ کہ اصلاح - لیکن ان فاضل مولفوں نے " مستشزرات " کے بدلے کوئی اور لفظ تجویز فرمانے کی زحمت نہیں اٹھائی - چونکہ یہ شعر فصاحت بلاغہ کے تذکرے میں اس لفظ کی وجہ سے بہت بدنام ہے اس لئے میں نہایت ادب سے یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ وہ بزرگ اگرچہ زبان عربی کے جید عالم تھے لیکن صاحب قاموس کی طرح اہل زبان نہ تھے - اس وجہ سے " مستشزرات " پر یہ اعتراض کر گئے - ممکن ہے میں غلطی پر ہوں - جہاں تک میں سمجھا ہوں اعتراض حرف شین کی وجہ سے ہوا یعنی " ش " جو مہموسہ رخوہ ہے درمیان " ت " کے جو مہموسہ شدید ہے اور " ز " کے جو مجہورہ معجمہ ہے آگیا ہے اس سے ثقل تلفظ کا گمان ہوا - لیکن مجھے اس استدلال پر اعتراض ہے کیونکہ " راے مہملہ " بھی تو مجہورہ ہے مثل " ز " کے - کہا گیا ہے کہ حروف قریب المخارج کے اجتماع سے بھی ایسا ثقل پیدا ہوتا ہے جو مخل فصاحت ہے - اسی بنا پر اس آیت میں " الم اعہد * " میں کہا گیا کہ ایسا ثقل ہے جو تنافر کے قریب اور فصاحت کلام کے مخل ہے - مگر اصل میں ایسا نہیں ہے - اس کی تکمیل کے لئے " الاتقان " کا مطالعہ ضروری ہے - اگر ایک لمحے کے لئے مذہبی تقدس سے نظر ہٹا کر محض ادبی نگاہ قرآن مجید پر ڈالی جائے تو ثابت ہوگا کہ اس کا لفظ لفظ فصاحت کی روح و رواں ہے - ایسی تعریفوں سے جن کا نقص ظاہر کر چکا ہوں متاثر ہو کر ایک

---

* سورۂ یسین

صاحب نے اعتراض کر دیا کہ " دوح یوحبط * " میں تنافر حروف ہے - یہ اور ایسے معترض حروف کے مخارج کی حقیقت سے جاہل مطلق ہیں - الف اور عین ' ہائے ہوز اور حائے حطی کی صحیح اور حقیقی آواز ادا کرنے سے ان کے آلات نطق عاری ہیں - جب اس بارے میں اہل زبان کو بھی مغالطہ ہو جاتا ہے پھر غیر اہل زبان کا تو ذکر ہی کیا ہے —

دیکھا جاتا ہے کہ آجکل طبایع زیادہ ذکی الحس ہیں - علل سے بحث نہیں - یہ واقعہ بدیہی ہے کہ عہد حاضر میں ہر امر میں خواہ وہ معشرت یا مالیات سے متعلق ہو یا دینیات و ادبیات سے ' لوگوں کے ذہن زیادہ حساس ہوگئے ہیں - اس خوف سے میں صرف یہ عرض کرونگا کہ اہل زبان ہی اپنی زبان کے کلام یعنی عبارت اور الفاظ کو صحیح انداز اور لب لہجے سے ادا کر سکتے ہیں - غیر اہل زبان اس زبان کا خواہ کتنا ہی عالم اور مصنف کیوں نہ ہو اس کے آلات نطق لب و لہجے کی صحت اور طرز ادا کی قدرتی شستگی پر حاوی نہیں ہوسکتے -

آیا فصاحت کا تعلق جیسا کہ متقدمین نے زور دیا ہے کلمہ کی ذات سے ہے ؟ یہ مبحث ابھی تشنہ ہے - آگے ذکر آیا ہے کہ فارسی میں سب سے اول خان آرزو نے اہل ہند کو علم معانی اور اس کے رموز سے آشنا دیا - ممکن ہے اہل فارس نے اس موضوع پر اپنی زبان میں کچھ لکھا ہو لیکن وہ ہم تک نہیں پہنچا - خان موصوف " عطیہ کبری " کے دیباچے میں فرماتے ہیں :—

و ہر گاہ کہ نظر بر کتب قدیمہ و جدیدہ می افتاد کتابے

---

* سورۂ ہود —

در علم بیان کہ یک جزو فصاحت ست در فارسی
بہ نظر در نمی آید ۔ ۔ ۔ پس این رسالہ اول کتابے
است کہ از آسمان فکر بلند بہ زمین شعر فارسی
نازل شدہ " —

پھر انھوں نے دوسرا رسالہ "موہبت عظمیٰ" لکھا ۔ جس کو علم معانی سے متعلق سمجھا جاتا ہے ۔ ان کے مندرجات و مطالب کے حدایق السحر اور دوسری عربی کتابوں سے ماخوذ ہیں جیسا کہ عربی کتابوں میں التزام تھا اس کو تقلیداً خان آرزو نے بھی کی ۔ یعنی فصاحت کا ذکر ضمناً اور مجمل طور پر دیباچہ میں کردیا ہے جو بعینہ وہ "تلخیص" سے کچھ زیادہ ہی ہے چونکہ "بلاغت" کو زبان سے نکلنا پڑا تھا کہ کلام بلیغ کے لئے فصیح ہونا لازمی ہے اس لئے انہیں اور ان کے متعاقبین کو چند لفظ فصاحت کی نذر کرنے پڑے ۔ نمایش فصاحت کا نظریہ بس اتنا ہے :-
فصاحت کلمہ ۔ فصاحت کلام ۔ فصاحت متکلم ۔ ان اجزائے نمایش کی تعریفوں میں سب کا اتفاق ہے —

۱ ۔ فصاحت کلمہ ۔ خلوص اوست از تنافر حروف و غرابت و مخالفت قیاس لغوی ۔

پہلی خرابی یہ واقع ہوئی کہ محض فصاحت کی تعریف کی طرف کسی کا ذہن راجع نہ ہوا ۔ فصاحت کلمہ، فصاحت کلام اور فصاحت متکلم یہ تینوں اضافی ترکیبیں ہیں ۔ کلمہ کی تعریف صرف میں اور کلام کی تعریف نحو میں آجاتی ہے ۔ اس لئے ضروری نہ تھا کہ ان کی تعریفیں وضع یا نقل کی جاتیں ۔ کیونکہ صرف و نحو کا علم ان کتابوں کے مطالعے سے پیشتر ہونا لابد ہے ۔ اگر یہ کسی کے خیال میں نہ آیا کہ اتنا تو فرمادیتے

که فصاحت اسے کہتے هیں - ان مرکبات میں فصاحت هی اهم اور جزو اعظم هے اور اسی کی اصطلاحی حیثیت بتانے سے احتراز کیا گیا - لغت کی کتابوں نے اس لفظ کے معنی بتائے هیں :- " کشادہ سخن گفتن و تیز زبانی و خوش گوئی " - مگر ایک لفظ جب اصطلاحی حیثیت حاصل کر لیتا هے تو اپنے لغوی معنی سے کم و بیش دور هو جاتا هے - یہ ایک بدیہی امر هے —

خیر ' اب فصاحت کلمہ کو لیجیے - اس کی تعریف جو کچھ بھی کی گئی هے وہ محض مانع هے - یعنی تنافر حروف غرابت اور مخالفت قیاس لغوی کا نہ هونا - اس کلمہ کو فصیح کہا گیا جس میں یہ تین عیب نہ هوں - پھر فصاحت کلمہ کی ان تینوں شرایط کی تعریف یوں کی گئی —

(ا) تنافر ان حروف کے اجتماع کو کہتے هیں جن کا تلفظ طبع سلیم پر دشوار هو - اسے ایک ذوقی امر بتا یا گیا هے —

(ب) غرابت کی نسبت کہا گیا - وہ کلمہ جو غیر مانوس الاستعمال هو یعنی جسے اهل زبان استعمال نہ کرتے هوں —

(ج) مخالفت قیاس لغوی کی نسبت فرمایا گیا کہ ایک کلمے کا قاعدے ' قانون اور محاورے کے خلاف لانا - اس کی کئی قسمیں هیں —

(ا) شعر کا وزن یا قافیہ درست کرنے کو کلمے میں تغیر کرنا جیسا اس شعر میں کیا هے :-

آب انگور و آب نیلوفل - شد مرا از عبیر و مشک بدل - نیلوفر کی " ر " کو " ل " سے بدل دیا تاکہ قافیہ درست رهے —

شاعر اس شعر کو اس طرح کہہ دیتا تو بہتر تھا :-

آب انگور و آب نیلوفر - بدلم شد ز مشک و از عنبر - تو مطلب پورا هو جاتا اور مخالفت کا نقص بھی نکل جاتا —

(۲) کلمے کا بے موقع استعمال - جیسے " توڑنا " کی جگہ " پھوڑنا " کہنا

اس فقرے میں :- اس کی باتیں سن کر میرا دل توت گیا - یہاں توت گیا کی جگہ پھوت گیا کہا جائے تو مخالفت کا نقص عاید ہوتا ہے - اسی طرح اس جملے میں - " ساجھے کی ھنڈیا چوراھے پر پھوتا کرتی ھے " پھوتنا " کے بدلے " توتنا " کہنا ویسا ھی ھے جیسا پہلی مثال میں پھوتنا تھا —

(۳) الف اشباع جو بعض کلموں کے آخر میں ضرورت شعری کی وجہ سے بڑھا دیا جائے - جیسے نظامی نے اس مصرع میں " کاغ " کو " کاغا " باندھا ھے (ع) بسا کاغا کہ محمودش بدا کرد - زیادہ تفصیل غیر ضروری ھے —

میں یہ عرض کروں گا کہ کاغ کو کاغا کہنا غلط ، دل توت گیا کو دل پھوت گیا کہنا غلط ھے - اسی طرح تعبیر یا تقلیب وغیرہ سے کلمے کی ھیئت بدل دینا غلط اور ممنوع ھے - جو شخص 'رحیم بخش' کو 'حریم‌بسک' اور 'قادر' کو 'کادر' کہتا ھے وہ غلط اور مہمل الفاظ بول رہا ھے —

اب یہ دیکھنا ھے کہ فصاحت کلمہ کی جو تعریف قرار دی گئی معقولیت کے کس درجے میں رکھی جاسکتی ھے ؟ اس بارے میں یہ جتانا ھے کہ کوئی کلمہ جو علم صرف کے قواعد سے مطابقت رکھتا ھے اپنی لغوی حیثیت میں فصیح یا غیر فصیح نہیں ٹھیرایا جاسکتا - ھاں اس کا مناسب یا غیر مناسب استعمال یا صرف ھی وہ عمل ھے جو اسے یعنی اس کے استعمال کو فصیح یا غیر فصیح بنا سکتا ھے - اور یہ صرف یا استعمال کلام سے تعلق رکھتا ھے - کیونکہ جب ایک جملے یا فقرے میں کسی کلمے کا استعمال ھوا تو بداھۃً کلام کی ھستی پیدا ھوگئی - لہذا فصاحت یاغیر فصاحت کا اطلاق کلام پر ھوا نہ کہ کلمے پر - اگر آپ وضو کے مسئلے کو فقہ کی کسی کتاب میں مطالعہ کررھے ھوں یا اس سے متعلق تحریر کریں تو جوربین کا کلمہ ضرور استعمال ھوگا اور وھاں وہ

کلمہ ہرگز غیر فصیح نہ ہوگا - لیکن اگر آپ غزل میں یہ لفظ استعمال کریں جیسے پیرہن ، آنچل ، نقاب ، دامن اور گریباں کا ذکر ہوتا ہے تو یقیناً یہ صرف اس کلمے یعنی چوریں کا بے محل ہوگا اس لئے غیر فصیح - یہی حال ان کلمات اور مرکبات کا ہے جو غالب اور ناسخ کے پہلے کے کلام میں پائے جاتے ہیں یعنی ان کی غزلوں میں - اگر ان میں سے اکثر قصیدے یا نثر میں صرف کئے جاتے تو مضایقہ نہ تھا —

جو لفظ متروک ہو چکے ہیں وہ گویا زبان سے خارج کردئے گئے - لغات میں جو وہ پائے جاتے ہیں تو اس غرض سے کہ متقدمین کا کلام سمجھنے میں مدد ملے - اب میں فصاحت کلمہ کے نظریہ کا تجزیہ پیش کرتا ہوں - پہلی خامی اس نظریہ میں یہ نظر آتی ہے کہ جہاں تک فارسی یا اردو کا تعلق ہے متقدمین یا متاخرین نے کلمے میں تنافر حروف کی مثال پیش نہیں کی جس سے ان کے عندیہ کی وضاحت ہوتی - لیکن صاحب غیاث اللغات نے اس بارے میں طبع آزمائی کی ہے فرمایا ہے جیسے شمع علم ، صدق قول میں ثقل تلفظ ہے - اول تو مجھے اس کو کلمہ تسلیم کرنے میں کلام ہے - یہ دونوں مرکب وہ نوعیت نہیں رکھتے جو غیرت گفتار یا سخن شناس کی ہے - بلکہ شمع علم اور صدق قول ایک کلام کے دو ٹکڑے ہیں جو اس میں سے قطع برید کر کے الگ دکھائے گئے ہیں - شمع اور صدق ، علم اور قول کو ضرور کلمہ کہا جائے گا - ان مرکبات کی مستقل حیثیت نہیں - بفرض محال اگر صاحب غیاث اللغات کا یہ ادعا مان بھی لیں تو ان کے مذہب کے مطابق مثلاً قصص اور اساس وغیرہ سینکڑوں عربی اور فارسی الفاظ کلام سے خارج کردینے پڑیں گے ؛ اور خود ان کی کتاب کا نام یعنی غیاث اللغات انہیں کے قول کے مطابق فصاحت کلمہ کے متبائن ٹھیرے گا' کیونکہ اس میں دو لام پے در پے آگئے جیسے صدق قول میں

فصاحت یا غیر فصاحت کا اس میں دخل ہی کیا ہے —

اگر فصاحت کلمہ کے اس نظریہ کو جس کی تشریح ہوچکی ہے مسلم اور سوکہ مانا جائے تو آپ ہی فرمائیں ایران اور ہندوستان کے ان نامی استادوں کے حق میں کیا فتوی دیا جائیگا جو فرماگئے ہیں :—

لنگنت کر ترا کند فربہ

سیر خوردن ترا ز لنگن بہ

نہ در ان دیدہ قطرۂ پانی

حکیم سنائی نے "لنگن" کا کلمہ فاقہ کے معنی میں استعمال کیا ہے — جیسا کہ ہندی میں ہوتا ہے — "قطرۂ پانی" پر بھی نظر رہے —

" عرفی " فرماتے ہیں :—

درچاشت کہ از شبنم گل گرد فشان است

آن باد کہ در ہند در آید جکر آید

اس شعر میں جھکڑ (آندھی) کو ایرانی لہجے میں "جکر" کہا ہے اور ارشاد ہوا ہے —

کہت خوانت زہرۂ قوال و مکی رانت زحل

آدارت ابر نیسان و خواصت آفتاب

اس شعر میں "کہت" اور "مکی" یعنی مکھی کا راگ حسن سماعت چاہتا ہے —

" سالک " کا شعر ہے :—

سیر گشتم ز دھوپی ایام   ہوس جوان بیم و زر نہ کنم

ہندی فارسی کی اس کھچڑی کی قبولیت کو ملاحظہ فرمایئے اور کسرۂ

اضافت کا بھی خیال رکھئے —

از سخن تاثیر ما از لفظ ہائے انتخاب
بستہ ہائے خوش قماش پرزانک آوردہ است

" انک " وہ نشان ہے جو ہندوستان میں کپڑا بنانے والے یا بزاز تھانوں وغیرہ پر بنتے یا چھاپ دیتے ہیں - یہ سنسکرت کا لغت ہے - اس کے معنی ہیں نشان' پتہ - سنسکرت میں خدا کے ناموں میں "نرانکار" بھی آیا ہے - اس کے معنی ہیں پہچان کی نشانی نہ رکھنے والا - آج کل قماش کے ' انک ' کو ' مارکا ' کہتے ہیں —

امیر خسرو کے ہاں آیا ہے —

ہمہ راز نوک مژگاں زدہ بر جگر کٹارہ

مرزا صاحب نے اضافت سے اس ہندی لفظ کٹارہ کو اور بھی اپنا لیا - فرمایا ہے :-

دلیر میرزی از پے سیاہ را چشماں
دلیر میروی از نگہت بر جگر کٹیا ملدہ است

مرزا غالب نے فرمایا :-

سر پر چڑھنا تجھے زیبا ہے پرائے طرف کلاہ
مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا نمبر سہرا

بعض اہل عملہ انگریزی لفظ ' نمبر ' کو ' لمبر ' بھی کہتے اور لکھتے ہیں جیسے رجسٹروں کے اول خانہ کا عنوان لمبر شمار - اور مرزا صاحب کے فارسی دیوان میں ہے :—

ارے نہ ' چک ' بود نہ تمسک زھر نہ ھست
نے دستخط نہ مُہر نہ نام و نشان اوست

مضمون شعر ' نوٹ ' بود فی زماننا
یعنی بد ست هر که بیفتاد آن اوست

اس کے باوجود که مرزا قتیل معه اپنی معانی و بیان کی کتابوں کے اتنے نرس لکھنو میں رهے شیخ ناسخ نے فرمایا :—

ترے رخسار تاباں کا کبھی جو عکس پڑتا ہے
' فریم ' آئینه کی بنتی ہے هاله ماہ کامل کا

" فریم " اور ' ہے هاله ' قابل ملاحظه ہے —

ذوق کا ارشاد ہے :—

' پکارے ' سب که ' قواعد ' ہے فوج کی شاید
که " فیرا ُترا " رهے هر صف میں هیں قطار قطار
" لال کتاب " اپنی اب بادهٔ لاله رنگ ہے
میکدہ اپنے واسطے مدرسهٔ فرنگ ہے

آپ گھبرائیں نہیں ' میں اور مثالیں مخالفت یا غرابت کی پیش نہیں کروں گا - خلاصه یه که وہ سکا کی هوں یا رشیدالدین و طواط ' خان آرزو هوں یا مرزا قتیل اُن کا اجتہاد نه استدلال کی میزان میں پورا اترتا ہے نه اساتذهٔ ایران و هندوستان کے عمل کی رو سے قابل تسلیم ٹھیرتا ہے—

اس فصاحت کلمه کے فتوے نے ایک بدعت شنیعه همارے ادب میں لاکر داخل کردی ' خاص کر نظم میں - شعرا کا مطمح نظر صاف کلمهٔ مفرد رہ گیا اور کلام و تخیل پس پشت ڈال دئے گئے - جہاں الفاظ پر غیر ضروری زور اور تاکید کا درہ لگایا گیا وهاں یہی نتیجه ظہور میں آیا - اس لفظی فصاحت کے منتر نے عہد تیمور میں جو گت انگریزی لٹریچر کی بنائی تھی وهی حالت متاخرین کے زمانے میں اردو شاعری خاص کر لکھنو کے ایک خاص طبقے کی بن

گئی تھی - یعنی متکلم کی تمام و کمال توجه کلام سے هٹ کر کلمه پر مرکوز هوگئی - اس زمانے میں انگستان میں تو ایک شخص ایسا وسیع النظر پیدا هو گیا جس نے کلمه کے ساتھه کلام کا بھی لحاظ رکھا یعنی جان ملٹن - لیکن هندوستان میں کلمه اور مفرد کا جادو ایسا چلا که آج تک کلام اس کی بھول بھلیاں میں چکر کھاتا هے -

الفاظ کا تقابل اور مناسبت کا جنون بھی اسی ذیل میں آتا هے جو منشی اور متکلم کے هاتھه سے تخیل اعلی کا سلسله چھڑا دیتا هے اور کلام صرف الفاظ کا گورکھه دهندا رہ جاتا هے - یه ساری خرابی دلی والوں نے جن میں خان آرزو اور مرزا قتیل کا بڑا حصه هے لکھنو کی زرخیز سر زمین میں جاکر پھیلائی اور پھر یه ادبی بدعت کشش باز گشت کے قانون کے تحت خود دهلی پر بھی عاید هوگئی - آج کل کے اکثر لوگوں کو اپنے زعم میں کلام کی آراستگی کا یه سهل لٹکا هاتھه آگیا هے - جیسا که سیاسیات کا اصول هے که ایک موقع جو خود بخود پیدا هو گیا هے کیوں نه اس سے فایده اٹھا لیا جائے - یہی اصول آج کل ادبیات پر حاوی هے - هینگ لگےنه پھٹکری رنگ چوکھا آے - گیتا کے فلسفه عمل پر اس هدایت کے ساتھه اتمام حجت کیا هے که جو عمل تمهارا فرض هے اسے انجام دئے جاؤ اور اوس کے ثمرے کے پھیر میں نه پڑو - اسی سے طرح لوگ اچھے اچھے کلمات - شاندار ترکیبیں - بلند آهنگ لغات استعمال کرتے هیں - بھئی اس سے مطلب کیا نکلا ؟ اس کلام کا ماحصل کیا هے ؟ یه سب اگر کہیں هے تو شاعر کے بطن میں - یعنی ذی رعب کلمات استعمال کئے جاؤ کلام کی خوبی سے غرض نہیں - جب هی تو مولانا صہبائی نے تائید کی -

"مدار حسن قبول بر فصاحت کلام است *"

---

* قول فیصل - مولفه مولانا امام بخش صہبائی دهلی -

کلموں کے تقابل و تناسب وغیرہ کے بارے میں موصوف کا شائیا نہ لہجہ بھی قابل غور ہے - فرمایا ہے :-

"پائے بند مناسبات شدن و آ نگاہ بر این قدر کہ کامے بے مراعات آں بو ندارند و لقمۂ بے ملاحظۂ آں در دھن نہ گزرانند پائے سعی را لنگ ماندہ سخن را تنگ گردانیدن است" *

یہاں ایک جملۂ معترضہ ذہن میں آیا جس کا ذکر اگر چہ فصاحت کلمہ کی ذیل میں تو نہیں آتا لیکن فلسفۂ کلمہ سے اس کا بہت تعلق ہے - اس لئے اس کا مجمل تذکرہ کئے دیتا ہوں - بعض کا خیال بلکہ یقین ہے کہ فارسی یا عربی الفاظ کا استعمال کلام میں زور پیدا کر دیتا ہے - خدا معلوم وہ لوگ زور سے کیا مراد لیتے ہیں - ایک ریل کا انجن لمبی ٹرین کو کھینچ کر بھاگے جاتا ہے اور جلدی سے منزل پر پہنچا دیتا ہے - یہ ہوئی - ایک بات - آپ کسی کام کو گھر سے نکلتے ہیں - راستہ میں آپ کو ایک گھوڑا نظر آتا ہے جس کا رنگ نہایت ہی دل فریب ہے بدن ایسا سڈول کہ سانچے میں ڈھلا ہوا مور کی سی ٹھمک چال ہے - رگ وریشہ میں بجلیاں بھری ہوئی ہیں - اٹکھیلیاں کرتا جارہا ہے - آپ ٹھہر جاتے ہیں اور اس گھوڑے کو دیکھتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ دکھائی دیتا - اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس انجن میں زور تھا یا اس گھوڑے میں - آپ ذہن مبارک کو ضغطے میں نہ ڈالیں - میں جلدی سے کہے دیتا ہوں کہ انجن میں بھی زور ہے اور گھوڑے میں بھی - مگر میں ایک زور کو جناتی کھولتا اور دوسرے کو مادرتی - کیونکہ

---

* قول فیصل - مولفہ مولانا امام بخش صہبائی دہلی

انجن کا زور اضطراب آگیں ہے اور گھوڑے کا زور سکون آفریں - اگر آپ اس گفتگو کو اقلیدس کی ایک شکل کے دعوے کی حیثیت دیں تو ثبوت میں چند شعر اساتذۂ کرام کے سنئے جن میں مشکل سے دوتین فارسی یاعربی الفاظ واقع ہوئے ہیں - بلکہ انہیں فارسی یا عربی نہیں اردو ہی کہنا چاہئے ناخواندہ شخص بھی انہیں سمجھتا اور بولتا ہے —

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

" مومن " کے اس شعر میں صرف ایک فارسی لفظ " گویا " آیا ہے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

" ذوق " کے اس مطلع میں ایک لفظ بھی فارسی یا عربی کا نہیں آیا —

وہ نہیں بھولتا جہاں جاؤں ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں

" ناسخ " کے اس شعر میں بھی فارسی عربی کا کوئی لفظ دخل نہ پا سکا —

دیکھ کر ان کو جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

غالب کے اس شعر میں رونق - حال بیمار یہ تین لفظ آئے انہیں جو چاہئے سمجھ لیجئے —

سامعین کرام کے مذاق اور ذہانت کی تحقیر ہوگی اگر میں ان اشعار کی خوبیاں اور زور دکھانے بیٹھوں - بس اتنا کہوں گا کہ یہ وہ شعر ہیں جن پر سیکڑوں دیوان نثار ہیں - ادب میں زور اس موسل کو نہیں کہتے جو اوکھلی میں دھان کوٹتا ہو - بلکہ زور نام ہے اس تاثر کا جس

کا تعلق نفسیات سے ہے —

حیطۂ ادب میں یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ لفظ کے ٹکڑے جسے انگریزی میں سلیبل کہتے ہیں اور ایکسنٹ جسے ایک لفظ کے کسی جز کی صورت کا توڑ کہئیے ۔ اس کی معنوی حیثیت سے قطع نظر سامع کے ذہن کو تسخیر اور متاثر کر نے میں حد درجہ دخل رکھتے ہیں ۔ انگریزی لفظ گریفتہ کے مقابلے میں میگنفیسنٹ اور اسی طرح ہمارے شاندار کے مقابلہ میں عظیم الشان میں جو مابہ الامتیاز ہے اس کی تفسیر کی ضرورت نہیں فلسفۂ انشا کا یہ ایک نکتہ ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں —

ہاں گفتگو تھی فصاحت کلمہ سے متعلق ۔ میرا مذہب یہ ہے کہ جو کلمہ صحیح لغوی یا اصطلاحی یا مجازی معنی میں مستعمل ہو ۔ اہل زبان کے محاورے کے مطابق ہو اور مناسب محل پر صرف ہوا ہو موضوع کے اعتبار سے بھی درست اور بجا ہو ۔ ایسے کلمے کلام میں استعمال کرنا اس کی خوبی اور تاثیر کو بڑھا دیتا ہے ہے ۔ اس سے زیادہ کہنا عبث ہے ۔ جس کلمے میں غرابت یا مخالفت کا نقص ہو اسے متروک سمجھنا چاہئیے ۔ نیت اور انجھواں ۔ نین اور ندان ۔ کبھی مستعمل تھے ۔ ان سے کلام چمک اٹھتا تھا مگر آج غریب ہیں ۔ اسی طرح مخالفت قیاس لغوی کو قیاس کرلیجئیے ۔ تنافر حروف کا ذکر مستشرزات کی ذیل میں آچکا ہے —

اس بحث کا ملخص یہ ہے کہ آج تک فصاحت کے اول رکن کے باب میں جو کچھ فرمایا گیا وہ زیادہ تر مو شگافی اور فصاحت کلام سے متعلق ہے ۔ اس کے ذکر کی ضرورت نہیں کہ کوئی خوش فہم موقع

محل اور موضوع کو اونچے سے طاق پر رکھ کر لغت کی کتابوں سے لفظ لے لے کر کلام میں بھر دیے —

اب میں آپ کو فصاحت کا دوسرا حصہ دکھانا چاہتا ہوں - میرا مطلب یہ فصاحت تلفظ - جیسا کہ آگے کہہ چکا ہوں کہ اس کا تعلق زیادہ تر خطابت سے ہے لیکن مکالمہ بھی اسی میں آ جاتا ہے - اگر کوئی شخص زوردار تو زوردار یا جاندار کلام کو سامنے تلفظ کے کام نہ لے تو صاحب مذاق سننے والے ضرور بد مزہ ہونگے - اس لئے ضروری ہے کہ بولنے میں ہر لفظ صحیح تلفظ میں ادا ہو اور ہر حرف سے اس کی صحیح آواز پیدا ہو - بعض مقامی خصائص ایسے ہیں جو صحیح علم کے باوجود مکالمہ کو صحیح نہیں ہونے دیتے - اس کی وجہ آلات نطق کی بناوٹ کی خصوصیت اور عادت ہے جس کا مداوا صحبت اور مزاولت کے سوا کچھ اور نہیں - ایک مغربی نظیر سے اس کی وضاحت ہو جائے گی - سید انشا نے دریائے لطافت میں جو گفتگو اور لہجہ میر غفر غفرانی کا لکھا ہے اس سے اس امر پر تیز روشنی پڑتی ہے - میر غفر غفرانی کے آلات نطق کچھ ایسے واقع ہوئے تھے کہ 'ل' اور 'ر' وغیرہ کی آواز صحیح ادا نہ کرسکتے تھے بلکہ ان حروف کی جگہ 'غ' اور 'ت' وغیرہ کی آواز نکلتی تھی سحرالبیان کے اس شعر کو:-

چلی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی
کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

وہ یوں کہتے تھے :-

چغی واں سے دامن اٹھاتی ہوئی
کغے کو کغے سے بجاتی ہوئی

اس لہجے کی وجہ سے ان کا نام ہی غفرغبفی پڑ گیا ۔ ایسی ہی کیفیت قوموں کی ہے ۔ مختلف ملکوں یا ایک ملک کے مختلف حصوں کے رہنے والوں کا لہجہ خصوصی طور پر خاص حروف کی آواز نکالنے میں مختلف ہوتا ہے ۔ صحت تکلم اہل زبان کے لہجے سے وابستگی رکھتی ہے اور یہ امتیاز ہر ملک اور ہر زبان میں موجود ہے ۔ قریش کے لہجے اور سبعہ احرف کا محض حوالہ دنیا امید ہے اس بارے میں کافی سمجھا جائے گا ۔

ابھی کلمے کے جز یعنی سلیبل اور توڑ یعنی ایکسنٹ کا ذکر آچکا ہے ۔ اور زبانوں میں توڑ کے فرق اور ردوبدل سے کلمے کے معنی بدل جاتے ہیں ۔ کبھی اسم سے فعل اور فعل سے اسم بن جاتا ہے ۔ اگرچہ کتابت وہی جوں کی توں رہتی ہے ۔ مثلاً انگریزی میں کنڈکٹ اور کونڈریکٹ ۔ مکالمہ میں ایک اور چیز بھی ہے جو کلام کے معنی اور متکلم کے عندیہ پر جیدہ اثر رکھتی ہے ۔ یعنی لہجے سے الفاظ پر زور ڈالنا جسے انگریزی میں امفیسس کہتے ہیں اس کا تعلق کلام سے ہے لہجے سے نہیں اس کی تشریح ایک جملے سے بخوبی ہوجائے گی جس میں یہی کلمات کا صوتی زور مختلف معنی پیدا کردیتا ہے ۔ وہ جملہ ہے —

" میں کل ڈھلی جاؤں گا "

۱ – " میں کل ڈھلی جاؤں گا ؟ " (آپ نے یہ کس سے سنا - میں نے تو ایسا ارادہ نہیں کیا)

۲ – " میں ' کل ' ڈھلی جاؤں گا ! " (یہ کون کہتا ہے کہ کل جاؤں گا ۔ ابھی جانے کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی)

۳ – " ' میں ' کل ڈھلی جاؤں گا ! " (اور لوگ کل جائیں گے ۔ میرا ابھی طے نہیں پایا)

۴ - میں کل دہلی جاؤں گا - اور کوئی جائے یا نہ جائے - میں ضرور جاؤں گا)

۵ - میں کل دہلی جاؤں گا - (آج یا پرسوں نہیں کل جاؤں گا)

۶ - میں کل دہلی جاؤں گا - (بمبئی یا بنگلور نہیں - دہلی جاؤں گا)

آپ نے دیکھا کہ لہجے اور صوت کے اتار چڑھاؤ نے ان چار لفظوں میں کیا کیا معنی پیدا کئے جملہ استفہامیہ تاکیدیہ خبریہ اور انشائیہ ہو گیا - اسی لہجہ پر اور آدھی درجن صورتیں اس جملے کی نکل سکتی ہیں - فصاحت متکلم کی حقیقت بس یہی اور اتنی ہے - اس سے زیادہ فن خطابت سے تعلق رکھتا ہے —

اب فصاحت کلام کے بارے میں عرض کرنا ہے - اس کی تعریف کی گئی ہے :—

" خلوص است از ضعف تالیف و تنافر کلمات و تعقید " -

فصاحت کلام کی یہ تعریف کتب قدیمہ سے ماخوذ ہے - ایک صاحب نے ان تین عیوب مخل فصاحت میں ایزادی کی اور تکرار کلمہ واحد - توالی اضافت ، ابتذال ، تغیر ، اثقال اور تناقص کی ایزادی فرمائی * - ایک اور صاحب نے اس فہرست کو اتنی طوالت دی کہ فصاحت کی تعریف میں بیس عیوب گن کر دس عیوب قافیہ بھی شامل کردئے † —

وہ تین عیبوں سے خلوص درکار ہو یا تیس عیبوں سے معائب کلام کی ان فہرستوں کو فصاحت کلام کی تعریف قرار دینا معقولیت سے خارج

---

* بحرالفصاحت - صفحہ ۳۳۴ —

† معیار البلاغت - خاتمہ —

ہے۔ اور پھر توجیہہ و استدلال کا سلسلہ ختم نہیں ہونے پاتا۔ اس لٹریچر کے ملاحظہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان عیوب کی کیفیت و کمیت کے بارے میں اختلاف رائے بھی ہے۔ بوستان کا مطلع ہے —

بنام جہاندار جاں آفریں

حکیم سخن بر زباں آفریں

ایک بزرگ دوسرے مصرع میں ضعف تالیف کا نقص نکالتے ہیں کہ دو کلموں میں جو ماقبلیت کے معنی رکھتے ہیں فصل جائز نہیں اور پھر "خون از آشام" کی طرح یہ فصل محض اضافت ہی نہیں بلکہ یہاں حرف جار ہے۔ دوسرے بزرگ اس مصرع میں ضعف تالیف مانتے ہی نہیں۔

ضعف تالیف، تنافر کلمات، تعقید وغیرہ کی ماہیت بتانا اور مثالیں پیش کرنا فضول معلوم ہوتا ہے۔ وہ سب کچھ کتب متداولہ میں آچکا ہے جو آپ کے ملاحظہ سے گذر چکا ہوگا۔ یہاں ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیوں متقدمین نے فصاحت کلام کی تعریف میں صرف تین عیوب سے خلوص کی تاکید کی اور کیوں متوسطین اور متاخرین نے اس تعداد کو دس گنا کردیا۔ اور یہ کہا جائے کہ قدیم زمانے میں کلام پر اور عیوب عائد ہو نہیں سکتے تھے، لوگ زیادہ فصیح ہوتے تھے، جوں جوں کلام فصاحت کے معیار سے گرتا گیا عیوب کی فہرست بڑھتی گئی۔ یہ دلیل اس وقت پذیرا ہوسکتی تھی جب ایک عہد کے کلام کا موازنہ دوسرے عہد کے کلام سے کیا جاتا ہے۔ زمانۂ جاہلیت کی شاعری کا موازنہ بعثت کے بعد کے زمانے کی شاعری سے کیا جاتا ہے۔ فصاحت علم معانی کا جزو اعظم ہے۔ زیادہ تر اس وجہ سے کہ کلام بلیغ کے لئے پہلے فصیح ہونا لابد ہے۔ علم معانی و بیان وغیرہ کی تعریفیں وہی برقرار رہیں لیکن فصاحت کی تعریف

کہئے فصاحت کلام کی تعریف میں کیوں تبدیلیاں ہوتی رہیں؟ اس کے دو وجوہ ذہن میں آتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ متقدمین کی وضع کی ہوئی تعریف جو کچھ کہ تھی جامع و مانع نہ تھی اور دوسرے یہ کہ فصاحت کے باب میں تقریباً سب کا قدم غیر مستقل رہا۔ ان کے مزاج کو چون و چرا کی برداشت نہ تھی اسی وجہ سے ان کے ملفوظات میں تفریحی تعمیے کا دخل دیکھا جاتا ہے۔ سبھوں نے زور دیا بلاغت پر صرف ... فصاحت کا ذکر چلتے چلتے کسی نے مقدمہ میں کر دیا کسی نے خاتمہ پر۔ یہی تو آج ہر کوئی اچھے سے اچھے شاعر کے کلام ... کو دیکھ کر کہتا ہے "فصیح نہیں"۔ یہ لفظ فصیح نہیں۔ پھر وجہ دریافت کیجئے کیوں فصیح نہیں؟ جواب ملتا ہے: سنا ہوا نہیں، کانوں کو بھلا نہیں معلوم ہوتا—

اردو میں جو پوچ گوئی اور طرز استعمال کی بے ڈھنگی پیدا ہوئی ہے اس کی علت غائی ادیبوں کا اختلال طبع اور اضطراب ذہن ہے۔ اسلاف ہر حال میں مستحق تشکر ہیں کہ وہ ایک دائم بیل تو ڈال گئے۔ متاخرین کا فرض تھا کہ اگر اس میں کہیں کجی اور لرزش کے آثار تھے تو اسے خط مستقیم کی شکل دیتے تاکہ بعد الجھاؤ اور گتھیاں نکل جاتیں۔ ... کی اور وطواط، خان آرزو یا میر امداد ... کا کہنا کوئی آیت و حدیث تو تھا ہی نہیں کہ اس پر کہیں انگلی رکھنا کفر ہو یا گناہ کبیرہ۔ بات یہ ہے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے مشاطگی کو افادیت پر ترجیح دی گئی۔ اس سے کلام میں بہت سے نقص عارض ہو گئے۔ اس کی تشریح میں غالب اور ناسخ کا ایک ایک شعر پیش کیا جاتا ہے۔ میں اس کی نسبت اپنی رائے محفوظ رکھوں گا کہ جو اعتراض ان اشعار پر وارد کئے گئے ہیں وہ درست ہیں یا نہیں؟ میرا مقصد ان اشعار کے پیش کرنے

بھی بس یہ ہے کہ خواص کو بھی ان کی صحت و فصاحت میں شبہ ہے۔ اور شبہ کرنے والوں کی ادبی حیثیت سب پر روشن ہے کہ مسلم ہے۔ غالب کا شعر مطلع دیوان ہے :—

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

قاسم کا مشہور اور روشن مطلع ہے :—

میرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

اول شعر کو غلط بتایا گیا اور دوسرے کو مہمل۔ اعتراض کی نوعیت سے غرض نہ رکھ کر ضرور آپ کی بھی یہ رائے ہوگی کہ کلام کی مشاطگی کی بہتات نے فاضل معترضوں کو ایراد و تعریض کا موقع دیا۔ آپ دیکھتے ہیں ان دونوں شعروں میں مشاطگی کس کمال کی ہے کہ 'چیزے فزوں کند' کی گنجائش ہی نہیں —

جیسا کہ گزارش ہوا ہے سجاوٹ کا شوق جب غلبہ پا جاتا ہے تو انسان کا نفس ناطقہ افادت کی طرف سے بطی الحس ہوجاتا ہے۔ اور شعور یا کہئے اس کی تمام ذہنیت سجاوٹ اور بناوٹ کی حلقہ بگوش ہوجاتی ہے —

آپ کو انتظار ہوگا کہ فصاحت کی تعریف آخر میں نے اپنے ذہن میں کیا قرار دی ہے۔ سنئے ' گوش حق نیوش سے سنئے ' اور نظر اصلاح سے دیکھئے :—

فصاحت کلام کا وہ وصف ہے جو قاری یا سامع کے ذہن کو منشی یا متکلم کے ذہن کے قریب ترین پہنچا دیتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ ذہنی قربت کن طریقوں سے مترتب ہوسکتی ہے۔ اس کے کئی مدارج ہیں۔ پہلا درجہ افہام و تفہیم ہے۔ کلام ایسا ہوکہ منشی اپنا مافی الضمیر قاری کو سمجھا سکے اور قاری بغیر دقت اور زحمت کے اُسے سمجھہ سکے۔ دوسرا درجہ ہے لطف اندوزی یا تلذذ۔ یعنی سننے اور پڑھنے والے کو اس کلام سے لذت اور راحت حاصل ہو۔ اور سبحان اللہ بے ساختہ اس کی زبان سے نکلے۔ کہئے روح وجد میں آجائے۔ تیسرا اور آخری درجہ ہے تاثر۔ اس کے معنی ہیں مخاطب آپ کے کلام سے متاثر ہوکر آپ کا ہمخیال ہوجائے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہئے کہ دونوں میں کامل ذہنی قربت اور یگانگت پیدا ہو جائے۔ ان تینوں کیفیتوں کو فصاحت کہئے یا ارتقاے انشا۔ یہی کلام کی معراج ہے —

فصاحت کے اس تدریجی ارتقا کے مدارج میں درمیانی درجہ وضاحت چاہتا ہے۔ ہر زبان اور ادب کے ثقات اس لطف کو مستحسن نہیں سمجھتے جس میں تہییج یا ایک قسم کا بربریت خروش پایا جائے۔ حسین ساگر سے جب آپ کے ماہیگیر نے ایک بڑی اور کم خار مچھلی نکال کر کنارے پر ڈالی اس وقت آپ کو لطف آیا ہو گا اور آپ خوش ہوے ہونگے۔ اور جب آپ نے اسی حسین ساگر میں سے ایک ڈوبتے ہوئے شخص کی جان بچائی تو اس وقت بھی آپ کو خوشی ہوئی اور راحت ملی۔ اب آپ خود دیکھہ لیں کہ ان دونوں کیفیتوں کی ذہنی نوعیت میں کیا مابہ‌الامتیاز ہے۔ وہ نفسیاتی ہیجان جس میں بربریت کا جوش و خروش ہو دل گزیں نہیں ہوا کرتا اس لئے دیر پا نہیں ہوتا کیونکہ اس کی بنیاد میں روحانیت نہیں بلکہ مادیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ شاعر کیہ گیا ہے۔ اور کس حسرت سے کہہ گیا ہے —

حقیقت تم پہ کھل جاتی ابھی اس درد الفت کی
گھڑی بھر تم جو میرے دل کو اپنے دل میں رہنے دو

شاعر نے اپنی دھن میں دل سے دل تک پہنچنے کی تمنا ظاہر کی۔ میں اسے دوسرے پیرایہ میں ذہنی قربت سے تعبیر کرتا ہوں۔ دونوں باتیں اصل میں ہیں ایک شے —

جب ایسے شخص سے آپ کا رابطہ پڑے جو وجیہ ہو، خوش گفتار ہو، ستودہ اخلاق اور پاکیزہ سیرت رکھتا ہو تو اس کے لئے ضرور آپ کے دل میں انس کا احساس پیدا ہوگا۔ اسی طرح جب ایسا کلام پڑھنے یا سننے میں آئے جس میں الفاظ صحیح اور ترنم ریز ہوں، جس کے فقروں کی بندش چست اور سلیس ہو، جس میں اول سے آخر تک شباب تخیل کی اٹھان ہو، جس کا موضوع دلکش اور مطلب دل آویز ہو، مگر جس جواہر کے لئے آپ کو مطالعہ کی ضرورت نہ پڑے۔ ایسا کلام قاری اور سامع کے ذہن پر اس کے دل و دماغ کو اپنی طرف کھینچے گا پر کھینچے گا اور آپ کو کم سے کم قوت اور توجہ اس کلام کو اپنے ذہن میں جذب کرنے کے لئے صرف کرنی پڑے گی —

اسے میں کہتا ہوں ایک ذہن کا دوسرے ذہن کے قریب ترین ہونا۔ جن ہستیوں نے انسانوں کی فطرت پلٹ دی، معما گوئی اور بدیع گفتاری ان سے نامحرم تھیں۔ کلام مجید کی فصاحت بالاتفاق ضرب المثل ہے۔ مستشرقین اس پر اتفاق کرتے ہیں۔ رگ وید میں جو رچائیں اوشا یعنی طلوع سحر کی شان میں دیں ان سے بڑھ کر فصیح کلام اور زبانوں کی نظم میں نہیں ملتا۔ اسی ضمن میں آتا ہے وہ تاثر اور جذب ذہنیت جو مارٹن لوتھر کے کلام سے یورپ کی ذہنیت پر مترتب ہوا —

پہلے درخت ہوا یا بیج ؟ یا اولیت خیال کا حصہ ہے یا نطق کا ؟ ایسے سوالوں کی چھیڑ بن میں پڑنا سعی لاطایل ہے - وہ کچھہ بھی ہو یہ امر توا بدیہی حقیقت ہے کہ تخیل بغیر الفاظ کے ناممکن ہے - اسی استدلال کی بنا پر اسلوب کا تاثر تخیل پر مسلم ہے - اچھی بات ' اچھے خیال کے لئے زبان اور اسلوب بھی اچھا چاھئے - بلکہ ان کا اثر بری بات کو بھی دلپذیر بنا دیتا ہے ' متنبی نے ایک شاعر د سن کر کہا :-

واسمع من الفاظه اللغة التی　　یلذبہا سمعی و لو ضمنت شتمی

اس کی زبان سے میرے کان لذت پاتے ہیں اگرچہ ان میں گالیاں بھری ہوں اور وہ مجھی پر پڑ رہی ہوں —

عرض کیا گیا ہے :-

" فصاحت کلام کا وہ وصف ہے جو قاری یا سامع کے ذہن کو منشی یا متکلم کے ذہن کے قریب ترین کردیتا ہے "—

قربت ذہن نہایت جامع کلمہ واقع ہوا ہے - اس مبحث پر نہ صرف علم لسان بلکہ نفسیات کے تحت بہت کچھہ کہا جاسکتا ہے - اگر میں یہ آرام کہانی سنانے بیٹھوں تو لکچر ہو جائے اور مضمون پھر بھی تشنہ رہے - اس لئے بہتر ہے کہ قربت ذہن کی نظیر یا تشریح میں استاد کا شعر سنا کر آپ سے رخصت ہوں فرماتا ہے :

دیکھونا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

بگڑا شاعر مرثیہ گو

از

(جناب طالب آبادی)

دنیا

دنیا بڑی دلچسپ جگہ ہے ۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ۔ کبھی کسی دل جلے یا کسی منچلے نے مسکرا کر کہہ دیا ہوگا کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" ۔ بس دنیا لے اڑی، یہ فقرہ ایک کہاوت ہو گیا ۔ ایک دو دس نہیں سو پچاس نہیں ہزاروں آج تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں ۔ سانپ نکل گیا ہے، لکیر پیٹ رہے ہیں ۔ وہ لوگ جنھوں نے خود مرثیے نہیں پڑھے، نہیں سنے اور نہیں لکھے اُن سے کوئی گلہ نہیں ۔ ان میں بہت سے ایسے ہیں جن کے دل تو ہیں مگر جوہر سے خالی ہیں ۔ آنکھیں ہیں مگر دیکھ نہیں سکتے؛ سنتے تو ہیں مگر سمجھتے کچھ نہیں ۔ اللہ کے فضل سے ہر زمانے میں ایسے لوگ کثرت سے گذرے ہیں ۔ میری نگاہ میں اس قسم کے لوگ صرف دلچسپ ہی نہیں دنیا کے لئے ضروری بھی ہیں ۔ خیر ایسوں کا سننا یا نہ سننا پڑھنا یا نہ پڑھنا سب برابر ہے ۔۔

مگر غضب تو یہ ہے کہ جن طبیعتوں میں صلاحیت ہے، جو اچھے برے کی پہچان رکھتے ہیں اور جو کھرے کھوٹے کو پرکھ سکتے ہیں وہ بھی دوسروں کی عینک سے دیکھیں، خود کوئی رائے نہ قائم کریں،

تحقیق سے کام نہ لیں ' اپنے کان نہ ٹٹولیں اور کوئی کہدے کہ " کوا کان لے گیا " تو بس اندھر پلنھر دھیلے ہو جائیں ' بے تحاشہ غل مچاتے ہوے کوے کے پیچھے ہو لیں —

دارالاقامہ

دلچسپی کے درجے ہوتے ہیں - میرے تجربہ میں دنیا میں سب سے زیادہ دلچسپ جگہہ وہ ہے جس کو پڑھے لکھے لوگ بورڈنگ ہاؤس یا ہوسٹل (دارالاقامہ) کے لقب سے ممتاز کرتے ہیں - اس میں بھانت بھانت کے مسافر بستے ہیں ' خصوصاً وہ دارالاقامہ جو صرف جامعہ کے اونچے درجوں کے طلباء کے لئے مخصوص ہوتا ہے وہاں کی دلچسپیوں کا کیا پوچھنا ہے —

کبھی لندن کے دارالعوام کا لطف ہوتا ہے ' کبھی پیرس کے ہوٹلوں کا مزا آتا ہے ' کبھی وائنا کے رصد خانے اس کے سامنے مات ہوتے ہیں کبھی یورپ کے بڑے بڑے دارالعلوم پانی بھرتے ہیں —

مختلف آب و ہوا میں پلے ہوے لوگ ایک احاطے کے اندر کچھہ دنوں کے لئے شاہانہ طور پر نظر بند کردئے جاتے ہیں - خیر ! صورت ' شکل ' جسم اور قد تو عام طور پر مختلف ہوتے ہی ہیں مگر تمام دنیا کے مختلف الخیال ' مختلف الوضع اور مختلف المزاج آدمی ایک جگہہ دیکھنے ہوں تو کسی نامی جامعہ کے دارالاقامہ میں صرف ایک ہفتہ قیام کرلیجئے -

گفتگو سے زیادہ بحثیں ہوتی ہیں - دنیا کا کوئی ادبی ' علمی ' فنی ' معاشرتی ' سیاسی یا اقتصادی مبحث ایسا نہ ہوگا جس پر طلبا ڈٹ کر گفتگو نہ کریں - کسی انتخاب میں صرف حوالے کے طور پر کسی علم ' فن ' یا رسالے کا محض نام دیکھہ لیا تو کافی ہے - اس شد و مد سے باتیں کریں گے گویا تمام نکات پر حاوی ہیں - پھر مزہ یہ کہ ہر ایک اپنی اپنی الاپ کا

دوسرے کی نہ سنے گا۔ وہ شور ہوتا ہے کہ کان پڑے آواز نہیں سنائی دیتی اور جس کی نہ سنئے وہ خفا بھی ہو جاتا ہے —

ایک محفل

ابھی حال ہی کی ایک محفل میں ہوئی تھی۔ ہوائی جہاز پر بحثیں ہو رہی تھیں — مجھے سائنس میں نہ کوئی دخل ہے نہ دلچسپی میں ایک کونے میں چپکا بیٹھا ہوا تھا کہ ایک مرتبہ دلچسپ رہا تھا۔ بحث طیارہ سے اتر کر ارسطو کے اقوال پر پہنچی وہاں سے لاطینی زبان کے شاعروں میں گئی، پھر بہت سے شعبہ جات علم و صنعت و فن میں الجھتی کھلتی اردو شاعری تک آگئی۔ "ہماری شاعری" پر تنقیدیں ہونے لگیں، بچارے غالب کا جوڑ ... خسرو اور میر سے لیکر آج تک چار سو برس کے اندر جتنے بھی قابل شاعر اردو کے ہوئے ہیں سب کی خبر لے لی گئی۔ اگر یہ دستور نہ ہوتا کہ لوگ وقت گذاری اور مشغلے کی باتوں کو اہمیت نہ دیا کریں گے تو میں کل کے ان چند باکمال ہستیوں کے نام بھی لکھ دیتا جن کی آج بھی بہت عزت رکھنے والے مشرقی حلقہ میں اکثر ہوتی رہتی ہے —

غرض "بکواس ہے" "بیکار ہے" "خلاف فطرت ہے" "قافیہ پیمائی ہے" "مبالغہ ہے" "لغویات ہے" یہ اور اسی قسم کے تمغے بڑی دریا دلی سے بانٹے گئے —

میری شامت کہ دو آدمیوں میں "دھول دھپا" ہوتے دیکھ کر میں نے بیچ بچاؤ کرنا چاہا "پیش دستی" تو نہیں کی پیش قدمی ضرور کی۔ میرا متوجہ ہونا ہی تھا کہ وہ دونوں لڑائی جونک بن کر مجھ سے پیچھے پڑ گئے۔ اچھا آپ کی رائے کیا ہے؟ آزاد رائے دیجئے گا؟ پوچھنے کو تو پوچھا مگر مشکل سے دس سکنڈ انتظار کر کے انہیں میں سے ذرا جو طرار

تھے انہوں نے خود اپنی رائے بتانی شروع کردی۔ میں نے بھی دل میں سوچا چلو سستے چھوٹے، بڑی توجہ سے ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگا، مگر شور اکھڑے، اکھڑی ہوئی باتیں کہئے یا مہمل سمجھ کہئے، بس کہیں کہیں کسی شاعر کا نام سمجھ میں آ جاتا تھا اور کچھ نہیں - یا یہ کہ "میر" بد دماغ تھا، "ناسخ" پاگل تھا، "آتش" کو کچھ نہیں آتا تھا۔ "اکبر" مہملات بکتے تھے اور ...... کہتے ہیں ہیں خوامخواہ کی بکواس ہے۔

تنقید کا یہ دور جاری تھا ذرا تھما ہی تھا کہ ایک صاحب نے کہیں انیس کا نام اردو شعرا میں لے دیا - بس اب آئے تو جاتے کہاں ہو، آدھی محفل پنجے جھاڑ کے پیچھے پڑ گئی - جو جو جی چاہا بے نقطہ سنائی - وہ تو کہئے ایک صاحب بول اٹھے اجی انیس کا ذکر ہی کیا "بگڑا شاعر مرثیہ گو" وہ شاعر ہی کب تھے - بھائی میں بڑی انسان ہوں ضبط نہ ہوا - میں نے کہہ دیا جس نے سب سے پہلے یہ بات کہی وہ یا تو غیر شاعر تھا یا متشاعر اور آج جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ یا تو نا شاعر ہیں یا پیر نا بالغ -

غرض مرثیے کے مختلف شعبوں پر، فوائد اور مضرات پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں، آخر میں یہ طے ہوا کہ میں ایک مضمون لکھوں جس میں اپنے دعوے کی دلیلیں پیش کروں - مثالوں کی انتخاب میں اس کا خیال رکھوں کہ صرف چوٹی کے مرثیے نہ ہوں ورنہ وہ سنسر کی زد میں آ جائیں گے اور مستثنیات میں سمجھے جائیں گے - بلکہ جہاں سے جو مرثیہ ہاتھ آ جائے اسی میں سے لکھ دوں —

میں نے وعدہ کر لیا تھا - آج اسے پورا کر رہا ہوں - خیال یہ ہے کہ بھارت میں ایسا کوئی طبقہ ضرور موجود ہے جس کے نمائندے ہمارے وہ دوست تھے جنھوں نے ہم سے مضمون کا وعدہ لیا تھا - اور یہ طبقہ

آج تک اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" ہوتا ہے شاید ان کے اس تعصب بھرے خیال کو میں کچھ دور کرسکوں —

عرض ہے

مگر مضمون لکھنے سے پہلے میں ان حضرات سے جنھیں "بگڑا شاعر مرثیہ گو" کا مرض ہے نہایت ادب سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ

(۱) بلا وجہ جو خیال انھوں نے اپنے دل میں قائم کرلیا ہے اسے تھوڑی دیر کے لئے بھلا دیں پورا مضمون ختم کرلینے کے بعد وہ مختار ہوں گے جو چاہیں وہ فیصلہ کریں - مگر یہ نہیں کہ آدھا تیتر آدھا بٹیر' صرف اس لئے کہ ان کے برسوں کے اٹل اور انمول خیالات کے خلاف آئینے میں کچھ اور نظر آرہا ہے وہ مجھے کوس کر گالیاں دے کر مضمون کو نامکمل طور پر نہ پڑھیں - اسواسطے کہ آئینے بہت کم خراب ہوتے ہیں مگر جس کی جیسی صورت ہوتی ہے ویسی ہی دکھائی دیتی ہے - ہر شخص اپنے آپ کو حسین سمجھتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ حقیقت بھی وہی ہو - اس میں میرا کوئی ذاتی نفع نہیں - میرے لئے تو سب برابر ہے —

صاف باطن کے لئے یکساں ہے قرب زشت و خوب
سب کو دیتا ہے جگہ دل میں برابر آئینہ (مونس-ایک مرثیہ‌گو)

آپ جو چاہیں سمجھیں' آپ کی غلط فہمی سے نہ حقیقت پر پردہ پڑے گا نہ میرا کوئی نقصان ہوگا - یہ ضرور ہے کہ جب تک ترازو میں پاسنگ درست نہ ہوگا کوئی چیز ٹھیک نہ تلے گی - بے تعصب ہونے کے لئے اور بےجا تعصب رفع کر تحقیق کرنے کے لئے قریب قریب مغرب و مشرق کے ہر فلسفی نے لکھا ہے' صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں' تعصب کو بدترین معصیت' اخلاق سوز حرکت اور خدا جانے کیا کیا لکھا ہے - ہزاروں مضر اثرات اور لاکھوں برے نتیجے دکھائے ہیں - یہ سب سچ ہے

مگر بھائی تعصب، جانبداری، ہٹ، ضد، یا جو کچھ کہئے سچ پوچھئے تو انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اگر یہ موضوع میرے مضمون سے جدا نہ ہوتا تو جی کھول کر لکھتا بہر طور میرے نزدیک لازمی ہے کہ تحقیق کرنے والا بالکل بے لوث ہو کر تحقیق کرے —

بے لوث ہونے اور تحقیق کے دوران میں بے لوث رہنے کے لئے میرے نزدیک صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ اپنی رائے اور اپنے خیال کو جو انسان اپنی جگہ پختہ کر چکا ہے اسے یونہی رہنے دے۔ صرف اتنی سی بات پر تیار ہو جائے کہ ذرا سن تو لیں جو ہمارا مخالف ہے وہ کہتا کیا ہے۔ شاید وہی سیدھی راہ پر ہو، ہمیں گمراہ ہوں —

یہ ذرا سا شک اور اپنے پختہ خیالات یہی دونوں تنقید کی سچی ترازو بن جائیں گے اور ماہیت و اصلیت کے پلے آخر میں بالکل برابر نظر آئیں گے، اگر آپ کی غلطی ہے تو حقیقت کے موتی مل جائیں اگر آپ کی غلطی نہیں ہے تو آپ معرفت کے اس بلند درجے پر پہنچ جائیں گے جہاں سے دنیا کی اور کوئی قوت آپ کو ہٹا نہیں سکتی —

(۲) یقین کیجئے، میں نے جن مرثیوں سے انتخابات لئے ہیں وہ ان شاعروں کی کائنات یا شاہکار یا چوٹی کے مرثیے نہیں ہیں۔ سب سے پہلے مجھے جو مرثیے مل گئے انہیں سے مطلب کی چیزیں چھانٹ لی گئی ہیں۔ میں نے محض "مشتے نمونہ از خروارے" پر عمل کیا ہے۔ اردو میں صرف مرثیوں کی تعداد میرے خیال میں چار پانچ ہزار سے کم نہ ہوگی۔ میں نے صرف بیس مرثیے لئے ہیں جن میں ہر درجہ کے مرثیہ گو ہیں۔ فلسفہ اور الٰہیات کے شعبہ جات پر مضمون کے اس حصہ میں بحث نہیں کر سکتا اس لئے کہ ان کا تعلق زیادہ تر واقعات رنج و غم،

مثلاً رخصت و شہادت وغیرہ سے ہے اور اُن کے متعلق اکثر لوگوں کا یہ اعتراض ہے کہ مذہبی روایات و عقائد کی بنا پر ان میں جو کچھ ادب ہے وہ خصوصاً شیعوں کے لئے اور عام طور پر مسلمانوں کے واسطے مخصوص ہے ' یہ بات بھی ایک دوسری غلط فہمی ہے - اس کے متعلق اسی مضمون کی دوسری کڑی میں بحث کروں گا - مگر فی الحال میں نے فضائل و مناقب اور مصائب و مذہبی روایات سب کو نظر انداز کردیا ہے اور صرف وہ باتیں دکھائیں ہیں جو عام دلچسپی اور عالمگیر ادبی حیثیت سے مالا مال ہیں —

(۲) میں نے صرف مرثیوں پر اکتفا کی ہے ' رباعی ' مثلث ' مخمس ' سلام ' نوحہ جات یا اور اسی نوع کی دوسری نظمیں نہیں لیں حالانکہ ان میں بھی ادب اور شاعری کے عمدہ نمونے بھرے ہوئے ہیں - ضرورت پڑی تو - یار زندہ صحبت باقی -

(۳) میں نے جہاں جہاں سے مثالیں اس مضمون میں دی ہیں ان مرثیوں کے مطلعے اور مرثیہ گویوں کے نام لکھے دیتا ہوں ' شاید کسی صاحب کو شوق پیدا ہو اور وہ اصل مرثیہ یا کل مرثیہ دیکھنا چاہیں تو زحمت نہ ہو - ان میں سے جو مرثیہ نہ مل سکے وہ مطالعہ کے لئے میں نذر کرسکتا ہوں - اس لئے کہ سب چھپے ہوئے نہیں ہیں - جی تو یہی چاہتا تھا کہ جن مرثیوں سے مثالیں لی گئی ہیں ان کے ناظمین کے مختصر حالات بھی لکھ دیتا مگر ڈرتا ہوں کہ کوئی " بگڑا شاعر مرثیہ گو " کا معتقد کہیں یہ نہ سمجھے کہ میں اس پر کوئی غلط اثر ڈال رہا ہوں - بعض مصرعوں کی جگہ محض لکیریں کھنچی ہوئی ہیں ' ان لکیروں کی غرض یہ ہے کہ پڑھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اصل میں اس مصرعے کی کیا جگہ ہے ' جو مصرعے چھوڑے گئے ہیں اس کے اسباب یہ ہیں —

(الف) بعض نہایت سست ہیں، بعض صرف بھرتی کے لئے ہیں اور

(ب) بعض مذہبی معتقدات یا روایات کی جھلک لئے ہوئے ہیں۔

ایک ہی مضمون میں مرثیے کے تمام پہلوؤں پر بسط کے ساتھہ نظر کرنا کم سے کم میری ہمت سے زیادہ بلند تھا لہذا میں نے کٹوی کتربیان کردی ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	مطالع	مرثیہ گو	کس کی شان میں
(۱)	اے شیر طبع آہوے مضمون شکار کر	مونس	جناب عباس
(۲)	ہاں اے سنان غم جگر و دل کے پار ہو	نفیس	علی اکبر
(۳)	اے طبع رسا صیقل شمشیر زبان ہو	مونس	علی اکبر
(۴)	پنہان ہوے کوکب جو سرا پردۂ شب میں	مونس	امام حسین
(۵)	اے قلم دامن کاغذ پہ گہر ریز ہو پور	وحید	جناب عباس
(۶)	جام جہاں نما سخن آبدار ہے	وحید	امام حسین
(۷)	یعقوب مصطفی سے جو یوسف جدا ہوا	نفیس	امام حسین
(۸)	ہاں اے فلک سنبھال سپر آفتاب کی	انیس	امام حسین
(۹)	میری زبان کو شرف مدح پنجتن سے ملا	نفیس	امام حسین
(۱۰)	دوزخ سے جب آزاد کیا حر کو خدا نے	انیس	عون و محمد
(۱۱)	نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری	انیس	امام حسین
(۱۲)	معجز بیان ہوں فیض رسالتماب سے	نفیس	عون و محمد
(۱۳)	محضر خون شہیداں ہے مرا دامن دل	رشید	امام حسین

(۱۴) عباس نے جب رن کی رضا شاہ سے چاہی رشید جناب عباس

(۱۵) وہ گل ہوں کہ جس پاس خزاں آ نہیں سکتی سلیس جناب عباس

(۱۶) سچ ہے دنیا میں سب جز بلا ہوتی ہے نعشق حر

(۱۷) ہمیشہ گلشن عالم کا ایک حال نہیں کوثر واپسی اہلبیت

(۱۸) دیا خلق حسن تھا حسن سبز قبا میں دبیر امام حسن

(۱۹) اے قلم معرکۂ جنگ کی تصویر کھینچ نیساں جناب عباس

(۲۰) میری تقریر کو تاثیر عطا کر یا رب ساجد علی اکبر

مرثیہ اردو کی شاعری کو فارسی کی شاعری سے اور فارسی کی شاعری کو عربی کی شاعری سے ایک خاص لگاؤ ہے ' اردو کے مرثیے بھی نظم ہی کی ایک شاخ ہیں وہ مخصوص سہی لہذا جتنا اردو شاعری کی ہر شاخ غزل، قصیدہ، نظم وغیرہ کو عربی اور فارسی کے اجزاء مناسب و مقابل سے تعلق ہے اتنا ہی مرثیے کو بھی ہے —

جس طرح ہندو مسلمان کی عورتیں خواہ کسی مذہب یا ملت کسی حصۂ ملک یا کسی خیال و وضع کی ہوں اپنے خاندان کے بیٹی بیٹے ' ماں باپ شوہر بھی بھائی یا اور عزا کے مرنے کے بعد اس کی یاد میں بین کرتی ہیں اسی طرح عرب میں بھی چلن تھا - یہ چلن زمانۂ جاہلیت میں بھی تھا اسلام سے پہلے بھی لوگ اپنے بچھڑوں اور پیاروں کی یاد میں بین کرتے تھے - مرد کم عورتیں زیادہ اسی لئے عرب میں مرثیہ گو عورتیں مرثیہ گو مردوں سے زیادہ ہوئی ہیں - مرثیے بچھڑے ہوے کی اچھی صفات کا ذکر ہوتا ہے اور اس کی مصیبتیں یاد کر کے رونے رلانے کا سامان کیا جاتا ہے - اسی طرح کے بین آج بھی کئے جاتے ہیں -

زمانۂ جاہلیت میں جس قبیلے میں کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا وہ

بڑا ممتاز سمجھا جاتا تھا اور شاعر بلاتا نہیں تھا ' بلکہ فطرت سے صلاحیت نظم لے کر پیدا ہوتا تھا لہذا اس کے کلام میں جوش ' فصاحت ' اور بلاغت کی انتہا نہ ہوتی تھی - تمام خاندان والے اپنے شاعر کی بڑی عزت کرتے تھے اور کیوں نہ کرتے وہی تو خاندان کا نام اجالا کرنے والے اور باقی رکھنے والے ہوا کرتے تھے - سب لوگ جمع ہو کر جہاں اور طرح کے کلام اپنے خاندانی شاعر سے سنتے تھے وہاں خاندانی مردوں کے مرثیے بھی سنتے تھے - وہی طریقہ کم و بیش آج بھی رائج ہے - مجلس میں بھی ذاکر مرثیہ پڑھتا ہے سب سنتے ہیں - یوں بھی سوگوار کے بین لوگ جمع ہو کر سنا کرتے ہیں - عربی میں سب سے پہلے کس نے مرثیہ کہا ؟ یا کتنے اچھے مرثیہ گو گذرے ؟ یا فارسی میں کون کون سے مرثیے کہے گئے ؟ یہ سب سوالات میرے موضوع سے الگ ہیں - بہرطور بتانا یہ ہے کہ اردو مرثیے فارسی مرثیے اور عربی مرثیے سب میں تین چیزیں مشترک ہیں —

(الف) - میت کے فضائل و مناقب —

(ب) اس کی مصیبتوں کا ذکر —

(ج) کسی پیرایۂ نظم کا اختیار کرنا اس لئے کہ نثر سے کہیں زیادہ نظم کا اثر طبع انسانی پر ہوتا ہے اور نسبتاً دیر پا بھی ہوتا ہے —

جہاں تک عربی فارسی اور اردو مرثئے کی تاریخ کا سوال ہے نہ مجھ میں اتنی قابلیت ہے کہ میں لکھ سکوں نہ اتنا وقت ہے اور نہ میرے مضمون کے لئے ضرورت ہے - لوگوں نے لکھا ہے - بعض حضرات لکھ رہے ہیں - رات دن گردش میں ہیں سات آسماں ہو رہا ہے کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اردو میں مرثیہ

کب سے شروع ہوا ' مورخ سے پوچھئے - مگر ابتدا اسی وقت سے ہوئی جب سے اردو شاعری کی داغ

یل بڑی بڑی دکھنی اور برج اکرت میں بھی مرثیے ہیں - دکن میں جو "اردو" یا بھاشا
ا ھندوستانی زبان میں شعر کہنے والے گزرے ہیں انہوں نے بھی مرثیے کہے ہیں - لیکن
رثیہ کو معراج کب حاصل ہوئی ؟ اس کا جواب بہت آسان ہے ' جس نے چند مرثیوں
ی ورق گردانی بھی کی ہے وہ بلا تکلف کہہ دے گا کہ انیس اور دبیر
ے زمانہ میں مرثیہ کا ھلال بدر کامل بنا ۔ تختہ تصویر پر کچھ
سیاہ سفید دھبے پہلے سے بھی تھے مگر انیس و دبیر نے نت نئی جدتوں
ے چار چاند لگادئے - پہلے کے مرثیے عموماً چو مصرعی قطعہ کی شکل میں
وتے تھے اور سادگی و اثر سے بھرے رہتے تھے - ان میں صرف مصائب
ا ذکر ہوا کرتا تھا اور ان کا صرف ایک مقصد ہوتا تھا وہ یہ کہ کربلا
ے واقعات بیان کر کے درد پذیر دلوں کو نشتر لگائیں اور سننے والے
ے اختیار رودیں —

ادبیات کی سیر کرنے والے جانتے ہیں کہ ہر زبان کی ابتدائی شاعری
یں سادگی و اثر یہی دو چیزیں غالب عناصر ہوتی ہیں - انیس و دبیر نے
رثیے کو جس حالت میں پایا اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا اور برابر
رقیاں دیتے گئے - انیس کے پہلے ھی مرثیہ چار مصرعوں (مربع) کی
د سے گزر کر ' خلیق ' کے ھاتھ میں یا ان سے بھی پہلے مسدس تک پہونچ
کا تھا ۔ اس میں انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی اور آج بھی
رثیہ مسدس (چھہ مصرعوں کے بند) ھی میں کہا جاتا ہے - فضائل کا
کر بڑھایا ' بہت سے نئے منازل چہرہ ' گریز ' صبح ' صف آرائی ' دعا ' گفتگو '
عن و طنز ' پہلوان کی لڑائی ' ساقی نامہ ' رجز ' گھوڑے کی تعریف ' علم کی تعریف '
لوار کی تعریف ' سراپا وغیرہ داخل کیا - نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ
ناظے بالکل ضروری تھے جیسے دنیا کے ہر ادب میں کومیڈی (بزمیہ)

اور ٹریجڈی (المیہ) کا ساتھ ہے ویسا ہی مرثیے میں بھی ہوگیا ' وسعتیں بھی پیدا ہوگئیں - انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ خوشی کے بعد غم اور غم کے بعد خوشی کا اثر بہت زیادہ ہوتا ہے اسی لئے اردو مرثیوں میں بھی یہ شان پیدا ہوگئی کہ سامعین کو جب چاہا ہنسا لیا جب چاہا رولا لیا —

کربلا کا واقعہ دنیائے اسلام کے لئے تمام سب سے زبر دست واقعہ تھا لہذا اس کے بعد سے یہ شاخ یعنی مرثیہ محض واقعات کربلا کے لئے مخصوص ہوگئی - اور اب تو یہ حالت ہے کہ جہاں کسی پڑھے لکھے سے " مرثیہ" کا لفظ کہئے وہاں اسکے سامنے صرف " کربلا" سے متعلق واقعات کی تصویریں نگاہ میں پھر جاتی ہیں - یہ سچ ہے کہ آپ جس کے لئے چاہیں مرثیہ کہیں مگر آج تیرہ سو برس سے نہیں تو اردو کی ابتدائی شاعری سے اور اس وقت تک اردو کے مرثیوں میں صرف کربلا کے سانحۂ عظیم کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہوتا ہے —

اردو مرثیے کی خصوصیات

(۱) انگریزی میں بھی اس طرح کا ایک شعبۂ نظم ہے جسے (Elegy) کہتے ہیں اسے دیکھئے' فارسی اور عربی کے مراثی اور ہندی کے مرثیوں سے مقابلہ کیجئے تو نوعیت ' پیرایۂ بیان ' معنوی اور ظاہری تمام خوبیوں میں اردو کے مرثیے بڑھے چڑھے ہوئے ملیں گے - واقعات اور اعتقادات سے قطع نظر زندگی کے جتنے پہلوؤں کا مرثیوں میں ذکر ہوتا ہے وہ بجائے خود نہایت مفید اور اعلی ہیں —

(۲) زبان کی چستی ' محاورات کی برجستگی دل میں گھر کرتی جاتی ہے —

(۳) چار چار سو بند کے مرثیے موجود ہیں - مگر اجزا میں ایسی مناسبت اور اتنا اچھوتا سلسلہ ہے کہ تمام باتیں ایک ہی زنجیر کی مختلف

کڑیاں معلوم هوتی هیں —

(۴) اخلاق اور عادات پر بہت اچها اثر هوتا هے' ادب' خلوص' وفا' ایثار' انکسار' شجاعت' صبر' قناعت' تحمل' اور بردباری کے سبق ملتے هیں - دغا' فریب' خونخواری' ظلم' نامردی' اور حیا سوز حرکات سے نفرت هوتی هے —

(۵) فکر و جودت پر جلا هوتی هے' تلازمات اور مصطلحات سے معلومات میں اضافه هوتا رهتا هے' حسیات و جذبات کی تہذیب هوتی رهتی هے —

اردو مرثیے کا ڈھانچه خارجی

(۱) چند مخصوص بحریں هیں مگر آپ جس بحر میں چاهیں مرثیه کہیں وئی قید نہیں هے - ظاهری قیود جو اب تک مرثیه گویوں نے برتی هیں وه یه هیں که جیسے مثنوی میں ایک هی بحر شروع سے آخر تک هوتی هے' ویسے هی ایک مرثیه ایک هی بحر میں کہا جاتا هے - یه نہیں که دو یا کئی بحروں میں ایک هی مرثیه هو ورنه فردیت کا خون هو جائے اور اثر و لطف کی جگه سننے والے کے مزاج میں برهمی پیدا هو جائے —

(۲) هر چهه مصرعه کا ایک بند هوتا هے بند کے آخر کے دو مصرعے مل کر ٹیپ کہلاتے هیں - چاروں مصرعوں کے قافئے اور ردیف ایک هوتی هے بیت کے قوافی و ردیف مصرعوں سے جدا هوتی هے - بیت اکثر اپنے اوپر کے سب مصرعوں سے یا کسی ایک مصرعے سے متعلق هوتی هے یعنی جو کچهه پہلے بیان کیا جاتا هے وهی مضمون یا اس سے متعلق مضمون زیاده وضاحت اور زور کے ساتهه بیت میں نظم هوتا هے - اسی لئے بیت مصرعوں سے جدا کوئی چیز نہیں هوتی اور پهر بیت کے بعد جو بند هوتا هے اس کے مضمون سے بهی بیت کا لگاؤ رهتا هے - اس طور پر بیت بیچ کی کڑی هوتی

ہے جو اپنے سے پہلے مصرعوں کو اپنے سے بعد والے مصرعوں سے ملاتی ہے یایوں سمجھئے کہ دو جملوں میں حرف عطف جو کام دیتا ہے وہی دو بندوں میں بیعت کا کام ہوتا ہے - اسی لئے عموماً مرثیہ گو ہر بند کا چوتھا مصرعہ اور بیت طبیعت پر بہت زور دے کر کہتے ہیں - بندوں کی کوئی تعداد نہیں ہے - پانچ بند سے لے کر پانسو بند تک کے مرثیے کہے گئے ہیں اور جس کا جی چاہے اس سے بڑی کر یا اس سے بھی زیادہ کہے - پہلا بند مطلع کہلاتا ہے آخر کا بند جس میں مرثیہ گو کا تخلص ہوتا ہے مقطع کہلاتا ہے - مگر اکثر مرثیوں میں ایک سے زیادہ مطلعے بھی دیے جاتے ہیں- اکثر لڑائی یا آمد یا ساقی نامہ کے سلسلے میں مطلعے کہے جاتے ہیں، مطلع میں اور دوسرے بندوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا - عام طور پر مطلع کے چاروں مصرعوں میں قافیہ و ردیف دونوں موجود ہوتے ہیں —

داخلی

(۱) مرثیہ کا مسلسل ہونا لازمی ہے - آپ جتنی وسعت چاھئے پیدا کیجئے - جتنے بند چاھئے نظم کیجئے مگر پورے مرثیے کو منتشر اور غیر مترتب واقعات کا دفتر نہ بنائیے - اس خوبی سے مسلسل قائم رکھئے کہ پڑھنے والے کو یہ بھی پتہ نہ چلے کہ تب یہاں سے کہاں پہنچ گیا - اسی لئے قصیدے میں صرف تشبیب کے بعد گریز ہوتی ہے - مرثیہ میں اکثر جگہہ گریز کرنی پڑتی ہے اور تسلسل قائم رکھنا پڑتا ہے ورنہ Unity اور Continuity ربط اور تسلسل کا خون ہو جائے گا —

(۲) فضائل و مناقب اور مختلف مدارج و منازل کی ترتیب میں فطری مناسبت ہونی چاھئے - الفاظ کا انتخاب اور موسیقی کو قائم رکھنا ضروری ہے- جس طرح کی بات کہنی ہو الفاظ بھی اسی کے مناسب ہوں، طرز

سخن بھی موزوں ہو ورنہ مرثیہ نہ رہے گا، نامناسب مصرعوں کا ایک پلندہ بن کر رہ جائے گا —

مرثیہ گوئی کی دقتیں اور اس کا کمال قاعدہ ہے کہ جو کام جتنا مشکل اور باریک ہوتا ہے اس کا کرنے والا بھی اتنا ہی ماہر اور باکمال ہونا چاہئے۔ مرثیے کی چند دقتیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں اسی سے آپ کو سچے مرثیہ گو کے کمال کا اندازہ ہو جائے گا —

(۱) سب سے بڑی دقت تو یہ ہے کہ گنے گنائے واقعات اور انھیں کا نظم کرنا ضروری اچھے سے اچھے اور انوکھے سے انوکھے حادثہ کو ایک مرتبہ کسی کے سامنے بیان کر دیجئے پھر دو بارہ اس میں کوئی لطف یا اثر باقی نہ رہے گا مرثیوں کے پڑھنے اور سننے کا رواج زیادہ تر شیعوں میں ہے اور ہر شیعہ کے تمام گھرانے والے بچپن ہی سے واقعات کربلا سے اچھی طرح واقف رہتے ہیں - پھر جب تک پیرایۂ بیان میں کوئی انوکھا حسن، کوئی اچھوتی نوک پلک نہ پیدا کی جائے بھلا سننے والے پر خوشی یا غم کی حالت طاری ہو تو کیسے۔ کبھی ترتیب میں جدت کی جاتی ہے کبھی منازل کے طول و اختصار سے نیا لطف پیدا کیا جاتا ہے اور کبھی انداز نظم بالکل بدل دیا جاتا ہے۔ جدت اور مضمون آفرینی کے بغیر کوئی ناظم کامیاب مرثیہ گو نہیں ہو سکتا پھر بھی ایک قید نہیں؛ تسلسل کی ضرورت ایک طرف، مناسبت ایک طرف اور حفظ مراتب ایک طرف، ان قیود کے ساتھ کوئی کہہ لے اور اچھا کہہ لے تب پتہ چلے کہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" ہوتا ہے یا "بگڑا مرثیہ گو شاعر" —

(۲) جس طرح ڈرامہ جب تک اسٹیج پر نہ دکھایا جائے پورا لطف نہیں

دے سکتا اسی طرح جب تک مرثیہ گو اچھا ذاکر ٹیکانے سے پڑھ کر نہ سنائے پورا لطف نہیں آسکتا دونوں میں بعض قاعدے مشترک ہیں۔ ڈرامہ میں بھی ایک ہیرو ہوتا ہے مرثیہ میں بھی کوئی خاص ہستی مخصوص ہوتی ہے۔ ڈرامہ میں ہیرو کے صفات بیان کرکے اس سے ہمدردی پیدا کرائی جاتی ہے [illegible] ہوتا ہے۔ ڈرامہ میں دوسری ہستیوں میں بعض متضاد [illegible] باتیں ہیں، یہاں بھی دشمنوں سے وہی کام لیا جاتا ہے۔ ڈرامہ میں کبھی کبھی ہیرو کی غلطیاں [illegible] انہیں [illegible] ڈالا جاتا ہے، مرثیہ میں اعتقاداً ایسی کوئی بات نہیں [illegible] اسٹیج کے ساز و سامان، ڈرامے کے اثر اندازی کی [illegible] ہیں، مختلف قسم کے لباس اور پردے ڈرامہ [illegible] ہیں، یہاں صرف ذاکر کی آواز کا اتار چڑھاؤ [illegible] چہرے [illegible] حرکتیں ہوتی ہیں (Facing اور Acting) [illegible] سے نہیں ہوسکتی جتنی اسٹیج پر ہوتی ہیں۔ رنگ [illegible] پردے، باجے ان تمام چیزوں کی کمی مرثیہ گو کو [illegible] بتاتا، ڈرامہ نویس سے مرثیہ گو کا کام مشکل ہے [illegible] کو اپنی آنکھوں سے بھی بہت مدد ملتی [illegible] مرثیہ [illegible] کو بعض سامعین کی امداد ملتی ہے مگر مرثیہ گو کا کمال یہ ہے کہ لفظوں میں ایسا سحر بھر دیتا ہے کہ سننے والے [illegible] کیفیات طاری ہوجاتی ہیں جو مقصود ہوتی ہیں۔

(۳) مرثیہ گو کو مصور سے کہیں زیادہ صاحب کمال ہونا چاہئیے۔ کاغذ اور روشنائی، موقلم اور قرطاس کی جگہہ مرثیہ گو کے پاس ضرور رہتی

ہیں مگر مختلف رنگوں کی جگہہ صرف الفاظ رہتے ہیں - اور کامیاب مرثیہ گو کو قدم قدم پر تصویریں کھینچنی پڑتی ہیں- پھر جب تک کوئی جدت نہ ہو اس کا اثر خاطر خواہ نہیں ہو سکتا - مصور کو بھی نظر ناظر سے بہت کچھہ مدد ملتی ہے مگر مرثیہ گو کے لئے صرف سامع کی سماعت ہوتی ہے اور کچھہ نہیں —

(۴) ایجاز اور اشارات کا اتنا صحیح مصرف ہونا چاہئے کہ سنئے اور آپ کے سامنے آپ سے آپ تمام مقصود ذہنی تصویریں پھر جائیں —

(۵) ٹریجیڈی اور کومیڈی ایسے پہلو بہ پہلو رہیں کہ سننے والے کی طبیعت بھی اچاٹ نہ ہو اور جو مقصد اصلی ہے یعنی فضائل سن کر محظوظ ہونا اور مصائب سن کر رو دینا وہ بھی حاصل ہو جاے —

(۶) مختلف مذاق، خیال اور قابلیت و عمر کے لوگ مجلس میں جمع ہوتے ہیں - مرثیہ گو کو ان سب باتوں کا خیال بھی رکھنا ضروری ہوتا ہے - یہی وجہ ہے کہ اردو میں ان واقعات کے نظم کرنے والے تو سینکڑوں ہوے ہیں اور اب بھی ہیں مگر ادبی نقطۂ نگاہ سے کامیاب مرثیہ گو صرف دس ہی پانچ ہوے ہیں —

مرثیوں کے روشن پہلو میں نے مضمون کی اس کڑی میں مرثیے کے ان تمام پہلوؤں کو چھوڑ دیا ہے جو مصائب سے متعلق ہیں یا جن کا تعلق کسی خاص روایت یا واقعہ سے ہے کیونکہ ان میں کتنی ہی خوبیاں کیوں نہ ہوں عالمگیر دلچسپی ذرا مشکل سے پیدا ہو سکتی ہے —

مرثیے کی تحلیل (۱) چہرہ - جیسے قصیدے میں تشبیب یا تمہید ہوتی ہے مرثیہ دعا، یا تعلی، یا انکساری یا بہار یا اور کسی موضوع کا حامل ہوتا ہے - اور اس کے بعد اصل واقعات کی طرف

گریز ہوتی ہے —

(۲) ساقی نامہ جہاں طلب اعانت ہوتی ہے —

(۳) صبح صبح کا سماں — نماز

(۴) دوپہر صحرائے عرب کی گرمی

(۵) سواری آمد کی شان —— علم کی تعریف — نہر کی تعریف

(۶) تلوار کی تعریف

(۷) گھوڑے کی تعریف

(۸) جنگ کی حالت

(۹) بھاگڑ

(۱۰) طعن و طنز کی باتیں

اس کے علاوہ اور بھی بہت سے روشن پہلو نظم کئے جاتے ہیں۔ یہ پہلو صرف وہ ہیں جو عام طور پر مرثیوں میں پائے جاتے ہیں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ جس ترتیب سے میں نے دکھایا ہے بالکل وہی ترتیب ہر مرثیے میں قائم رہے۔ کمی اور زیادتی کے ساتھ ساتھ رد و بدل بھی ہوا کرتی ہے۔ اگر میں اس سلسلہ کی اور کڑیاں بھی لکھ سکا تو رفتہ رفتہ تمام روشن پہلو اور تمام نفسیاتی اور حاسل فہم پہلوؤں پر روشنی پڑ جائے گی —

چہرہ | چہرہ کے لئے بندوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔ مگر جس کے حال کا مرثیہ ہوتا ہے اسی کی مناسبت سے موضوع بھی تلاش کیا جاتا ہے، مقصود مضمون کی طرف الفاظ اور معانی میں خفیف سے اشارات حسن چہرہ کو دوبالا کردیتے ہیں۔ کبھی عجز و انکسار کا اعتراف کیا جاتا ہے، کبھی اللہ سے مدد مانگی جاتی ہے، کبھی ناظم خود اپنی قوت شعر کو مخاطب

کرتا ھے۔ تھوڑی سی مثالیں ذیل میں پیش کی جاتی ھیں —

سونس

اے شیر طبیع آ ج ے مضموں شکار کر اے تیغ نطق اپنی برش آشکار کر
ہاں اے اوج فکر ... ... اے ... ک ... دل اعدا فگار کر

کچھ ... ھے ... صف ... کار زار کی
اجری ھر ایک ... میں ... ذوالفقار کی

دیکھنے کی بات یہ ھے کہ مصرعے آپس میں کس قدر مربوط ھیں اور معانی میں کیسا تسلسل ہے جو انداز پہلے مصرعہ میں اختیار کیا گیا ھے وھی برابر قائم رکھا گیا ھے۔ زبان ... شیر سے ... مشابہت دیتے ھیں مونس نے نطق کی شمشیر بنائی ھے ... اسی واسطے ... زبان بغیر نطق کے ویسے ھی ھے جیسے تلوار بغیر پانی کے ھوتی ... بیت ... مصرعی شعر کو کہتے ھیں ذوالفقا ... دو مصرعی ... کو ... ھیں۔ دیکھئے کس لطف سے ذوالفقار کی چمک دمک اور ... دکھا دی ھے —

دکھلا وہ گل کہ بلبل مرد ... ... اوج ... مہر ... پست ھو
مضموں کے ... ... بلند ... ھو ... کو تازہ رنگ سے ھر جا نشست ھو

لفظوں سے ... در معنی اترے ھوئے
حاتم پہ ... ... جڑے ھوئے

یہ دوسرا رنگ ھے ... ... سے زائد داخل کیا گیا ھے۔ ورنہ محض کار زار کی ... حساس طبیعتوں پر بار ھوجاتی — اگلے ورق پہ ... ... تازہ سے کوئی ... کم

ایک ایک مد میں ہو برش خنجر دودم نون کشیدہ صاف دکھادے کماں کا خم

ایک ایک دائرہ سپر لاجواب ہو
ہر لام الف میں تیغ دو پیکر کی آب ہو

جس مرثیے کا یہ چہرہ ہے وہ جناب عباس کی شان میں ہے ۔ ممدوح کی خاص صفت شجاعت ہے ۔ اس نے بیان و قبول کے لئے مرثیہ کو ناظرین اور سامعین کو کس حسن سے تیار کرتا ہے اور مخاطبین کے جذبات میں وہ صلاحیت پیدا کر دیتا ہے جس کی ضرورت ہے —

... ...

لواب نشان فوج مضامیں ہوئے بلند تیغ زباں کھلی جو میاں دھی تھی بند

پھرنے لگے جنود معانی نگاہ میں
کڑکا ہوا صریر قلم کا سپاہ میں

عرب کی لڑائیوں کا قاعدہ تھا کہ جب مقابل کی فوجیں آمنے سامنے صف بستہ ہو جاتی تھیں تو نقیب یا کڑکیت صفوں سے نکل کر جوش دلانے والے اشعار یا منقبت دنیا کی نظمیں پڑھتے تھے جن سے بڑا خروش پیدا ہو جاتا تھا ۔ اسی کو کڑکا کہتے ہیں —

نفیس

ہاں اے سنان غم جگر و دل کے پار ہو

علی اکبر سینے پر بھالا کھا کر شہید ہوئے تھے ۔ لہذا مطلع کے پہلے ہی مصرعے سے مرثیہ کا مقصود و ممدوح ظاہر ہو جاتا ہے —

" مونس "

اے طبع رسا صیقل شمشیر زباں ہو اے پرچہ الماس سخن نور فشاں ہو

اے شمع ذکا روشنی بزم جہاں ہو اے سو قلم آئینۂ کاغذ پہ رواں ہو

... ...

... ...

پہلے مصرعے میں مونس نے ایک نہایت اہم نفسیاتی راز بتایا ہے۔ اس مسئلہ پر اکثر فلسفیوں نے رسالے کے رسالے سیرہ قلم کردئیے ہیں - اور حقیقت بھی یہی ہے، کہ خیالات جتنے نازک اور پاکیزہ ہوتے ہیں الفاظ بھی اتنے ہی اچھے اور صاف زبان سے نکلتے ہیں - اسی لئے الفاظ، طبیعت کا عکس یا فقرے دماغ کا آئینہ کہے جاتے ہیں - اسی خیال کو سعدی نے کہا ہے —

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد

وہی بات مونس نے ایک مصرعے میں ادا کردی ہے اور اس حسن و لطف سے کہ معانی میں چار چاند لگ گئے ہیں —

اقلیم ثریا ہے قلم باج ستاں ہے کاغذ ورق مہ کی طرح نور فشاں ہے
لفظوں پہ در درخشندہ ستاروں کا گماں ہے ——————————

... ...

... ...

وحید

... ...

الفاظ ہیں کہ جوڑتے ہیں گویا دہن سے پھول گلچین کہاں ہے آ کے چنے انجمن سے پھول

پژمردہ کوئی گل ہے نہ کانٹے کا نام ہے

گو غور کیجئے تو یہ رنگ کلام ہے

کیا بات ہے سخن کی ثنا کیا کروں بیاں   یہ فیض ہے اسی کا جو ممتاز ہے زباں
ہوتا ہے اس سے نام جہاں میں کہاں کہاں   ہے جنس بے بہا جو کریں غور قدرداں
حسرت میں بھی غنی ہے بشر گر بہم ہے یہ
صدقے جواہر اس پہ ہو ایسی رقم ہے یہ

... ...

... ...

مائل ہوا کبھی نہ کسی لالہ فام پر
سوجاں سے ہوں نثار تو حسن کلام پر

پھر ناقدری کا شکوہ کتنے دل سوز پیرائے میں کرتے ہیں
اور کس قدر عالمگیر واقعات کا اظہار کرتے ہیں —

ناقدر ہو جہاں تو سخن ور کا کیا قصور   عنقا ہوں بلبلیں تو گل تر کا کیا قصور
معدوم اہل دل ہوں تو دلبر کا کیا قصور   نایاب جوہری ہوں تو گوہر کا کیا قصور
بینا نہوں تو حسن کا ہرگز گلا نہیں
طالب نہوں تو مشک ختن کی خطا نہیں

اس مرثیے کا ممدوح یا مقصود جناب علی اکبر ہیں جو امام حسین کے بڑے بیٹے تھے اور نہایت حسین و جمیل تھے - لہذا چہرے میں بھی حسن و جمال کی لڑیاں پروئی گئی ہیں —

... ...

ہاں پھر قلم قطع ہو شاخ شجر طور   اور حل ہو سیاہی کے عوض سرمۂ منصور
شہرت کی جا سرخیٔ روئے شفق آئے
خورشید درخشاں کا طلائی ورق آئے

یہ جس زمانے کے شعر ہیں تب نہ اس طرح کے کاغذ تھے نہ ایسی روشنائی استعمال ہوتی تھی سنہرے اوراق پر سیاہی سے لکھا جاتا تھا مشک بید کا قلم ہوتا تھا سیاہی میں چمک پیدا کرنے کے لئے شنجرف حل کی جاتی تھی —

اور جب ممدوح کی تصویر کھنچ جائے تو

... ...

... ...

قدرت ہو نمایاں قلم صنعت حق کی
ہو چار طرف جلوہ گری ایک ورق کی

وحید

اے قلم دامن کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر اے سخن منتظم نظم دلاویز ہو پھر

... ...

... ...

... ...

ایک طرف رن میں نظر آئیں ہزاروں روباہ ایک طرف ایک بہادر ہو بصد شوکت وجاہ
وارکرتا ہوا زوروں پہ چڑھا جاتا ہو
وہ ہٹے جاتے ہوں جرار بڑھا جاتا ہو

جرار سے امام حسین کے بہادر بھائی حضرت عباس مراد ہیں۔ دیکھئے قلت و کثرت کی تصویریں کتنی جاذب نگاہ ہیں الفاظ اور انداز بیان کتنا پر اثر ہے۔

جو بہادر ہیں وہ باہم یہ کریں تقریریں آنکھ سے دیکھتے ہیں چلتی ہوئی شمشیریں

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ادراک و تصور پر مکمل چہرہ کا اتنا پاکیزہ اثر پہونچتا ہے کہ میدان تخیل و تصور میں حقیقتاً تلواریں چلتی ہوئی

نظر آتی ہیں، سننے والا بالکل محو ہو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ یہ جنگ سامنے ہی ہو رہی ہے - تھوڑی دیر کے لئے بس وہ ہوتا ہے اور مرثیہ گو کے الفاظ کے اثر سے جو عالم پیدا ہو جاتا ہے وہ عالم رہتا ہے۔ یکسوی، تاثیر کی بدولت وہ اپنی ذات اور اپنے گرد وپیش کے اور اثرات سے عارضی طور پر بے خبر ہو جاتا ہے - اور جس حد کی بے خبری ہو اسی حد تک مرثیہ گو کے کہاں کا پتہ چلتا ہے —

کردیا محو یہ اسی نظم کی ہیں تاثیریں　　جنگ عباس کی ہر بزم میں ہیں تصویریں

دل میں کیفیت جرات جو سما جاتی ہے

کان میں تیغ کی جھنکار سی آ جاتی ہے

بیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ محض حسن خیال ہی نہیں ایک نفسیاتی حقیقت بھی ہے - جس طرح ایک بد مست شرابی ' دوران نشہ میں عجیب و غریب شکلیں دیکھتا ہے یا جس طرح سونے والے کو حالت خواب میں ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جن کا کوئی وجود عالم مادی میں نہیں ہوتا۔ اسی طرح سماعت کے بہت زیادہ ذکی الحس ہو جانے کے بعد مریض کے کان میں عجیب و غریب آوازیں آتی ہیں - انتہائے شوق ' شدت انتظار' یا کمال محویت کے عالم میں بھی یہ کیفیات انسان پر طاری ہوسکتی ہیں اور طاری ہوتی ہیں - اگرچہ ہر شخص پر اختلاف حس وادرک کی بدولت یکساں اثر نہیں ہوتا ...

وحید کا ممدوح اتنا بلند مرتبہ اور اس قدر شجاع ہے کہ صرف اس کی جنگ کے حالات بیان کرتے وقت الفاظ اور فقرات میں ایک ہل چل مچ جاتی ہے - تو پھر آپ ہی بتائیے خود ذات ممدوح جس وقت میدان رزم میں خنجر بکف رہی ہوگی اس وقت دشمن کی فوج کا کیا عالم ہوا ہوگا —

جو رقم ہو چکا ہے اس میں تلاطم ہے عیاں　　ڈر سے الفاظ ہیں سکتے میں کہ چھپ جائیں کہاں

دب کے نقطے کے تلے حرف کسی جا هیں نہاں دائرے میں کہیں نقطه هے سمت کر پنہاں

مدمیں تن اپنا الف صاف چھپائے هوے هے

سر کو دامن میں هر ایک قاف چھپائے هوے هے

تیسرے اور چوتھے مصرے میں اقلیدس کی یه نزاکت بھی حسن تعلیل کے ساتھ بتائی گئی هے که نقطه دائره اور حرف سبھوں کا منبع صرف ایک چیز هے - ایک هی پر تینوں کی بنیاد هے۔ حرف اور دائره کیا هے یا تمام لکیریں کیا هیں صرف نقاط کا مجموعه اور کچھ نہیں —

... ...

نہیں ثابت که تشدد میں هے تشدید کدھر برم کا عزم هے بالجزم که اب یاں نه ٹھہر

... ...

... .

لفظ جو هیں عربی ان میں هے تازی هل چل یک قلم آ گیا آپس کی روابط میں خلل

.. .. جتنے عامل هیں اٹھے جاتے هیں ان سب کے عمل

... ...

حو کے عاطف تھے وہ معطوف هوے جاتے هیں

... ...

لفظ یوں هوتے هیں ڈر سے متفرق هر جا جیسے تقطیع میں هو رکن سے هر رکن جدا

رح ضمیروں کے بھی دهشت سے پھرے جاتے هیں

هو کے بے حس الف اصل گرے جاتے هیں

اردو میں کثیر تعداد میں مرثیے اور اکثر مرثیوں میں چہرے هیں: مگر مختلف مرثیه گویوں سے قطع نظر خود ایک هی ممدوح کی شان میں ایک هی مرثیه گو کے دو یا زائد مرثیے کے چہرے ایک دوسرے سے بالکل الگ تھلگ رهتے هیں

یہی حال تمام مقامات کا ہوتا ہے، جدت اور قادرالکلامی اسی کا نام ہے۔ ان چھ مصرعوں کے پڑھنے کے بعد مردم نا شناس زمانے کے ہاتھوں سے دکھ اٹھاتے ہوئے دلوں میں نئی روح دوڑ جاتی ہے —

نفیس

... .

خودانپی اوج پہ نازاں ہوں انکسار کے ساتھ   یہ بے خزاں مجھے گلشن ملا بہار کے ساتھ

انیس

دیکھئے خود ستائی عیب ہے مگر جائز تعلی حسن ہے (ع) ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے۔ اس واسطے کہ تعلی ایک قسم کی حقیقت نگاری ہے اور پھر جب انیس تعلی کی باتیں کریں تو حسن واثر کا کیا کہنا —

نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری   ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اڑتے ہیں وہ رنگیں ہے عبارت میری   شور جس کا ہے وہ دریا ہے طبیعت میری
عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

. . ..

ایک قطرہ کو جو دوں بسط توقلزم کردوں   بحر مواج فصاحت کو تلاطم کردوں
ماہ کو مہر کروں ذرہ کو انجم کردوں   گنگ کو ماہر انداز تکلم کردوں
درد سر ہوتا ہے بیرنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

چوتھے مصرعے میں مبالغہ نہیں ہے واقعہ ہے - اگر کوئی شخص فطری گنگ پیدا ہوا ہو جب بھی ماہر انداز تکلم ہو ہی سکتا ہے ورنہ ہر درجے کے گونگے مناسب علاج و نگاہداشت سے صاحب تکلم بن سکتے ہیں —

بیسیوں میں بعض ہمعصروں سے کتنی اچھوتی چشمک ہے سب کچھ کہہ گئے

مگر استقراء کا اتنا زر نگار اور ریشمی پردہ کھچا ہوا ہے کہ اهل نظر سے قطع نظر معمولی لگا ہیں محض ظاہری پھول پتوں کی صنعت اور چمک دمک میں کھو کر وہیں کی وہیں رہ جاتی ہیں —

دوسرے مصرعے میں میں نے کو/میں دو لفظ لکھے ہیں چونکہ مجھے یقین نہیں ہو سکا کہ انیس نے "کو" لکھا تھا یا "میں" لہذا میں نے بھی دونوں نسخوں کے دونوں لفظ باقی رکھے ہیں صاحبان نظر خود ہی فیصلہ کرلیں گے خدا جانے کیوں جس طرح اسمانی کتاب والوں کو کتب یزدانی میں کسی قسم کی تحریف نا پسند ہے اسی طرح مجھے بھی انیس کے کسی لفظ کو کہیں سے ھٹا دینے یا بدل دینے میں بڑا دکھہ ہوتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک کوئی انیس ہی کا ساصاحب کمال نہو اسے کسی تحریف کا قانونی یا اخلاقی ' ادبی یا علمی یا کسی اور طرح کا کوئی حق ہی نہیں ہے —

*

نثر ہے سجع نہیں نظم معلے موزوں کہیں سکتہ نہیں آسکتا کہا نا موزوں

تول لے عقل کی میزان میں فہمیدہ ہے

بات جو منہ سے نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

* قلزم رحمت معبود کا قطرہ ہوں میں

جس میں لاکھوں درے مرجان ہیں وہ دریا ہوں میں

دیکھئے کتنی اچھوتی دعا مانگتے ہیں

*

*

جد و ابا کے سوا اور کوئی تقلید نہ ہو
لفظ گلبلک نہ ہو تغلق نہ ہو تقلید نہ ہو

وہ مرقع ہو کہ دیکھیں اسے گر اہل شعور ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے کہیں نور
شش جہت میں ہو یہ غل ہے بہ قلم طرفہ دور لفظ اور حرف میں ہو قدرت صانع کا ظہور

— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

قلزم فکر سے کھینچوں جو کہیں بزم کا رنگ شمع تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
— — — — — — — — — خوں برستا نظر آئے جو دکھاؤں صف جنگ

— — — — — — — — —

بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

دیکھئے جو مضمون اس مصرعہ میں ادا ہوا ہے وحید نے بھی اسی کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے ع انکھ سے دیکھتے ہیں چلتی ہوئی شمشیریں - اب دونوں کا فرق آپ خود ھی دیکھ لیجئے - ایک بجلی کے لفظ سے انیس نے نفس مضمون کو کس درجہ بلند کر دیا ہے - تیزی اور چمک کی دو خوبیاں ایسی انوکھی پیدا کردی ہیں کہ حسن بھی دوبالا ہو گیا ہے اور مفہوم فطرت سے بھی زیادہ قریب ہوگیا ہے اس لئے کہ خیالی شمشیریں بس ایسی ھی دکھائی دیتی ہیں جیسے بجلی چمک کر چھپ جائے —

انیس دعا ھی کے سلسلے میں ان تمام خصوصیات کا ذکر عجیب خوبی سے کرجاتے ہیں جو ان کے کلام کی جان ہیں اور جو ان کے یہاں ہر جگہ موجود ہیں

روز مرہ شرفا کا ہو سلاست ہو وہی لب و لہجہ ہو وہی ساری متانت ہو وہی
سامعین جلد سمجھ لیں جسے صنعت ہو وہی یعنی موقع ہو جہاں جس کا عبارت ہو وہی

— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

ہے کبھی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے تیر کی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگس جادو کے لئے زیب ہے خال سیہ چہرۂ گلرو کے لئے

داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد

یہی بات ہے جو اکثر ناظمین کو مرتے دم تک نصیب نہیں ہوتی انیس عام طور پر فصیح مشہور ہیں میں عرض کروں گا کہ ان کے کلام میں فصاحت کے دوش بدوش ایسی حد تک بلاغت بھی موجود ہے لوگ غلطی سے دقیق کلام کو بلیغ سمجھتے ہیں - اس جگہ صاحب موازنہ کو بھی دھوکا ہو گیا ہے - حالانکہ بلاغت کی بہترین تعریف یہ ہے کہ " ایراد الفاظ بر محل " جو انیس کے یہاں بدرجہ اتم موجود ہے —

نفیس

(سخن کی مدح)

— — — — — — — — زندہ ہیں دل میرے سخن لاجواب سے
— — — — — — — سرسبز نظم ہے کرم بوتراب سے

شاداب اس طرح ہیں ریاض سخن کے پھول
جیسے بہار میں تر و تازہ چمن کے پھول

خشبو ہے جس سے باغ جناں یہ وہ باغ ہے جس میں نہیں ورود خزاں یہ وہ باغ ہے
ہر گل ہے جس کا عطرفشاں یہ وہ باغ ہے — — — — — — — —

یاں کیوں نہ بلبلوں کے اڑیں باربار رنگ
جس میں ہزار قسم کی بو ہے ہزار رنگ

رشید

اپنے دل کے متعلق

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — —

گرم آہوں کے سبب گرم ہوا آتی ہے
یوں دھڑکتا ہے کہ ماتم کی صدا آتی

— — — — — — — — — — — — — — — —

یہی دل تھا کہ جو رکھتا تھا سراپہلو گرم　　اسی سے آنے لگے انکھہ میں اب آنسو گرم
روز دن رات میں منھہ کو کئی بار آتا ہے
خوب رولیتا ہے جب یہ تو قرار آتا ہے

سلیس

وہ گل ہوں کہ جس پاس خزاں آنہیں سکتی　　وہ باغ ہوں صرصر جسے سوجھا نہیں سکتی

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

ڈر ہے مجھے گلچیں کا نہ دھڑ کا ہے خزاں کا
زمانہ کا رنگ ناقدری کا عالم اور ہمت دلانا

ہر جلد جہاں میں چمن نظم ہے بیرنگ　　ہر غنچہ دہن گلشن دنیا میں ہے دل تنگ
جو قلب کہ تھے نرم وہ اب ہو گئے ہیں سنگ　　باہم گل و بلبل میں محبت کا نہیں ڈھنگ
پژمردہ نہالان گلستان جہاں ہیں
آنسو گل نرگس کی بھی آنکھوں سے رواں ہیں

گلزار جہاں میں کوئی دل شاد نہیں ہے　　وہ کون سا ہے پھول جو برباد نہیں ہے
قمری کو توجہ سوے شمشاد نہیں ہے　　بلبل کو بجز نالوں کے کچھہ یاد نہیں ہے

گلشن میں خس و خار کا انبار عیاں ہے
شبنم کے عوض خوں رگ گل سے عیاں ہے

لیکن شعر طبع میں آتے ہیں نئے بار   ہے دل میں کہ خرمن میں لگا دیجئے انبار
ان پھولوں سے گلدستہ تو کیجئے تیار   شرمائے جسے دیکھ کے فردوس کا گلزار

... ...

... ...

تعشق

جناب حر کی شان کا مرثیہ ہے۔ واقعات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ حر دسویں محرم کی صبح تک اعدا کی فوج میں شامل تھا۔ لہذا شاعر عالم تصویر میں اس کی رات کے جذبات کی بے چینی کا خیال کر کے دلدوز تصویریں کھینچتا ہے مگر ایسا اچھا استقرا کرتا ہے کہ عالمگیر حسن و اثر پیدا ہو جاتا ہے اگر یہ نہ بتایا جائے کہ مرثیے کا چہرہ ہے تو امانت کے واسوخت کا لطف آتا ہے—

سچ ہے دنیا میں شب ہجر بلا ہوتی ہے   دمبدم آرزوئے مرگ سوا ہوتی ہے
آہ سینے کے لئے تیر جفا ہوتی ہے   دل جلاتی ہے جو ٹھنڈی بھی ہوا ہوتی ہے
زندگی کہتی ہے دنیا سے گذر جانے کو
دل تڑپتا ہے گلا کاٹ کے مر جانے کو

کسی کروٹ کسی پہلو نہیں آتا آرام   بستر نرم پہ سونے کو سمجھتے ہیں حرام
سو طرح کے دل بیتاب سے ہوتے ہیں کلام   جان آتی ہے جو لیتا ہے کوئی موت کا نام
طائر جاں قفس جسم میں گھبراتا ہے
دل سوئے کوچۂ محبوب کھنچا جاتا ہے

دونوں آنکھوں سے بہا کرتے ہیں اکثر آنسو | دل جو اُمڈے تو نکل آئے نہ کیونکر آنسو
ہجر محبوب میں تھمتے نہیں دم بھر آنسو | جب لیا نام نکل آئے برابر آنسو
بات کرتا ہے کوئی گر تو بری لگتی ہے
سانس لینے میں کلیجہ پہ چھری لگتی ہے

ہم دوری میں کہاں فکر ہر ستاری دل | درد اٹھتا ہے جگر میں پئے غمخواری دل
کھینچتی ہے طرف دوست گرفتاری دل | بے لئے جان کے جاتی نہیں بیماری دل
لاکھ راحت ہو تو دم زیست سے گھبراتا ہے
لزم میں زانوے محبوب پہ چین آتا ہے

کرب میں رات جدائی کی بسر ہوتی ہے | ملئے دلرنگ جہاں خون جگر ہوتی ہے
دل کو تعجیل فراق تن و سر ہوتی ہے | عید ہوتی ہے جو ملنے کی سحر ہوتی ہے
لاکھ روکیں رہ الفت کے بھلانے والے
جاتے ہیں کوچۂ محبوب کے جانے والے

عشق میں ہے شب مہتاب جدائی شب تار | پھول کو دیکھ کے چبھتے ہیں کلیجے میں خار
ذکر محبوب جو ہوتے ہیں میان اغیار | چلتی ہے عاشق کامل کے جگر پر تلوار
سخن دشمنی دوست جو سن پاتا ہے
لڑکے مر جائے عاشق کو یہ جوش آتا ہے

عشق میں حال بنایا نہ پریشاں کس نے | دل پہ نہ کھائیں نہ غم و درد کی چھریاں کس نے
نہ کئے دوست پہ قرباں دل و جاں کس نے | بے قراری میں نہ کاٹی شب ہجراں کس نے
یوں تو کس کس پہ نہ فرقت کی مصیبت گذری
حر پہ لیکن شب عاشور قیامت گذری

کوثر

یہ چہرہ بھی اپنے رنگ میں بے مثل ہے دو رنگی عالم اور بہار خزاں کے مناظر

ایسے دیدہ زیب کھینچے گئے ہیں کہ بس پڑھئے اور لطف لیجئے - ایجاز و اشارہ کا انتہالطیف صرف کیا گیا ہےکہ دوبلا کے و اقعات کی تصویریں جاننے والوں کی نگاہ سے آپ سے آپ پھرنے لگتی ہیں —

ہمیشہ گلشن عالم کا ایک حال نہیں ... ...

وہ کون ہےجسےدنیا میں کچھ ملال نہیں ... ...

... ...

کہیں برات جنازہ کہیں نکلتا ہے

غرض دو رنگی عالم کا ہے عجب عالم سحر کو خلد ۂ شادی ہے شام کو ماتم

کہیں‌توعیش و طرب‌ہےکہیں‌ہے رنج وغم ... ...

کہیں تو عاشق و معشوق ساتھ سوتے ہیں

اور اک جگہ کہیں میت پہ بین ہو تے ہیں

خوشی‌خوشی‌کوئی‌حجلہ‌میں‌بن‌رہی‌ہے‌دولہن کوئی ہے لاش پہ شوہر کی اپنے نعرہ زن

کسی کے جامۂ نو ہو رہا ہے زیب بدن کہیں کسی نے لئے قطع ہو رہا ہے کفن

کسی کو بیاہ سے اپنے فراغ ہوتا ہے

کسی غریب کا گھر بے چراغ ہوتا

کسی‌کو عیش کے سامان ہیں سب‌بہم یکسر پڑا کراہتا ہے کوئی اپنے بستر پر

کوئی ہے شاد کوئی پیٹتا ہے اپنا سر پرائے دیس‌میں ویراں‌کسی‌کا ہوتاہےگھر

کہیں ہے بیاہ رچا جمع سب خدائی ہے

کسی کے گھر میں کہیں سے سنائی آئی ہے

کہیں ہے عیش و نشاط و سرور کا ساماں کہیں ہے نزع ہنگام اور بند زبان

کہیں تولد فرزند سے کوئی خنداں جواں پسر کے لئے رو رہی ہے کوئی ماں

کسی کے حال پہ لطف کریم ہوتا ہے
مگر کہیں کوئی بچہ یتیم ہوتا ہے

کسی کو بخشی ہے خالق نے مسند زر تار　　ہر ایک طرح کے سامان عیش ہیں تیار
ہے ایک بستر غم پر پڑا ہوا بیمار　　دوا تلک نہیں ملتی اسے کہ ہے نادار
غذا نہیں ہے میسر تو غم وہ کھاتا ہے
کوئی نہیں ہے عیادت کو پر غش آتا ہے

کسی کے پاس ہے دنیا میں دولت بے حد　　... ... ...!
مکان بنانے میں کرتا ہے کوئی جد و جہد　　کسی کے واسطے تیار ہو رہی ہے لحد
کہیں خوشی ہے کسی ماں کی گود بھرتی ہے
کہیں اجڑتی ہے مانگ اور نتھہ اترتی ہے

ہر ایک سمت دو رنگی جہاں میں ہے عیاں　　کہیں بہار ہے گلشن میں گاہ دخل خزاں
کہیں ہیں پھولوں کے انبار اور کہیں ویراں　　شجر ہیں سبز کبھی گاہ زرد کہہ عریاں
کبھی بہار میں سب جانور چہکتے ہیں
ہوائے تند سے پتے کبھی کھڑکتے ہیں

بہار آئی چمن میں ہوا عجیب سماں　　ہنسی گلوں میں ہے اور بلبلوں میں شورفغاں
چمن میں اڑنے لگی خاک جب کہ آئی خزاں　　یہ حال دیکھہ کے شبنم بھی ہوتی ہے گریاں
نہیں ہے نام کو بھی اب نشان سنبل کا
مقام بوم ہے جو آشیاں تھا بلبل کا

پڑے ہیں الٹے گلوں کے ایاغ ایک طرف　　بپا درختوں پہ ہے شور زاغ ایک طرف
جو فرش سبزہ تھا ہیں اس میں داغ ایک طرف　　نیچے کھچے ہیں جو انان باغ ایک طرف
نہیں صفا کہیں یہ حال آب جو کا ہے
جہاں بہار تھی اب وہ مقام ہو کا ہے

چلی کچھ ایسی ہوا جو اجڑ گیا گلشن   لٹا ہوا ہے جوانان باغ کا جو
پڑے ہیں سوکھے ہوئے پھول کچھ میاں چمن   انہیں کے سوگ میں ہے عندلیب نعرہ
بہیں نه آنکھوں سے کیوں اشک حال بلبل پر
پروں کو دھول نے بیٹھی ہے مشہد گل پر

عجب طرح کی یه کچی ہے خزاں نے بے دردی   نه شکل باغ کی ظالم نے کیا سے کیا کردی
نسیم چلتی ہے اور نه سحر کی ہے سردی   ہر ایک سو چمنستان په چھاگئی زردی
چمن میں سوکھ گئے ہیں درخت پھولوں کے
مگر بہار په ہیں سب شجر ببولوں کے

بگولے اٹھتے ہیں ہر سمت اڑ رہا ہے غبار   ہیں جا بجا خس و خاشاک کے لگے انبار
لباس چھن گئے عریاں کھڑے ہیں سب اشجار   مگر جو خشک ہیں بیلیں وہ ہیں گلے کا ہار
نه شور کبک نه پائل صبا کی آہٹ ہے
مگر کبھی کبھی پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ ہے

نه باقی نام کو سبزی رہی فضاؤں میں   عوض میں پانی کے مٹی بھری ہے تھالوں میں
ہیں خشک نہریں تری تک نہیں ہے نالوں میں   جو تازگی ہے تو بلبل کے دل کے چھالوں میں
ہیں سوکھے پھول جو مل مل کے ان پر روتی ہے
بس آج باغ سے بلبل وداع ہوتی ہے

نیسان

اے قلم معرکۂ جنگ کی تصویر کھینچ   جو کشش درت کی ہو صورت شمشیر کھینچ
عطر گلہائے جراحت دم تحریر کھینچ   جو دمکتے ہیں صفت نعرۂ تکبیر کھینچ
سطریں دکھلائیں چمک برق سے ہتیاروں کی
ہو نه رزم میں صدا تیغوں کی جھنکاروں کی

ماجد

(انکسار)

هو اثر جن میں ان الفاظ په قدرت هو نهیں　　سخن و شعر کی ناچیز کو عادت هی نهیں
پانوں میں معرکه میں رکھو یه همت هی نهیں　　رنگ محفل هو جمے ایسی طبیعت هی نهیں

... ...

... ...

(التجا)

میری هر بات میں ایک درد کا پہلو نکلے　　شور تحسین نه سهی آنکهه سے آنسو نکلے
آه سینے سے لئے پهولوں کی خوشبو نکلے　　بن کے هر نالهٔ دل سرو لب جو نکلے

دوست کیا بزم سے روتا هوا دشمن جائے
نیاله نرگس کا هر ایک دیدهٔ تربن جائے

... ...

... ...

چهٹا مصرعه مرثیے کے مقصد اولین یعنی " گریه " کی طرف اشاره کرتا هے اور حقیقت بهی یهی هے که جو شخص اپنے الفاظ پر اس قدر قادر هو که دوسروں کو رلا دے وه سامع یا مخاطب پر هر طور کا اثر ڈال سکتا هے - اور هنسانے سے رلا دینا کهیں زیاده مشکل کام هے —

' مونس ' [اے شیر طبع آهوے مضمون شکار کر (جناب عباس کی شان میں]

(آمد جناب عباس)

آتا هے شیر فارس دلدل ترائی میں　　دریا کے بند و بست کا هے غل ترائی میں
فوجوں کا مت کیا هے تجمل ترائی میں　　خشکی میں تهلکه هے ' تزلزل ترائی میں

پسپا هیں گهاٹ سے جو صفیں هیں بڑهی هوی
اتری هوئی هے خوف سے ندی چڑهی هوی

(غازی کی حالت)

یہ سن کے پرشکن ہوئی عباس کی جبیں آیا بل ابروؤں پہ ہوئی چشم خشمگیں
نعرہ کیا غضب میں چڑھا کر جو آستیں گاو زمیں سمٹ کے جھکی دب گئی زمیں
جنگل بھی تھرتھرا گیا سارا ترائی میں
ثابت ہوا کہ شیر ڈکارا ترائی میں

چوتھے مصرعہ میں جو مضمون ادا ہوا ہے وہ جغرافیہ داناں ایشیا کا قدیم اعتقاد ہے یعنی آسمان متحرک ہے زمین ساکن ہے اور پانی پر ٹھہری ہوئی ہے پانی میں ایک بڑی سی مچھلی ہے جسے حوت کہتے ہیں اس پر ایک بیل ہے جسے ثور کہتے ہیں بیل کی سینگوں پر ہماری زمین سنبھلی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بیل ایک سینگ سے دوسرے سینگ پر بوجھ ڈالتا ہے تو زلزلہ آتا ہے اب تو تمام دنیا مانتی ہے کہ آسمان حد نظر ہے زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور ہزاروں مختلف ستاروں کی طرح کرہ فضا میں موجود ہے ایک سیارہ ہے اور زلزلہ زمین کے معدنیات کے قبض و بسط کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں نقاط نگاہ اگر نہ لکھ دیئے جاتے تو مصرعہ کا پورا لطف نہ آتا —

بیت کے آخری مصرعہ میں ایک لفظ 'ڈکارا' صورت و ہیئت کے لحاظ سے بہت با تمکین ہے اور پھر ترائی کی تخصیص نے بڑا لطف دیدیا ہے۔ ڈکار نے کی کچھ کیفیت ان سے پوچھئے جنہوں نے سرکسوں میں یا تماشوں میں یا حیوانات کے باغوں میں پنجرہ میں بند شکار کو ڈکارتے سنا ہو یا پھر ان سے پوچھئے جنہوں نے جنگلوں میں آزاد شیروں کے ڈکرو کے سنے ہوں۔ محض پڑھ کر ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے —

سراپا

(لباس اور ہتیار)

... ... اب تھی یہ تاب آنکھ ملائے جو آفتاب
قبضہ میں تیغ و کاسہ ناخن ہے جس کی آب   جوشن تو بر میں فرق پہ خود ابو تراب

پر تو ہے پنجۂ علم بے مثال کے
تارے چمکتے آتے ہیں ہوده کی ڈال کے

(جبین، ابرو، آنکھ، پلک، پتلی)

چین جبیں سے ہے غضب و قہر آشکار   گرتی ہے ابروؤں کی شکن کار ذوالفقار
تھرائے دل ہزبر کا آنکھ ایسی رعب‌دار   پلکیں جو ہل گئیں تو چلے خنجروں کے وار

گردش ہر ایک چشم کی پتلی سے زیر ہے
گویا کہ سبزۂ لب کوثر میں شیر ہے

(لڑائی کا آغاز)

... ...
... ... [illegible] ہے شیر پہ جنگل سے آئے تیر

(عباس صف شکن کی کیا حالت ہوئی)

بولے غضب ہے شیر تو عجب حال ہو گیا
ایسے چبائے ہونٹھ کہ منہ لال ہو گیا

کیا ہر شجاع انسان کا ایسے موقعوں پر یہی حال نہیں ہو جاتا کیسی سچی بات کہی ہے اور کیسی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے - شیر کو ذرا سا ٹوک دیجئے پھر دیکھئے کیسا بپھر جاتا ہے —

(بھاگڑ)

یہ بڑی خوب چیز ہے، ظرافت کے متین موتی مرثیہ کو اسی موقع پر ... رہتا ہے اور سلیقے کا ذکر جب چشم و ابرو، دست و انگشت اور آواز

ہے زیر و بم سے مدد لے کر ان مضامین کو ادا کرتا ہے تو سامعین بہت محظوظ ہوتے ہیں —

کیا قہر حق کے سامنے فوج ستم تھی — بڑھے نہ سرکشوں کے تھمے نہ علم تھے
عباس کا نہ ہاتھ نہ ان کے قدم تھے — جا کر تھمے بھی گر تو میان عدم تھے
سر اڑ گئے تنوں سے قیامت بپا ہوئی
پہلی تو صف نظر بھی نہ آئی کہ کیا ہوئی

یوں تھرتھرا رہے تھے ہر اک پہلوان کے پاؤں — چلنے میں جیسے کانپتے ہیں ناتواں کے پاؤں
رن میں جمے رہے تو اسی نوجوان کے پاؤں — اکھڑ اکھڑ گئے سپاہ ضلالت نشان کے پاؤں

(لڑائی کی شان)

کی جس پہ ضرب دو ہوئے پرکالے ڈھال کے — مغفر بھی فرق پر نہ رہا بد خصال کے
جھٹکا لعیں تو ہاتھ دو پٹکے میں ڈال کے — دو برچھیوں سمند سے پھینکا اچھال کے
لی سانس بھی نہ یوں تہ و بالا کیا اسے
رستے ہی میں اجل نے نوالا کیا اسے

گھوڑا

ستھراؤ کر رہی تھی ادھر تیغ سر بلند — پامال کر رہا تھا ادھر فوج کو سمند
گردش تھی اس کی آہوئے خورشید سے دوچند — سرعت سے جست و خیز سے دم تیز ہرن کا بند
جس پر رکھا جھپٹ کے قدم وہ فنا ہوا
پھرتا تھا فوج شام میں بجلی بنا ہوا

... ...

چاروں سموں سے اس کے صبا مدہ جو مل گئی — سمٹا لیا بدن کو کنوتی بدل گئی
اڑنے کا تھا تو دیکھ کے پریاں اچھل پڑیں
سینے سے منہ ملا دیا آنکھیں ابل پڑیں

گھوڑے کی تیزی کی کیسی پیاری تصویر کشی کی گئی ہے - آج کل ریل ، موٹر ، ٹریم اور ہوائی جہاز کے سامنے گھوڑے کو کون پوچھتا ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ ' طیارہ ' ہم آپ آج دیکھتے ہیں نئی چیز معلوم ہوتی ہے پھر بھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خیال پرانہ ہے ' ہوائی جہاز کیا ہے چند فطرت کے راز جو دریافت ہوگئے ہیں اس کے اظہار کا ایک سادی آلہ ہے تخت سلیمانی اور اڑن کھٹولے کی کہانیاں تمام قدیم کتابوں میں بھری پڑی ہیں ' جادو کے گھوڑے بھی مشہور ہیں - محض اس خیال کی بنا پر کہ ہم نے انھیں دیکھا نہیں ہم ان کہانیوں کو غلط نہیں کہہ سکتے اس واسطے کہ منطق کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ " کسی چیز کا نہ دیکھنا اس کے نہونے کی دلیل نہیں ہے " ہم خدا یا عنقا ' یا ایتھر کا محض اس لئے انکار نہیں کر سکتے کہ ہم اسے نہیں دیکھتے اور یہ خیال بھی مغالطہ منطقیہ سے خالی نہ ہو گا کہ ہم صرف اس سبب سے تخت سلیمان یا اڑن کھٹولے کے وجود سے انکار کر دیں کہ وہ مشرقی تخیل کا نتیجہ ہے جو غلو اور مبالغہ کے ماتحت ہوا کرتی ہے - بہر طور گھوڑا آج بھی گھوڑ دوڑ میں سواری ' فوج میں اور خصوصاً عرب کے بعض دشوار گذار حصوں میں بڑی قیمتی چیز سمجھا جاتا ہے - اور سچ بھی یہی ہے کہ عربی اصل گھوڑوں کا جواب پردۂ دنیا میں نہیں ہے - ان کے باقاعدہ شجرے رکھے جاتے ہیں - وہ ایسے سدھے ہوے ہوتے ہیں کہ سوار نے جہاں چاہا کاٹھی اتار لی ' لگام اتار لی اور پاس کے جنگل میں چھوڑ دیا جب ضرورت ہوئی سیٹی دی گھوڑا آکر کھڑا ہو گیا سوار پیٹھ پر بیٹھا چلدیا - سمجھدار ایسے ہوتے ہیں کہ مختلف طور پر ہنہنا کر سوار کو خطرات سے بچاتے ہیں باوفا ایسے کہ سوار زخمی ہو جائے تو کسی چشمہ کے کنارے آرام سے لیجاتے ہیں یا دشمنوں

کی صفوں سے بچاتے ہوے صاف نکال لے جاتے ہیں اگر سوار زخمی ہو کر زمین پر گر جاتا ھے اور بیہوش ہو جاتا ہے تو کمر بند کا تسمہ دانتوں میں داب کر کسی محفوظ گوشہ میں لاکر لٹا دیتے ہیں ایسے گھوڑے اب بہت کم ھیں مگر عرب کے صحرائیوں اور بدووں کے پاس اب تک ھیں وہ لوگ ان کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ھیں خصوصاً گھوڑیاں کسی کو نہیں دیتے کہ نسل خراب ھوجائے گی ناصرالدین شاہ قاچار حکمران عراق کے مہمان ھو کر گئے ایک بدو نے انھیں دعوت دی ناصرالدین شاہ گئے مگر کہنے لگے کہ جب تک تم میری ایک شرط نہ پوری کروگے میں ایک لقمہ بھی نہ کھاونگا بدو نے کہا آپ کہالیں جان تک حاضر ہے - مہمان اگر بھوکا چلا گیا تو ہمارا قبیلہ سارے جہان میں بے آبرو ھو جائے گا ناصرالدین نے قول لینے کے بعد کھانا کھایا اور کہا کہ اپنی یہ سفید گھوڑی مجھے دیدو بدو سناٹے میں آگیا - دیر کے بعد اس نے کہا اچھا جہاں پناہ کل صبح چھاونی پر گھوڑی پہنچ جائے گی عرب اپنی بات کا بڑا دھنی ھوتا ھے - دوسرے دن صبح کو ایک بڑے خوان میں کچھ رکھے ہوے بدو آیا شاہ کے سامنے خوان پوش اٹھا تو سفید گھوڑی حلال کی ہوئی رکھی تھی - شاہ نے پوچھا یہ کیا بدو نے کہا حضور گھوڑی ھے مردہ یا زندہ کی تو کوئی شرط نہ تھی غرض ان باتوں سے میری مراد صرف اتنی تھی کہ مرثیوں میں جب آپ کی تعریفیں پڑھیں تو صرف مبالغہ سمجھ کر پس پشت نہ ڈالدیں بلکہ عربی اصیل گھوڑے کی خاص صفات کو بھی نگاہ میں رکھیں —

(ایک دشمن)

... ... نکلا ادھر سے جنگ کو ایک پہلوان شام

... ...

(وہ اپنے گھوڑے پر نہ تھا بلکہ)

ایک کوہ آہنی نظر آتا تھا کوہ پر

جیسے دن رات کے مقابلے میں پہچانا جاتا ہے اسی طرح بدذات دشمن کے رو برو حسین غازی کی تصویر بہت لطف دیتی ہے ہماری آپ کی فطرت میں ہے کہ ہر چیز کا مقابلہ کسی دوسری برابر کی چیز سے ضرور کرتے ہیں اور مقابلے کے بعد آسانی سے سمجھتے ہیں مرثیہ گو بھی اس راز سے واقف ہے اور اکثر جگہ ایسے پنہاں موازنے کرتا ہے کہ آپ خوش بھی ہو جاتے ہیں اور اس کا کام بھی نکل جاتا ہے یعنی ممدوح کی پوری عصمت و جلالت کا اندازہ آپ کو ہو جاتا ہے —

(دونوں کا مقابلہ)

اب تو تمام تپنچے - اور توپیں چلتی ہیں ایک صدی کے بعد محض زہریلی گیسوں اور آتش گیر مادے سے بنے ہوئے بم کے گولوں کی لڑائی ساری دنیا میں باقی رہ جائیگی جس طرح دنیا بدل گئی ہے اور ہم پرانی لڑائیوں کے انداز ہتیار اور مصرف اسلحہ سے بے خبر ہوگئے ہوں ویسے ہی آیندہ نسلیں ہماری طرز جنگ اور آلات حرب سے بے خبر ہو جائیں گی مگر تاریخ زمانے میں تحقیق کے فدائیوں کے لئے مرثیہ گو حضرات کے یہاں جنگ کے متعلق جتنا کچھہ ذخیرہ اکھٹا کر دیا گیا ہے وہ جواہر خانہ بن کر باقی رہے گا - اگر میرے موضوع سے الگ نہ ہوتا تو میں مختلف زمانوں کے طرز جنگ پر ضرور بحث کرتا پھر بھی اتنا تو عرض ہی کروں گا کہ مرثیہ گو کا کام مورخ سے زیادہ باریک اور صنعت کا ہے اس لئے کہ مورخ کو محض

سادہ اور خشک واقعات اور سنین و تواریخ کو مرتب کر دینا ہوتا ہے مرثیہ گو کو رسم و رواج کے علاوہ تمام نکات پر نگاہ ڈالنی ہوتی ہے اور سب کو ایک اچھوتی ترتیب اور انوکھی طرز سے پیش کرنا پڑتا ہے

(بھالے کی لڑائی)

لایا انی کو متصل قلب وہ دنی یعنی دکھا دوں تاب و توان تہمتنی
پیاں ناخنوں میں تھا ہنر شیر افگنی چٹکی میں ہت کے مثل قلم تھام لی انی
کھینچا تو ٹوٹ آئی سناں ان کے ہاتھ میں
مار اس کے ہاتھ میں تھا زباں ان کے ہاتھ میں

(گرز کی لڑائی)

... ...
... ... ایا اٹھا کے گرز کو ضیغم کے رو برو
ضربت جو کی تو سر کو بچا کر دلیر نے
کالی کلائی داب لی پنجہ میں شیر نے
دوں ناخنوں سے دیو کے تپکا کیا جو زور خرطوم فیل شیر نے پکڑی ہوا یہ شور
... ...

... ...
مٹھی سے چھٹ کے خاک پہ گرز گران گرا

تینوں کات کے اکھٹا ہوجانے سے بڑا لطف پیدا ہو گیا ہے ۔ اور گرنے کی تدریجی منزلیں بھی معلوم ہو گئیں —

تلوار کی لڑائی

... ... تلواریں ماریں غیظ میں ظالم نے آٹھ دس
... ... تھک کر تھما تو شیر نے آواز دی کہ بس

... ...

چھوٹی تھی کیا یہ تیغ کہ خط تک پڑا نہ پھر

اب غازی نے ایسا ہاتھ جمایا کہ

... ...

... ...

... ...

تصویر نیم رخ وہ ستمگار ہو گیا

اب حضرت عباس لڑتے لڑتے نہر تک پہونچ گئے اور اتر کر مشک بھرنے لگے

ناگاہ نہر میں وہ بہشتی اتر گیا   دریا میں بحر عزو شرف کا گہر گیا
نور خدا حبابوں کی آنکھوں میں بھر گیا   تھا شور برج آب میں شہ کا قمر گیا
ٹپکا جو خوں میں مل کے رخ با صفا کا عطر
خوشبو ہے آب نہر بنا موتیا کا عطر

خون دشمنوں کا تھا پسینہ حضرت عباس کا تھا۔ عطر میں رنگ کا کوئی خاص مرتبہ نہیں محض خوشبو اصل چیز ہے مگر موتیا کا عطر سفید کیسے ہوتا اس لئے دشمنوں کے خوں کی سرخی سے ضرورت رفع کی گئی ہے ---

پرتو وہ رخ کا اور علم سبز کا وہ نور   ... ...
... ...   لہریں کرن بنی ہوئی پہونچی تھیں دور دور
گویا جڑاؤ مچھلیاں تیرتی تھیں آب میں
چہرے سے ضو کی پانی کی چادر تھی جلوہ گر   پیدا تھی قطرے قطرے سے شفافیٔ گہر
چشمہ تھا آفتاب کا گویا ہر ایک بھنور   خیرہ ہوئی تھی مردم آبی کی بھی نظر
سمجھی تھیں مچھلیاں کہ ہیں آب حیات میں
غوطے لگاتی پھرتی تھیں پریاں فرات میں

چھوڑے تک چونکہ مجھے اس بات کی ضرورت تھی کہ مختلف حیثیات

و موضوعات کو دکھا دوں لہذا میں نے ترتیب فہرست کے ماتحت مختلف مراثی کے چہرے ایک جگہ جمع کردئے تھے - اب اس کے بعد ضرورت یہ ہے کہ منازل کی تقسیم اور دیگر مقامات جس طور پر جس مرثیے میں آئے ہیں وہی ترتیب قائم رہے لہذا فہرست بالا کے مطابق ہر مرثیہ کے انتخابات دیتا جاؤں گا اور پھر وہی کہتا ہوں کہ محض عالمگیر روشن پہلو دکھانے مدنظر نہ ہوتے تو ہر ممدوح کے متعلق نوٹ دیتا جاتا اس وقت آپ کو مرثیہ گو کے کمال اور کلام کی پوری قدر ہوتی - خیر کسی اور سامنے سہی —

نفیس

[ہاں اے سنان غم جگرو دل کے پار ہو - (حضرت علی اکبر کی شان مین)]

(میدان کو چلنا اور گھوڑے کی تعریف)

کاندھے پہ رکھ کے تیغ جو چھیڑا سمند کو گویا کہ پر ملے فرس سر بلند کو

... ...

... ...

... ...

جھونکا نسیم کا تھا کہ آیا نکل گیا — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — سیماب بن کے دھوپ سے سایہ نکل گیا

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

وہ آؤجاؤ اور وہ سرعت وہ جست وخیز — — — — — — — — — —

ہر ایک نعل تیغ ہلالی دم ستیز چوٹی کے بال مشک فشاں یال عطر بیز

— — — — — — — — — — — —

کھلیں ھیں نعل پر که ستارے هلال پر

(چال کی نزاکت)

— — — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

ٹوٹی نه سم کے بوجھه سے شبنم گلاب کا

وہ تھوتھنی وہ سینه وہ گردن وہ انکھڑیاں   خوش قد سبک خرام سبک رو سبک عنان

— — — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — —

— — — — — — — —

(حضرت علی اکبر کا سراپا)

(گیسو)

— — — — — — — — — — — — — — — — —

ان گیسوؤں میں چہرۂ تاباں کا ہے یه نور   یا دو شبوں میں ایک مه کامل کا ھے ظہور

— — — — — — —

بہتر هزار ماہ سے جو ھے وہ شب یه ھے

' لیلة القدر ' یعنی شب قدر هزار راتوں سے بہتر هوتی ھے یه شب یعنی گیسو کی شب تو هزار مہینوں سے بہتر ھے پھر اس کی منزلت کا کیا پوچھنا

ابرو

— — — — — — — — — —   یا دو هلال یکشبهٔ آسمان جاہ

— — — — — — — — — — — — — — — — —

ابرو نہیں ہے چشم مروت خصال پر
حیدر کی ذوالفقار ہے حمزہ کی ڈھال پر

پلکیں

پلکیں جری کی ترکش نصرت کی تیر ہیں — — — — — — — — — —
— — — — — — — — — — — — — — — — —
— — — — — — — —
جن سے خدنگ ڈنگ ہیں یہ وہ خدنگ ہیں

آنکھیں

ہیں نرگس ریاض جناں چشم سرخ فام پتلی ہے نور مردمک دیدۂ امام
کوثر کا وہ تو یہ مئے تسنیم کا ہے جام ہے ایک جا • سواد و بیاض + صباح و شام
— — — — — — —
— — — — — — — —

عارض و بینی

— — — — — — — — — — بینی ہے یا سہا ہے میان دو آفتاب
ہیں رنگ و بو میں یہ گل رخسار لاجواب صل علی بہار پہ ہے گلشن شباب
— — — — — — — —
— — — — — — — —

لب

— — — — — — — — — — — — — — — — —
— — — — — — — — — — — — — — — — —
دیکھو قریب رخ لب لعل جناب کو
ہمسایۂ مسیح ملا آفتاب کو

• سہا ہے + سپیدی

دندان

— — — — — — — —   — — — — — — — —

دندان هیں اختر فلک نزهت و جهان   همسر هوں ان سے گوہر یکتا یه کیا مجال

— — — — — — — —

اک سبحه میں یه صنعت صانع کے دانے هیں

گردن

گردن هے شمع مملکت جانفزائے حسن   — — — — — — — — —

— — — — — — — — —   حسن اس کے واسطے هے یه گردن برائے حسن

— — — — — — — —

— — — — — — — —

سینه

سینه صفائے حسن میں سینه نبی کا هے   قرآن کی هے یه لوح سفینه نبی کا هے

باب علوم دیں * هے مدینه نبی کا هے   مخزن هے فیض حق کا خزینه نبی کا هے

— — — —   — — — —

بازو ، ساعد ، پنجه

بازو هیں شاخ نخل ریاض شه زمن   ساعد هیں صاف ساعد محبوب ذوالمنن

پنجه هے یه که پنجهٔ ضرغام بت شکن   — — — — — — — — —

زور آوراں دهر کو کب مانتے هیں یه

خیبر کا در سپر سے سبک جانتے هیں یه

---

* "انا مدینة العلم و علی بابها" کی طرف اشاره هے

قدم

کوہ وقار ہیں یہ قدم وقت گیر ودار ان پاؤں کا ثبات ہے عالم پہ آشکار
دیں کا ستون انہیں کے قدم سے ہے استوار آئے جو زلزلہ تو نہ سرکیں یہ ذی وقار

— — — — — — — —

میداں کو چھوڑتے نہیں یہ وہ پہاڑ ہیں

تیسرے مصرعے کا لطف جب ہے جب خواجہ اجمیری کی فارسی کی یہ رباعی اور رباعی کا خصوصیت سے چوتھا مصرعہ نگاہ میں رکھئے

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین دیں ہست حسین و دیں پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید حقا کہ بنائے لا الہ ہست حسین

اکبر کی خوش بیانی

پڑھنے لگا رجز جو دل و جان مصطفیٰ — — — — — — — — — — —
— — — — — — — — — — — — — — — — — —

تھا سب کو وجد واہ کی عنبر سرشت میں
غل تھا کہ لو چہکتا ہے بلبل بہشت میں

— — — — — — — — — — — — — — — — — —

تن کر پڑھے رجز کے جو اشعار پانچ سات دو چار گام ہٹ گئے پیچھے زبون صفات
— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

مونس

[اے طبع رسا صیقل شمشیر زباں ہو (حضرت علی اکبر کی شان میں)]

سراپا

کہتے ہیں یہ گردوں پہ ملک ماہ یہی ہے
عالم کے حسینوں کا شہنشاہ یہی ہے

(موازنہ سے ترجیع)

حسن مہ کنعاں کو بھی ہم دیکھ چکے ہیں — سو مرتبہ سر تا بہ قدم دیکھ چکے ہیں
جو چاہ میں گذرے وہ ستم دیکھ چکے ہیں — مصر کے بازار سب دام و درم دیکھ چکے ہیں

یہ حسن رخ اس ماہ* کی شیدائے نہ دیکھا
اس چاند کو افسوس زلیخا نے نہ دیکھا

*ماہ کنعان

... ...

ہے صاف عیاں جلوۂ تنویر سراپا — آنکھوں کو نظر آتی ہے تصویر سراپا
آئینہ ہے ہر عضو بدن سر سے قدم تک
گلدستہ ہے مجموعۂ تن سر سے قدم تک

(رو، دندان، لب)

اس رو کے مقابل کوئی ابرو نہیں رکھتا — آئینہ میں ضو ہے فقط ابرو نہیں رکھتا
خوش رنگ ہے لالہ پہ یہ خوشبو نہیں رکھتا — ...
دندان ہیں صدف کے لب خنداں نہیں اس کے
غنچہ کا دہن ہے دُر دنداں نہیں اس کے

قامت

قامت ہے یہ شمشاد گلستان نزاکت — یا مصرعۂ برجستۂ دیوان نزاکت
... ... — ہے جس کی نزاکت پہ فدا جان نزاکت

... ...

... ...

جبین

آئینہ اقبال سکندر یہ جبین ہے ... ...

... ... روشنگر خورشید منور یہ جبین ہے

... ...

... ...

ابرو

... ... ہاں سجدہ گہ کعبہ پرستاں ہے یہ ابرو

... ... کافر کے لئے تیغ سر افشاں ہے یہ ابرو

اس تیغ نے دشمن کا جگر آب کیا ہے

کیا زہر نے آنکھوں کے سیہ تاب کیا ہے

چشم ، پتلی ، پلک

یہ چشم ہے یا نرگس شہلائے ارم ہے گردش میں یہ پتلی ہے کہ آہوے ارم ہے

یاں شرم سے بادام کا بھی آنکھوں میں دم ہے* سرمہ کی کشش کیا ہے کہ شمشیر دو دم ہے

... ...

پلکیں نہیں جوہر ہیں یہ تیغ صفہان کے

زلف

اس زلف کی ہمسر تو کوئی زلف نہیں آج سارا ختن اس جعد معنبر کا ہے محتاج

زیبا ہے ہر اک شام جو سمجھے اسے سرتاج کس رخ پہ ملی ہے شب معراج کو معراج

---

* یہاں شرم سے آنکھوں میں بھی بادام کا دم ہے

... ...

... ...

وہ زلف دلاویز تصور سے جو بل کھائے ... ...

ڈرہے کہ گرہ گیسوئے مضموں میں نہ رہ جائے ... ...

... ...

یہ زلف نہیں شعلۂ عارض کا دھواں ہے

گلو اور سبزہ خط

... ...

سرخی ہے مئے حسن کی مینائے گلو میں ... ...

... ...

ہے سبزۂ خط حاشیہ جنت کے چمن کا

دندان

... ...

... ...

حقا کہ ستارے بھی نہیں جاوہ گر ایسے

لعل ایسے یمن میں نہ عدن میں گہر ایسے

دہن

افراط نزاکت سے نہاں ہے دہن تنگ ... ...

اسرار الٰہی کا مکاں ہے دہن تنگ ... ...

... ...

خاتم ہے پہ گنجائش نقش اس میں نہیں ہے

گردن

گردن یہ بھی صاف یہ سحر سے آئینۂ ہے ... ...

... ...

... ...

گویا پس خورشید قیامت کی سحر ہے

سینہ

سینہ ہے کہ آئینۂ روشن ہے حلب کا ... ...

پرنور ورق اس کو لکھوں مصحف رب کا ... ...

... ...

... ...

شانہ

شانوں کی صفا صاف ہو یدا ہے قبا سے ... ...

کٹ جاتا ہے مہتاب جہاں تاب حیا سے ... ...

... ...

یاں روز ترقی ہے تنزل نہیں ہوتا

بازو، ساعد

ہاتھ آئی ہے کیا بازوے انور کو صفائی یہ ضو یہ تجلی ید بیضا نے نہ پائی

ساعد جو کھلا نور کی مچھلی نظر آئی ... ...

... ...

... ...

تلوے

... ...

... ...

تاج سر افلاک ہیں اور زیب زمیں ہیں
اک چاند کے دو ٹکڑے ہیں تلوے یہ نہیں ہیں

رخصت ہو کر باہر نکلنا

روتا ہوا شہزادۂ عالم نکل آیا   بیشے سے ید اللہ کا ضیغم نکل ایا
پردے کے ادھر نور مجسم نکل آیا   سر کا کے گھٹا نیر اعظم نکل آیا

... ...

پرتو سے بنے نجم جلو خانے کے ذرے

گھوڑا

آیا جو وہ اچپل تو عجب ناز سے آیا   ... ...

— — — — — — — —

غل تھا کہ پرستان میں بھی گھوڑا نہیں ایسا
اصطبل سلیماں میں بھی گھوڑا نہیں ایسا
پہنچا نہیں شاہوں کو بھی ادھم بہم ایسا   ہوے گا عرب میں بھی نہ شبر اجم ایسا

— — — — — — — —

گر دیکھ لے چال اس کی تو سیارہ بھٹک جاے
دے گشت میں ساتھ آھوے خورشید تو تھک جاے

... ...

تھمی لگی گویا جو پڑا زلف کا سایہ   ... ...

... ...

پھرتا ہوا تھیکے صف جنگاہ میں پہنچا

شمشیر

غصے میں ادھر رنگ بدلنے لگی شمشیر   گویا دل شمشیر پہ پلنے لگی شمشیر
... ...   ہر مرتبہ کاٹھی سے اگلنے لگی شمشیر

۱

مغفر سے کبھی کاسۂ سر توڑ کے نکلی　　جوشن سے کبھی صدر کا در توڑ کے نکلی

پھر دل میں جو آئی تو جگر توڑ کے نکلی　　پٹکے سے جو الجھی تو کمر توڑ کے نکلی

چو رنگ اُسے کہتے ہیں اسوار بھی دو تھا

زین پر سے کھنچا ہاتھ تو رہوار بھی دو تھا

بھاگڑ

میدان سے جفا کار جھجکتے ہوئے بھاگے　　آگے نہ بڑھے پیچھے سرکتے ہوئے بھاگے

سر مڑ کے منہ اس تیغ کا تکتے ہوئے بھاگے　　تلواروں کو ڈھالوں پہ پٹکتے ہوئے بھاگے

... ...

... ...

بزدل

جوں فیل دمان فوج سے نکلا جو وہ بدمست　　لشکر کئی دبتا تھا لڑاکوں کی کمر پست

تنگی سے زرہ تن میں ہوئی جاتی تھی پیوست　　... ... ...

دشمن کی حالت

زور آنکھ ملاتے ہی ہوا ہو گیا تن سے

دل ٹوٹ گیا خنجر ابرو کی شکن سے

نیزے کی لڑائی

تھی مد نظر پہلے جو نیزے کی لڑائی رہوار کو چمکا کے انی اس نے دکھائی
الله رے تیغ علی اکبر کی صفائی یه بھی نه کہلا پھر گئی کب سر په کب آئی
حس جا تھی وہیں مثل پری جلوہ کناں تھی
یاں نیزے کو دیکھا تو نه بوڑی نه سناں تھی

تیر کی لڑائی

پایا جو قلم نیزۂ خطی کی سناں کو دانتوں میں دبا یا ستم آرا نے زباں کو
بس روک کے جلدی فرس گرم عناں کو ترکش سے لیا تیر کو شانے سے کماں کو
چلے سے ملا تیر جو اس دشمن دین کا
اک خم ہو اک راست ہوا ہاتھ لعین کا

کی طائر ناوک نے نشیمن سے جو پرواز گھوڑا علی اکبر کا اڑا صورت شہباز
خالی گیا وہ تیر سناتا ہوا آواز جا پہنچی ادھر شیر کی شمشیر سرانداز

ظالم کو تپ لرزہ چڑھی خانه زین پر
تھی نصف کماں ہاتھ میں اور نصف زمیں پر

گرز کی لڑائی

سنبھلے ادھر اکبر که ادھر سر په چلا وار ... ...
سیدھی سوے گرز آئی جو ترچھی گئی تلوار دو طول میں اور چارھوا عرض میں اکبار

کس حسن سے گرز ستم ایجاد کو کاٹا
لکڑی کی طرح تیغ سے فولاد کو کاٹا

سونس

[پنہاں ہوے کوکب جو سرا پردۂ شب میں (امام حسن)]

نہاز

پنہاں ہوے کوکب جو سرا پردۂ شب میں پیاسوں کو ہوئی صبح عجب رنج و تعب میں
سجادے بچھے بزم شجاعان عرب میں مصروف ہوے خاصۂ رب طاعت رب میں

بشاش تھے مرنے پہ وہ مولا کے سوالی ... ...
یہ حال ریاضت سے یہ چہروں پہ بحالی زردی کے عوض پھول سے رخساروں پہ لالی

... ... دریا سے خود ان کو تریوں کو تھا کنارہ
ہاتھوں کو تیمم کے لئے خاک پہ مارا گویا تھا یہ ہر ایک نمازی کا اشارہ

قبریں یہیں ہوں گی تہ افلاک ہماری
اس خاک میں مل جائے گی اب خاک ہماری

ہی اٹھ کے اذان اکبر گلرونے بصد جوش طائر جو چہکتے تھے وہ بس ہو گئے خاموش
... ... گلشن میں ہوئی بلبل شیدا ہمہ تن گوش

جب بعد اقامت کے ہوا نعرۂ تکبیر ... ...

مصروف سماعت ہوے سب صاحب تدبیر وہ حمد و ثنا سلتا تھا خود سالک تقدیر

قدسی نگران تھے فلک نیلو فری سے

رخصت تھی مسافر کی نماز سحری سے

(دشمنوں کی حالت)

کڑکیتوں نے بڑہ کر جو سروردوں کو بجایا ایک ایک جوان جنگ کے ہتیار سجآیا

ہر باغیء شر خود رکھے سر پہ کج آیا جو آیا وہ بدلےہوےمیدان میں دھجآیا

آہن میں زرہ پوش بہی پنہاں نظر آے

فولاد کے پتلے سر میدان نظر آے

تلوار خود کہتی ہے

... ...

یہ تیز دمی برق کہولا ہے کہاں سے نسبت کبھی دی تھی مجھےاس شعلہ فشاں سے

پھرتی ہے دکھاتی ہوئی اپنی چھوک اب تک

جامے میں سماتی نہیں برق فلک اب تک

بیاگڑ

بھاگڑ تھی کہ لے سکتے نہ تھے شیر ببر دم اژدر بھی چرائے ہوے تھے ڈر سےادھردم

تلوار کا منہ دیکھتا تھا کوئی نہ پھر کے

کیا ڈر تھا کہ سر بھاگتے تھے خاک پہ گر کے

توسن

تلوار کی وہ برق وہ جولانیِ توسن — سرپٹکے تو صرصر نہ کبھی چھو سکے دامن
... ... — اسوار کے سینے سے ملی جاتی تھی گردن

———

———

——————— تھی تیز ہوتی کی دو بیکاں تھے نکیلے
لڑنے کو جو بیٹھے تو لہو شیر کا پی لے ———————

———————

———————

تیسرے مصرع میں گھوڑے کے جیداری کا دھیان دکھایا ہے اس لئے کہ عام طور پر شیر سے مقابلہ کرنا کیسا اس کی بو سے بھاگتے ہیں ع : گھوڑے ہراغ پا ہوے بو آئی شیر کی —

اڑتا ہوا جس صف پہ وہ جانا تھا سمٹ کر — گر پڑتے تھے رہوار سواروں پہ الٹ کر
بھاگے ہوے جب سامنے آتے تھے پلٹ کر — یہ بازیِ شیرانہ دکھاتا تھا جھپٹ کر

———————

چھوڑا اسے مارا اسے ٹاپوں سے کچل کے

دشمن

یہ سن کے فرس ارقم موزی نے نکالا — چار آئینے والوں کا چلا ساتھ رسالا
ان سب سے دو بالا تھا لعین کا قد بالا — بالا وہ دلیروں سے جو جانے نہ سنبھالا

مغفر تھا وہ رومی کہ جو خود سر پہ گراں تھا
خفتان عراقی میں تن نحس نہاں تھا

نیزہ کی لڑائی

... ... — ہونے لگی نیزوں کی لڑائی سر میدان
ہلنے لگے گھوڑوں کی تگ و دو سے بیابان — زخمی ہوا وہ دیو نہ یہ فخر سلیمان

غل تھا کہ یہ انیاں کبھی چلتی نہیں دیکھیں
یوں ناگنیاں زہر اگلتے نہیں دیکھیں

... [illegible]

... ...

طعن اس کی چلی تھی کہ گری برق مجسم — دو ٹکڑے سناں ہو گئی برہم ہوا ارقم

موذی نے سر اس طرح دھنا خانۂ زیں پر

اژدر کبھی بل کھاتا ہے جس طرح زمیں پر

گرز کی لڑائی

ظالم نے کیا سامنے سے دوڑ کے اک وار — پھرتی سے ادھر آ گیا شبیر کا رہوار

پہنچی جو کلائی پہ ید اللہ کی تلوار — پنجے سے لگی چھٹنے پہ گرا گرز گراں بار

... ...

... ...

گردن جو پھری بائیں طرف ظالم دوں کی — ران اڑ گئی غدار کی طرح تیرہ دروں کی

بنیاد ملی خانۂ بدعت کے ستون کی — ندی سی بہی خاک پہ خوں خوار کے خوں کی

حضرت نے صدا دی بہت آیا تھا اکڑ کے

اب کھیت سے یکراں کو بڑھا تیغ پکڑ کے

یکراں عمدہ گھوڑے کو کہتے ہیں مگر اس جگہ دشمن کی بھی ایک ران اڑ گئی ہے لہذا یکراں میں ایک اور پہلو پیدا ہو گیا ہے —

یہ کہہ کے بڑے سنہ سے [illegible] کا ہوا [illegible] — بے [illegible] ہلا کیا اک ہاتھ وہ نامرد

بھڑ کا جو فرس [illegible] منہ سے دم نا ورد — گرنے لگا پتھروں پہ بدن ہونے لگا سرد

پلٹے میں گریباں زرہ شیر نے پکڑا

کم تھا پل خود سر کا نہ کچھ دیو سے لاغر — ... ...

اونچا جو کیا ہاتھ اسے زیں سے اٹھا کر — مغفر سے بنی بالا ہوئے کچھ پئے ستمگر

... ...

... ...

پٹکنے کے بعد

... ...

یوں چور ہوے عضو تن ظالم مغرور   جس طرح کہ تصویر گلی سنگ سے ہو چور

... ...

... ...

وحید

[اے قلم دامن کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر (جناب عباس)]

[میدان میں) آمد (دشمن غازی کی سواری کو دور سے دیکھ کر کہتے ہیں]

انگلیاں اٹھنے لگیں سب ہوے باہم نگراں   ... ...

کوئی کہتا تھا کہ وہ ہے تنق گرد عیاں   کوئی کہتا تھا وہ دیکھو نظر آتا ہے نشاں

وہ پھریرا ہے بلندی پہ جو لہراتا ہے

پنجہ بجلی سا وہ ہر بار چمک جاتا ہے

تلوار

دھن قبضۂ فولاد سے پھل ہے جو عیاں   کلۂ اژدر خوں خوار سے نکلی ہے زباں

ہے مناسب جو کہیں نوح کا اس کو طوفاں   یا یہ تیزاب ہے لوہے کا تو وہ آب رواں

... ...

... ...

... ...

... ...

کشتیء عمر رواں غرق کرے گھاٹ ایسا

دم میں جس سے حق و باطل ہو جدا کاٹ ایسا

ملکر بھی ہے دم جنگ جفا جو بھی ہے   جس میں تل جاتی ہے ضربت وہ ترازو بھی ہے

بادشاہوں کے لئے زینت پہلو بھی ہے   تخت حشمت پہ مکھیں سر زانوں بھی ہے

... ...

... ...

... ...

جوھروں پر جو کھادھیاں تو سوجھی یہ مثال   ... ...

... ...

دیکھہ او فرط نزاکت سے رگین ظاھر ھیں

اشہب

... ...

رنگ سبزہ تو چمک نقرۂ خالص سے فزوں   جلد نازک وہ کہ ظاھر ہے ادھر حمرت خون

ھیں عیاں خوبیاں جو چشم خوش اسلوب کی ھیں

یہ کنوتی ھیں کہ دو انگلیاں محبوب کی ھیں

تھوتھنی وہ جیسے سب غنچہ دھن خود چومیں   وہ جبیں زھرہ جبینوں میں ھیں جسکی دھومیں

کلنگی ایسی کہ حسیں دیکھہ کے پھروں جھومیں   جو ہے چتون میں نہ دیکھا وہ اثر جادو میں

... ...

... ...

... ...

... ...

... ...

غنچہ چٹکے تو سمجھتا ہے صدا کوڑے کی

سینہ وہ تنگ کمر پتلی وہ پٹھے وہ بھرے　　خم وہ گردن کا وہ مکھڑا جسے دیکھا ہی کرے

... ...

... ...

... ...

جوڑ بند اس کے وہ پر زور وہ اعضا محکم　　تن وہ پر گوشت کہ چربی جا دوہ بےچین قدم

ھلھلانا یہ غضب سر وہ ہلا کر ہر دم　　... ... ...

... ...

... ...

... ...　　... ... ...

ابلو وہ انکھڑیاں نتھنوں کی وہ ردبہ ذرفر　　غیظ میں آ کے دہانہ وہ چبانا کر کر

... ...

... ...

... ...　　... ... ...

وہ سبک رو کہ اگر شاخ گل تر پہ پھرے　　پھول کے جام سے اک قطرۂ شبنم نہ گرے

چال کا لطف دکھانے پہ جو آ جائے کبھی

زیر سم برگ سلجاو ہوں نہ مرجھائے کبھی

— — — — — — — —　　— — — — — — — —

— — — — — — — —　　— — — — — — — —

گر حبابوں پہ بھی دوڑے تو ذرا بار نہ ہو

سم پڑے کاسۂ چینی پہ تو جھنکار نہ ہو

ایک دشمن

یک بہ یک قوم سے اک بانیء بدعت نکلا ... ...
... ... بہ تبختر بہ تکبر بہ خشونت نکلا

... ...

کوہ نے اپنی جگہ سے حرکت کی گویا

تھا خم بادۂ سرجوش کہ فرق مردک تیل وہ جس پہ ہو جنگل میں سیہ دیو کا ڈنک
وہ جبیں جس سے خجل پیل دماں کی سنک ... ...

... ...

جانور راہ سے ڈر ڈر کے ہٹے جاتے تھے

سراپائے مردود

گنبد مرقد ضحاک تھا خود سنگی ... ...
تن پہ لادے ہوئے آلات سراسر جنگی پھر بھی اس کی دکھاتی تھی زرہ کی تنگی

دستانوں سے نہ وہ دست قوی باہر تھے
سر نکالے ہوئے دو غاروں سے دو اژدر تھے

... ...

تھے حرارت سے کھڑے بال بدن کے سارے سرخ آنکھیں تھیں دہکتے ہوئے دو انگارے

تھا عیاں موے پریشان سے نشان دوزخ کا
پیچ و تاب اپنا دکھاتا تھا دھواں دوزخ کا

لال تھا چہرۂ ناری صفت صورت نار تھا تنور اس کا شکم ہاتھ پہ اک شاخ خبار
منہ سے ہر بار تکلم میں نکلتا تھا بخار سر بسر آگ کا پتلا تھا شریر و مکار

... ...

... ...

نیزے کی لڑائی

ھوہ اس کی فوج والوں نے دعن و تشنیع کی اور گفتگو میں رک اٹھا کر کیا ھوا ؟

سن کے یہ طعن بتانے لگا انیان مغرور بند باندھے کبھی بڑھ بڑھ کے کبھی ھٹ گیا دور

... ...

... ...

... ...

اسطرح

- -

- -

وار چلتے تھے پیاپے یہ نہ گھبراتے تھے

جلد مڑ جاتے تھے جھک جاتے تھے تن جاتے تھے

ھاتھ لپکاکےجو تھامی بہ غضب چوب سناں آن بان اس کی مٹی اب یہ ھوا سب پہ عیاں

زور کر کے چھڑاتا رھا گو پیل دمان ... ...

... ...

ٹوٹتا ھاتھ اگر چھوڑ نہ دیتا نیزہ

تلوار کی لڑائی

... ...

چونکا دلبر حیدر کا اگر تھا مشکل چوٹ کھاتا تھا نہ وہ بھی کہ بڑا تھا کامل

پر وہ شل ھو گیا تھا سانس چڑھی جاتی تھی

قوت حضرت عباس بڑھی جاتی تھی

... ...

- - - - - - - - - - ھاتھ تلوار کا تلوار پہ سارا بھرپور

- - - - - - - - - - - - -

ٹوٹ کر جھی سے گری خاک پہ مکار کی تیغ

باندھ کر آیا تھا دوھری جو پٹے جنگ شقی　　پھیک دی ھاتھ سے یہ مڑکے کمر سے وہ لی
نصف شمشیر ابھی میان سے نکالی بھی نہ تھی　　دوڑ کر مثل اسد تھام لی مٹھی اس کی

چھین لی تیغ مگر ھاتھ نہ چھوڑا اس کا

جھک کے جرار نے پے کر دیا گھوڑا اس کا

ساقی نامہ

ساقیا بادہ گلرنگ کا ساغر ہے کہاں　　صاف و خوش ذائقہ و طاہر و اطہر ہے کہاں
سرخرو کرتی ہے جو وہ مئے احمر ہے کہاں　　دم پھڑکتا ہے مرا خون کبوتر ہے کہاں

- - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - -

دریا کے کنارے

پہنچا دریا کے کنارے پہ جو وہ بحر کرم　　پانی بڑھنے لگا افراط طرب سے پیہم
- - - - - - - - - - -　　- - - - - - - - - -

گھاٹ کے سمت حبابوں کی بھی سب فوج بڑھی

پیشوائی کو بہادر کی ہر اک موج بڑھی

وحیہ

[جام جہاں نما سخن آبدار ہے (امام حسین)]

آبہ

رھوار پہ جو چڑھکے چلے رن کو شہ دیں　　جراءت کے ولولہ میں ھوئی پرشکن جبیں
— — — — — — — —　　سایہ ھٹا لرز کے سرکنے لگی زمیں

- - - - - - - - - - - -

پہونچے قریب فوج تو چڑھی ہی ا رتھی

ہاں برق طبع شعلہ فشانی دکھا مجھے ہاں زور طبع سحر بیانی دکھا مجھے

ہاں تیغ طبع سیف زبانی دکھا مجھے ہاں بحر طبع اپنی روانی دکھا مجھے

(لشکر کی کثرت)

وہ صورتیں مہیب سواروں کی وہ اُف تھیں وردیاں سیاہ کہ گھنگور تھی گھٹا

آواز وہ سلام کی ہر سو وہ غل بپا شوخی وہ راہواروں کی ٹاپوں کی وہ صدا

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

ڈھالیں وہ اور سیاہ وہ سب خادیوں کا رنگ ثابت یہ تھا کہ جمع ہے بالکل سیاہ رنگ

- - - - - - - - - - - اندھیری تیرگی کہ نمایاں تھا شب کا ڈھنگ

اندھیر تھا جہاں میں نیا طرفہ بات تھی

گردوں پہ دن زمین کے طبقہ پہ رات تھی

(باجے)

باجے پہ ڈہرے لعینوں نے جب بجائے تاشوں نے سینے پیٹ لئے تاب پھر نہ لائے

باہم ملے تو ہاتھ جلادل کے تھرتھرائے شہدا نے ہاتھ اٹھاکے دعا کی کہ ہائے ہائے

- - - - - ۲ - - - - -

- - - - - - - - - - - -

دشمنوں کا بڑھنا

جلوں میں تیر دوڑ کے ناوک فگن بڑھے مستی میں جھومتے ہوئے سب پہلوان بڑھے

تیغوں کی طرح چین بہ جبیں تیغ زن بڑھے - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

تلوار

کو ندا دھار دو صاعقۂ قہر یک بیک   بوباچھیں توپ کے گینڈہ دم تک چھمک

- - - - - - - - - - - -   تی دن دویوجھاڑ کے سوا رہ گئے — سرک

- - - - - - - - - - - -

لگاتی ہے آگ اب وہ زمہریر میں

اوشیائیوں کے نزدیک ہوا کے طبقات کئی ہیں ایک کرہ جو بہت ہی سرد ہوتا ہے وہ کرہ زمہریر کہلاتا ہے —

(چاند پھرے)

دست جاں آس بڑھا دیا بوسہ جانستان   گھوڑے میں اڑ رہی تھی وہ معشوق ہارہا

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - -

اٹھانے میں تھی جو ابر تو گرنے میں برق تھی

لشکر کی وحشت اور معرکہ میں انتشار، تلواروں، گھوڑوں، تلاطم یہ وحید کی خصوصیات میں سے ہیں جو ساقی نامہ کے بہاریہ مضامین اور ساقی نامہ بے مثل ہوتے ہیں واضح ہو وحید کے ہاں انتشار و اضطراب کے مضامین بیشتر اور خوب تر ہوتے ہیں، مگر انتخاب میں تسلسل نہ رہتا اور پورے مقامات کی نقل میں بہت طوالت ہو جاتی اس لئے نہیں لکھا وحید صاحب بہت سیر کہنے والوں میں تھے دو تین سو بند کسی مرثیہ میں کہہ لینا کوئی بات نہ تھی —

تیغ کی چمک

وہ تیغ کی لپک وہ چمک اس کی سربسر وہ آب وہ لعاب وہ جوہر ادھر ادھر
غل تھا کہ برق ابر میں ہوتی ہے جلوہ گر ظاہر ہے آج طرفہ تماشہ کرو نظر

— — — — — — — — —

بجلی میں ابر ابر میں تارے خدا کی شان

جوہر

دستۂ تیغ پر جو نقوش اور خطوط بنے رہتے ہیں انہیں جوہر]
کہتے ہیں دمشقی فولادی ولایتیوں میں اکثر بدری اور پچی کاری کے کام؛
پھل پر بھی بنے رہتے ہیں اسے بھی جوہر کہتے ہیں —

— — — — — — — — — — — — — — —

یا آب میں خطوط شعاعی کا ہے ظہور لکھی ہوئی ہے یامہ نو پر دعائے نور

— — — — — — — —

بجلی کے تن میں خلعت زرتار دیکھ لو

ذیشان و حور پیکر و خوش رو و ماہ رو رفرف نژاد و برق شتاب و براق خو
آتش مزاج و آفت دوراں پری عدو سیلاب نور و تفرقہ پرداز و جنگجو
عرصہ بناؤ میں نہ بگڑ نے میں دیر تھی
صیحہ میں صاف ہیبت آواز شیر تھی

— — — — — — — — — — — — — — —

محو سبک روی ہو اگر دے سبک عنان صحرا کی ریگ پر نہ پڑے نعل کا نشان

— — — — — — — —

سم پڑ کے پست ہونہ بلندی حباب کی

داہنی سے لڑائی تلوار کی جنگ

کوشش کا ایک حال ادھر بھی ادھر بھی تھا　　نعرہ دم جدال ادھر بھی ادھر بھی تھا

سو طرح کا خیال ادھر بھی ادھر بھی تھا　　ہر ضرب میں کمال ادھر بھی ادھر بھی تھا

— — — — — — — — — —

پر اپ با حواس تھے وہ بے حواس تھا

— — — — — — — — — — — — — — — —

آنے لگی جو رگی طرف ضربت شقی　　خود بچ کے دست نحس سے اوجھڑ سپر کی دی

پھنچا زہس رگوں پہ یہ صدمہ کلائی میں

کاذب کا ہاتھ بھی ہوا جھوٹا لڑائی میں

ہاتھ کے اکھڑ جانے اور بیکار ہو جانے کو ہاتھ کا جھوٹا ہونا کہتے ہیں

— — — — — — — — — — — — — — — —

اٹھا نہ ہاتھ قصہ کیا گرچہ ہر گھڑی　　رگ رگ شقی کے دست نحس میں تھی ہتکڑی

مغرور تھا کہ رستم دشت جدل ہوں میں

آخر کھلا کہ قیدئی دام اجل ہوں میں

— — — — — — — — — — — — — — — —

جسم گرا سملد سے خم ہوکے مثل دال　　آواز ہوئی زمین نے کہ دب اور زبوں خصال

سردار کفر تھا جو لعین کاف کی طرح

پائی جگہ میان سقر قاف کی طرح

کفر کا سر یعنی پہلا حرف کاف ہے سقر کے لفظ میں ق سبق اور ر

کے درمیان ہے اسی طرح دشمن کو بھی عین جہنم میں جگہ ملی —

نفیس

[یعقوب مصطفیٰ سے جو یوسف جدا ہوا (امام حسین)]

میدان کی طرف روانہ ہونا۔

گھوڑے پہ جلوہ گر ہوئے سلطان بحر و بر پھیلی ضیائے چہرۂ روشن ادھر ادھر
تھا نور [illegible] کے پردہ بکر و فر گویا نہاں ہو گیا شبدیز [illegible]

— — — — — — — — —

دونوں امام و ابن میں دو آفتاب تھے

لڑائی کی ابتدا

[illegible] آیا جدھر وہاں
— — — — — — — — [illegible] اور وہ صف بنی میدان سقر وہاں

قطرے لہو کے مثل شرر اڑتے پھرتے ہیں
یہ کون سی ہوا ہے کہ سر اڑتے پھرتے ہیں

تلوار

سر دشمنوں کے تیغ دوسر کاٹنے لگی تیر و کمان و تیغ و تبر کاٹنے لگی
اشجار باغ بدعت و شر کاٹنے لگی دست و گلو و صدر و کمر کاٹنے لگی

— — — — — — — — —

دس دس پڑے تڑپتے تھے ایک ایک لاش پر

قبضے سے تھا ظہور سر قدرت قہر حق الٹا ہوا تھا رن میں صف فوج کا ورق
لاشوں سے پٹ گیا تھا وہ صحرائے لق و دق پھولی ہوئی تھی دور تلک خوں کی شفق

— — — — — — — — —

دم اس کا بڑھتا جاتا تھا اعدا میں دم نہ تھا

ضرب اس کی ابتدا سے ہر اک پر آتی رہی — جب تک [illegible] رہی
پیچھے ہر اک کے صورت مرگ رواں رہی — شمشیر زن [illegible] پیروں رہی

— — — — — — — — —

وہ تیغ قاتلہ کی طرح سے قضا میں تھی

ذوالجناح

امام حسین کے گھوڑے کا نام ذوالجناح تھا —

تعریف پیش و پس کی [illegible] ہے — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

میدان کارزار کی [illegible] تصویر کھینچتے

انیس

[ہاں اے فلک سلامیاں سوار آفتاب کی (امام حسین)]

(دشمنوں کا اضطراب)

آتا نہیں کوئی شہ صفدر کے سامنے — [illegible] کے سامنے
تصویر مرگ پھرتی ہے لشکر کے سامنے — روباہ ہو گئے ہیں غضنفر کے سامنے
بے جنگ معرکے سے قدم ہٹے جاتے ہیں
تلوار کیسی خوف سے دم نکلے جاتے ہیں

سراپا — لباس اور سلام

رکھے ہیں سر پہ تاج محمد شہ زمن — خوشبو ہے جس کی [illegible]
بر میں ہے کیا ہی تنگ قبائے ابوالحسن — زیر قبا ہے [illegible] کا پیرہن
دل کیا رہے [illegible] خم دار دوش پر
ہے ذوالفقار حیدر کرار دوش پر

ابرو

— — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — —

باہم ہیں یوں کہ فرق نہیں ایک بال کا
کس حسن سے قران ہے یاں دو ہلال کا

رخ و زلف

ہالے میں زلف کے رخ روشن ہے مثل بدر   نو روز کی وہ صبح ہے یہ شام صبح قدر

— — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

لب

صدقے حسین کے لب شیریں پہ شہد و قند   جس کی ثنا میں ہے یہ حلاوت کہ لب ہے بند

— — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

دندان

کھل جائیں گر یہ گوہر دندان ہم سخن   الماس کھائیں شرم کے مارے در عدن

— — — — — — — — — — — — — — —

عدن کے موتی الماس کھائیں یعلو ہیرے کی کنی کھا کر جان دیدیں

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

کاکل

— — — — — — — — — — — — — — — — —

اس زلف عنبریں کی پہونچ جائے ہو اگر — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

عقدے ہر ایک حور کی زلفوں کے کھل پڑیں

چشم

— — — — — — — — — یہ چشم پاک میں عطا ہے برائے خلق

مژگاں بھی ہاتھہ اٹھائے ہے بہرہ‌عائے خلق — — — — — — — — — —

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

گلو

کیا نور کا گلا ہے گلوئے شہ اسم - - - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - پڑتی ہے جس کی چھوٹ گریباں پہ دمبدم

- - - - - - - - - - - - -

تکمہ کا پیرھن کے ستارہ چمک گیا

پہلے عبا اور کرتہ سب میں بٹن کے بجائے گھنڈیاں اور تکمے لگتے تھے

سینہ

کیا لکھئے مدح سینۂ سلطان بحر و بر معمور ہے یہ علم الٰہی سے سر بہ سر

کینہ کا دخل یاں نہ کدورت کا یاں گذر مخزن ہے عدل و داد کا لطف و عطا کا گھر

— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

تاج سر نجات هیں [illegible] هیں میدان هیں جهک کے پالوں

[illegible] هیں [illegible] کے پانوں

— — — — — — — —

— — — — — — — —

[illegible] — نیزے کی لڑائی

[illegible] اک آن میں لگ گئی اس بد خصال کے

[illegible] آیا امام پاک پہ [illegible]

اڑنے لگا تو غل ہوا گردوں سے طعن کا

فوراً جواب مل گیا ایک ایک طعن کا

نیزے کو اس [illegible] — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — — — — — —

[illegible]

جیسے زبان نکلتی ہو مار سیاہ کی

تیزی

مثل شرر ادھر کبھی چمکی ادھر کبھی [illegible]

چار آئینہ میں جا کے ہوئی جلوہ گر کبھی زیر زرہ گئی کبھی بالائے سر کبھی

[illegible] تھا

ظالم کو اپنی جان بچانا محال تھا

چالاک فن میں گرچہ بہت تھا [illegible] کوئی شاہ کے حضور

نیزہ اڑا کے نیزے [illegible] کہتے هیں او مرد بے شعور

[illegible] هیں دلیروں کے سامنے

پھر نوک کی نہ کیجیو شیروں کے سامنے

شمیم کے مرنے کے بعد بھاگنا

- - - - - - - - - -   بھاگے شریر مورچے میدان میں چھوڑ کے
جو جو بڑھے تھے تیر کمانوں میں جوڑ کے   پہلے وہی ہوا ہوئے رخ موڑ موڑ کے

راکب تو پیدلوں کی قطاروں پہ گر پڑے
موکب الٹ الٹ کے سواروں پہ گر پڑے

تلوار

تھی آبدار [illegible] آل [illegible] مزاج تھا   قبضہ تھا یا کہ فرق پہ نصرت کا تاج تھا
لوٹتی تھی جان [illegible] س کا خراج تھا   اس کی زبان کا گھاؤ ہر اک لاعلاج تھا

سینہ کین اگر تو زخم میں آتش کا گھر بنے
تنکا جو دیں تو ہاتھ میں سوزن شرر بنے

سینے میں [illegible] سوراخ کر گئی   کہ تی کو منہدم صفت کاخ کر گئی
اک دم میں [illegible] گستاخ کر گئی   نخل ستم کی قطع ہر اک شاخ کر گئی

- - - - - - - - - - -

نے برچھیوں میں پھل تھے نہ ڈھالوں میں پھول تھے

بہت سے [illegible] تباہ ہوگئے   بے سر ہزاروں بانیٔ بیداد ہو گئے
ٹکڑے ہزاروں [illegible] فولاد ہو گئے   کوچے دیار کفر کے برباد ہوگئے

[illegible] دم اجل سے نہ جھونکے حسام کے
گل کر دئیے چراغ شجاعان شام کے

جوہر

- - - - - - - - - -   - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - -   - - - - - - - - - - -

جوہر تھے سر سے تابہ قدم اس جلوس کے
گویا بندھا تھا ماتھے پہ سہرا عروس کے

دشمنوں کی کیفیت

ڈوبا ہوا تھا خون میں نزدیک شط کوئی — بازو کٹائے لوٹ رہا تھا فقط کوئی
آیا وفا کو سامنے گر خوف غلط کوئی — یوں سر کٹا کہ خامے پہ دے جیسے قط کوئی
زخموں کے خط پڑے تھے تن نحس وزشت میں
کیونکر مٹے لکھا ہو جو کچھ سر نوشت میں

نفیس

[میری زباں کو شرف مدح پنجتن سے ملا (امام حسین)]

صبح

چنار باغ کی سب پتیاں دھکتی تھیں — کھلے ہوئے تھے چمن کھیتیاں لہکتی تھیں
نہال نخل تھے سب ڈالیاں لچکتی تھیں — بغل میں گل کو لئے بلبلیں چہکتی تھیں

- - - - - - - - - - - - - -

شمیم باغ سے طاوس مست پھرتے تھے

روانہ ہونے کی شان

بڑھا سمند سبک سیر شاہ نیک خصال — چلا رکاب ظفر انتساب میں اقبال
پڑا جو آئینۂ رخ کا عکس وقت زوال — زمین چمکنے لگی نیّر فلک کے مثال
ہوے یہ ناز کنان اپنی شان پر ذرے
ستارے بن کے چلے آسمان پر ذرے

لباس

عمامہ سر پہ گلابی وہ جس میں بوئے گلاب — عبا وہ دوش پہ ضو جس کی غیرت مہتاب
قمیص یوسف کنعاں تھی زیب جسم جناب - - - - - - - - - - - - -

— — — — — — — — —

نظر ہے فوج پہ حمزہ کی ڈھال دوش پہ ہے

رن سے پہونچ کر

... ...

... ...

صبا کو باعشہ مشرقین نے روکا

فرس کو رانوں کے نیچے حسین نے روکا

جری کے پہولنچنے سے

تمام فوج میں ایک تہلکہ ہوا برپا کہاں سے ہو گئے سب سہم کر خدنگ جدا

— — — — — — — — — — — سفید رنگ سیہ بیرقوں کے ڈر سے ہوا

نشان خم ہوے پرچم پہ پیچ پڑنے لگے

علم زمیں پہ گر گر کے سر رگڑنے لگے

رجز کے بعد — دشمنوں کی صف بندی

ہم زوال جھکنا وہ سب سنانوں کا وہ ہر پرے میں کڑکنا کڑی کمانوں کا

وہ زور اور وہ بل فوج کے جوانوں کا وہ غل یلوں کا وہ انبوہ پہلوانوں کا

ہر اک کا قول تھا سر ہنگ و خانہ جنگ ہوں میں

زمیں بھی کہتی تھی کثرت سے ان کی تنگ ہوں میں

پھر آئے لڑائی ہونے لگی — دشمنوں کی ہلچل

— — — — — — — — — — — — — — — — — — — —

اچھل رہا تھا یہ پانی کہ کھل گئے تھے بھنور فرات کا وہ کنارا ادھر - ادھر کا ادھر

— — — — — — — — — — — —

الٹ پلٹ تھی زمیں منقلب زمانہ تھا

علم کہیں تھے سپاہ ستم شعار کہیں — کہیں تھے فوج کے افسر رسالہ دار کہیں
کہیں فرس تھے پیادے کہیں سوار کہیں — — — — — — — — —

فرس سواروں کے خالی نظر جو آتے ہے
پیادے فوج کے بڑھ بڑھ کے بھاگے جاتے تھے

پکار ری گاؤ زمیں ہوشیار ہو جاؤ — قدم ٹھہر نے کہیں ہوشیار ہوجاؤ
چلے مکاں مکیں ہوشیار ہو جاؤ — — — — — — — — — —

لرز رہا ہے فلک جب تو کیا یہ کہتی ہے
جہاں الٹتا ہے کروٹ زمین لیتی ہے

ایک پہلوان سے گرز کی لڑائی

خفیف ہو کے اٹھایا شقی نے گرز گراں — ادھر سے [illegible] بڑھے امام زماں
چلی جو حیدر صفدر کی صارم براں — وہ گرز اڑ کے [illegible] گرا تھا شمر جہاں

یہ کیا غضب ہوا دشمن یہ کر کے شور گرے
ڈھل کے خاک پہ دس بیس گاو زور گرے

گرز کلہ گاؤ سے بنایا جاتا تھا اور کچھ عجب نہیں کہ غلط طور پر پھرا لے سے اور جھٹکا کھانے سے پورا گرز اڑ کر بیس تیس گز کے فصل سے گرا ہو کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آج بھی قوت والے مشاق نوجوان لوہے کے بڑے بڑے وزنی گولے گھما کر پندرہ پندرہ گز تک پھینک دیتے ہیں —

کمان کی لڑائی

کمان سے تیر ملایا شریر نے ہٹ کر — بڑھے حسین تو زور اس کا رہ گیا گھٹ کر
لگائی تیغ جو سبط رسول نے ڈٹ کر — گرا زمین پہ وہ دوک معہ کمان کٹ کر

وغا میں شمع حواس شریر بھی نہ بچی
ہوا سے تیغ کی قندیل تیر بھی نہ بچی

بھالے کی لڑائی

اٹھایا ہاتھ میں بھالا شقی نے گھبرا کر　　جھکا کے نیزہ کو آیا قرین وہ بانی شر
فرس کو دھلے طرف لائے شاہ جن و بشر　　چلی چمک کے جو دو چار بار تیغ دو سر
نہ جھو نک روک سکا سینہ زور نیزے کی
زمیں پہ کٹ کے گری پور پور نیزے کی

ساقی نامہ

پلائے ساقی گلرو شراب ناب مجھے　　نظر پڑا ہے گلابی میں * آفتاب مجھے
ملیں قدم پہ قدم آب بے حساب مجھے　　دکھائے شیب میں کیفیت شباب مجھے

... ...

... ...

ملائے جام لبوں سے کہ ہے خمار مجھے　　عطا ہو بادۂ سر جوش و خوشگوار مجھے
ریاض فتم کی دکھلائے پھر بہار مجھے　　فزوں ہو نشۂ توصیف کار زار مجھے

... ...

... ...

انیس

[دوزخ سے جب آزاد کیا حر کو خدا نے (عون و محمد)]

" حوریں "

ذھلی خیالات کی کتنی پاکیزہ صورتیں کھینچی گئی ھیں کہ حسن و رعنائی کے مجسمے آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ھیں اور تصور و درک کے مرقع نگاھوں میں کھب جاتے ھیں —

حوروں کے وہ چہرے وہ ضیائے در دندان　　کوئی متبسم کوئی گریاں کوئی خندان
باتوں کی حلاوت لب شیریں سے دو چندان　　سن پائیں تو چاٹا کریں ھونٹوں کو سخندان

* شراب

سودا ہو پری دیکھ لے گر حور کی آنکھیں

سورج کی چمک چاند کا منہ نور کی آنکھیں

ہاتھوں پہ وہ کوثر کے چھلکتے ہوئے ساغر پانی وہ خنک اور وہ لپکتے ہوئے ساغر

شیشے وہ بلوریں وہ چمکتے ہوئے ساغر وہ مشک کی خوشبو وہ مہکتے ہوئے ساغر

پژمردہ اگر غنچۂ خاطر ہو تو کھل جائے

برسوں نہ لگے پیاس گر اک جام بھی مل جائے

رخصت ہو کر دونوں بچے میدان کی طرف چلے

... ...

تیغوں میں چلے جلس شہادت کے طلب گار باگیں جو اٹھائیں تو ہوا ہو گئے رہوار

ساتھ ان کے ہرن جست میں نہ کشت میں پہونچے

اڑتے ہوئے طاؤس چمن دشت میں پہونچے

یوں آے کہ جس طرح نسیم چمن آے گھوڑے تھے کہ دو آہوئے چین ختن آئے

سو نلائے ہوے دھوپ میں گل پیرہن آئے فوجوں میں ہوا شور کہ وہ صف شکن آئے

... ...

... ...

دونوں کے گھوڑے

دو صاعقہ لشکر پہ چمکتے ہوئے آئے دو شعلے تھے آندھی میں لپکتے ہوئے آئے

دو شیر صف جنگ کو تکتے ہوئے آئے دو گل تھے ہوا پر کہ مہکتے ہوئے آئے

تھا شور کہ ہوش اڑ گئے یاں کبک دری کے

گھوڑے ہیں کہ جھونکے ہیں نسیم سحری کے

غصہ میں جو ہر بار ٹھہر جاتے ہیں چل کے آنکھوں نے نیا حسن دکھایا ہے ابل کے

اس طرح قدم خاک پہ رکھتے ہیں سنبھل کے گر ہاتھ میں ہو جام لبالب تو نہ چھلکے

... ...

بھوں کی سواری سے خبردار ہیں دونوں

وہ برق یہ صرصر و چھلاوہ یہ پری ہے   وہ آہوئے صحرا ہے تو یہ کبک دری ہے
سرعت جسے کہتے ہیں وہ رگ رگ میں بھری ہے   ہر کام نئی چال نئی جلوہ گری ہے
نعل ان کے کہیں برق ہیں شمشیر کہیں ہیں
آہو کہیں چیتے ہیں کہیں شیر کہیں ہیں

(دشمنوں کی پیش دستی جو منافی شجاعت ہے)

سرہنگ و جفا جوئے جنگ آئے ادھر سے   یاں سے جو بڑھے لعل تو سنگ آئے ادھر سے
— — — — — — — — —   بل پڑ گئے ابرو پہ خدنگ آئے ادھر سے؟
ڈھالیں تھیں بہم گرز بھی ہاتھوں میں تلے تھے
نیزے بھی لچکتے تھے پھرہرے بھی کھلے تھے

اس وقت کی حالت

کڑکیں دو کمانیں کہ ہوا فوج میں کڑکا   تیغوں کی سپیدی تھی کہ تھا نور کا تڑکا
کچھ بجھ گیا خورشید کا شعلہ کبھی بھڑکا   ہر دل کو ہلا دیتا تھا سر کٹنے کا دھڑکا
دانتوں میں سواران عرب ڈاڑھیاں دابے   وہ صورتیں خونخوار وہ گھوڑے دو رکابے
وہ گردنیں وہ سر تھے کہ معکوس قرابے*   وہ آگ کے پتلے تھے تو شبدیز شتابے

— — — — — — — —

— — — — — — —

آغاز جنگ

قبضے پہ ادھر ہاتھ سلحشوروں نے ڈالے   تیر آئے کمانوں سے بڑھے ظلم کے بھالے
یاں کھینچ شیروں نے نیاموں سے نکالے   — — — — — — — — —

* عرب کے جھجھر

— — — — — — — — —

دو شیروں نے حملہ کیاآھو کی صفوں پر

ساقی نامہ

کوثر کا بھرا جام پلا دیجئے مولا ... ...

... ... شمشیر فصاحت کو جلا دیجئے مولاہ

میں وہ نہیں یا خلق میں انصاف نہیں ھے

مدت سے جو چپ ھوں تو زبان صاف نہیں ھے

گو پیر ھوں پر زور جوانی ھے ابھی تک سوکھے ھوئے دریا میں روانی ھے ابھی تک

قبضہ میں وہ تیغ صفھانی ھے ابھی تک دندان نہیں پر تیز زبانی ھے ابھی تک

جوھر ھے وھی باڑھہ وھی گھات وھی ھے

کہنہ تو ھے شمشیر مگر کاٹ وھی ھے

نیمچے

لو نیمچے شہزادوں کے چلتے ھیں خبردار لو با نبیوں سے ناگ نکلتے ھیں خبردار

رنگ انکی خونخوار بدلتے ھیں خبردار لو مار سیہ زھراگلتے ھیں خبردار

جل جاتا ھے وہ آنچ ذرا لگتی ھے جسکو

پڑ جاتے ھیں نیل اسکے ھوا لگتی ھے جسکو

بے مثل وعدیل ایک تو یکتائے جہاں ایک ان باغیوں پر باد سموم ایک خزان ایک

اک آتش جانسوز ھے اور آب روان ایک گھات ایک برش ایک چمک ایک زبان ایک

میان اسکی الگ ھے تو غلاف اس کا جدا ھے

اک جان دو قالب انھیں کہئے تو بجا ھے

ترجیم

گو برق کہوں برق میں یہ تاب کہاں ھے پانی میں روانی ھے پہ یہ قلب کہاں

خم ہے پہ دم ایسا تو سہ نوسیں نہیں ہے
ایسی تو چمک سہر کے پر تو میں نہیں ہے

بھاگڑ

ٹوٹی ہوئی صف عہد شکن دیکھہ کے بھاگے　- - - - - - - - - - - -
نامرد فراق سروتن دیکھہ کے بھاگے　بچھڑے ہوئے شہروں کو ھرن دیکھہ کے بھاگے
دریا پہ بھی ڈر سے کوئی پھرا نہیں جاتا
بھاگڑ میں یہ ہے شور کہ ٹھیرا نہیں جاتا

دونوں بھوں کی لڑائی

سہلوں کو سلانوں سے ملادیتے تھے دونوں　ہر ضرب میں گیتی کو ھلا دیتے تھے دونوں
آئینہ نصرت کو جلا دیتے تھے دونوں　پانی انہیں تیغوں کا پلا دیتے تھے دونوں
یوں مرتے ہیں کرتے ہیں براتی جو بھلوں سے
تھا زہر ھلاھل کہ اترتا تھا گلوں سے

کڑکا

وہ غل عربی باجوں کا وہ تیغوں کی جھنکار　قرنا کی صدا وہ دہ ہلے گنبد دوّار
کالی وہ گھٹا شام کے لشکر کی دھواں دھار　برہ بڑہ کے یہ کڑکیت صدا دیتے تھے ہر بار
ھاں آج نمود سپہ شام کا دن ہے
اے لشکر یو نام کرو نام کا دن ہے

پھر آئے کہیں سے جو کہاندار سمت کر　پھولیے وہیں شہلوادوں کے رہوار سمٹ کر
ٹھراتے تھے ڈر سے جو ستمگار سمت کر　چلے بھی اتر جاتے تھے ہر بار سمت کر

... ...
... ...
... ...

انیس

[نمک خوان تکلم ہے فصاحت میری (اسلم حسین)]

صبح

صبح صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور زمزمے کرنے لگے یاد الہی میں طیور

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

صبح کا ذکر ہے کیا چاند کا چہرہ فق تھا

سرثیہ کا پہلو انیس کہیں نہیں چھوڑتے میں نے جو تین مصرعے چھوڑ دئے ہیں اس میں اد اسی کی کیفیت دکھائی ہے مگر جیسا کہ کسی جگہ پہلے بتا چکا ہوں میں مضمون کی اس کڑی میں صرف ان پہلوؤں کو دکھا رہا ہوں جو درد سے خالی' روایات اور معتقدات سے جدا صرف روشن پہلو ہیں' بجائے خود مکمل ہیں اور ادب سے بھرے ہوئے ہیں ورنہ بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ " درد " کا نمک طعام کلام کے لئے ضروری ہے انگلستان کا ایک زبردست شاعر یہی بات کس حسن سے کہہ گیا ہے اس کا یہ مصرع زبان زد ہے اور ضرب المثل بن گیا ہے —

Our Swee test Songs are those that tell of saddest thohugt ...

ہمارے شیریں تریں گیت وہ ہیں جو انتہائے درد کے جذبات کے مظہر ہوں - خیر آگے سنئے —

ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں وہ بیابان وہ سحر دمبدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرش زمرد پہ بچھائے تھے گہر لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب باد صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

قریب قریب یہی خیال تعشق کے یہاں بھی ایک شعر میں ادا ہوا ہے یہ کسی غزل کا مطلع ہے —

نجد سے جانب مجنوں جو ہوا آتی ہے   دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے

معلوم نہیں انیس نے پہلے کہا ہے یا تعشق نے بہر طور سرقہ نہیں ہے توارد ہے پھر بھی انداز بیان اور انتخاب الفاظ کا فرق ظاہر ہے :—

بلبلوں کی وہ صدائیں وہ گلوں کی خوشبو   دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پرخم گیسو
قمریاں کہتی تھیں شمشاد پہ یا ہو یا ہو   فاختہ کی یہ صدا سرو پہ تھی کو کو کو

وقت تسبیح کا تھا عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

نماز

— — — — — — — —   — — — — — — — —

وہ مصلی کہ زباں جن کی حدیث و قرآں   وہ نمازی کہ جو ایماں کے تن پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کئے تلواروں میں

— — — — — — — —   — — — — — — — —

وہ عمامے وہ عبائیں وہ قبائیں ان کی   حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں ان کی
ذکر خالق میں جو لب ان کے ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

— — — — — — — —   — — — — — — — —

یوں سرافراز وہ سب لشکر شاہی میں رہے   جس طرح تیغ دو دم دست سپاہی میں رہے
— — — — — — — — — —
— — — — — — — — — —

وہ تخشع و تضرع وہ رکوع اور وہ سجود وہ تہلل وہ دعائیں وہ قیام اور وہ قعود
یادِحق قلب میں سوکھے ہوئے ہونٹھوں پہ درود — — — — — — — — —

— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

موم فولاد ہو آواز میں وہ سوز و گداز اپنے معبود سے سجدے میں عجب راز و نیاز
— — — — — — — — —

چاند شرمندہ ہو چہرے متجلی ایسے

علم کا کھلنا

— — — — — — — — — — — — — — — — — —

علم فوج کو عباس نے کھولا اکہار — — — — — — — — — —

دشت میں نکہت فردوس بریں آنے لگی
عرش تک سبز پھریرے کی ہوا جانے لگی

لہروہ سبزہ پھریرے کی وہ پنجہ کی چمک شرم سے ابر میں چھپ جاتا ہے خورشید فلک
— — — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — —

— — — — — — — — —

اغاز جنگ

لو کھچی تیغ دوسر فوج پہ آفت آئی ... ...
فتح تسلیم کو اداب کو نصرت آئی فخر سے غاشیہ برداری کو شوکت آئی

چوم لوں پانوں جلال اس تک ودو میں آیا
ہاتھہ جوڑے ہوے اقبال جلو میں ایا

گھوڑا

آپ سیدھے جو ہوئے رخش لے بدلا تیور　　دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈرے بانی شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے کیا دم کو چنور　　... ... ...
... ... —
... ...

تلوار

... ...　　... ... ...
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارہ جیسے　　روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارہ جیسے
... ...
... ...

تیغیں آرے ہوئیں ڈھالوں کے اڑے پرکالے　　بند سب بھول گئے خوف سے بھالے والے
... ...　　تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
... ...

ایسے عقدے میرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

... ...　　... ... ...
دو زبانوں سے صدا کار قلم لیتی ہوں　　چہرے کٹ جاتے ہیں جب فوج میں دم لیتی ہوں
— — — — — — — —

طبلقیں کٹتی ہیں چہرے نظری ہوتے ہیں
کبھی چہرہ کبھی شانہ کبھی بکتر کاٹا　　کبھی درآی گلے میں تو کبھی سر کاٹا
کبھی مغفر کبھی ترکش کبھی پیکر کاٹا　　طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
پی گئی خون ہزاروں کا پہ ملہ صاف رہا
— — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — تیغ کیا تھی کہ ایک اڑتی ہوئی ناگن آگئی

غل تھا بھاگو کہ یہ ظالم ٹھہرنے کا نہیں

زہر اس کا جو چڑھے کا تو اترنے کا نہیں

دھوپ

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

دھوپ وہ دھوپ کہ مرجھا گئے تھے تازہ نہال لو تھی وہ لو کہ پگھلتے تھے حرارت سے جبال

سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی

سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

نفیس

[معجز بیاں ہوں فیض رسالتمآب سے (عون و محمد)]

جنت

اس مہم کے صلہ میں عنایت ہو یا مجیب - - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - - کوثر پہ ہوں کبھی کبھی تسنیم کے قریب

خوشبو ہوا اڑھو ڈالیاں پھولوں کے ساتھ ہوں

حلے کلے میں حوروں کے ہاتھوں میں ہاتھ ہوں

ہلس ہلس کے دیکھوں گلشن فردوس کی بہار نرگس پہ کچھ نظر ہو کبھی سوئے لالہ زار

غلماں کبھی ہوں زیر درختان میوہ دار - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

صبح

جسدم ہوا سپہر بریں پر ظہور صبح   نکلا حجاب شب سے رخ صاف حور صبح
غالب ہوا ضیائے کواکب پہ نور صبح   پھیلی زمیں پہ روشنی شمع طور صبح
پنہاں ستارہ ہائے شب تار ہو گئے
طالع خدیو صبح کے بیدار ہو گئے

جھونکے وہ باد صبح کے سردی وہ معتدل   سبزہ وہ جس سے ہو فلک اخضر بھی خجل
خوشبو وہ تازہ پھولوں کی جس سے خوشی ہو دل   مرغان دشت و در کی صدائیں وہ متصل
وہ لطف طائران چمن کی صفیر کا
دم بھر رہے تھے عشق خدائے قدیر کا

وہ تازگی گلوں کی وہ گلزار کی بہار   گلبانگ عندلیب وہ بالائے شاخسار
طاؤس کا وہ رقص تہ نخل سایہ دار   اٹکھیلیاں نسیم سحر کی وہ بار بار
ایک وجد تھا نہال نہ پھولے سماتے تھے
رہ رہ کے غنچہائے چمن مسکراتے تھے

شبنم کی برگ سبز و گل سرخ پر چمک   ہیرے کے نگ تھے لعل و زمرد پہ دور تک
وہ جھومنا درختوں کا باہم تہ فلک   لالے کی وہ لہک گل خودرو کی وہ مہک
جلوہ تھا چار سمت سحر کی بہار کا
گلشن کھلا تھا قدرت پروردگار کا

فوج حسینی میں

دو چار وہ مسن کہ جوانوں میں انتخاب   قربان جن کے شیب پہ کیفیت شباب
طاقت میں دبدبے میں شجاعت میں لاجواب   قد غیرت ہلال پہ رخ اشک آفتاب
جویائے آبرو وہ بدیع الجمال تھے
قد خمیدہ دین کی دولت پہ دال تھے

... ...

... ...

خم ہو کے سیدھے ہوتے تھے یوں کار زار میں
انگڑائی شیر لیتا ہے جیسے کچھار میں

... ...

... ...

فوجوں میں نوجوانوں سے پیچھے نہیں رہے
سر کٹ کے ان کے پاؤں جہاں تھے وہیں رہے

روانگی

آئے سجے ہوئے در دولت پہ راہوار رکھہ کر کمر میں چھوتے سے دامن ہوئے سوار

... ...

... ...

دو بجلیاں تڑپ کے برابر نکل گئیں

گھوڑے

... ... خوشخو پلنگ ہیبت و جاندار و تیز گام
کوتاہ سم فراخ کفل تیز و خوش لجام ... ...

... ...

رعب نگاہ ان کے لئے تازیانہ ہے

انیس نے بھی کہیں کہا ہے تار نگاہ ان کے لئے تازیانہ ہے - دیکھئے محض ایک لفظ کے فرق سے حسن، حقیقت، لطف زور اور اثر میں کتنے درجات کا فرق ہو گیا ہے —

مثل نسیم صبح سبک رو سبک عناں پتہ ہلے نہ ایک جو پھولوں پہ ہو رواں

... ...

سمجھیں یہ گل کہ قطرۂ شبنم کا بار ہے

رجز کے بعد دشمنوں کی حالت

بجنے لگا سپاہ میں نقارۂ سرود جنگی صفیں بڑھیں کہ بڑھے جیسے موج رود
تلواریں تھیں میان کمر ہاتھ میں عمود کاندھوں پہ ڈھالیں بر میں چھلتے سروں پہ خود

... ...

دو لاکھ شہسواروں کے نیزے بلند تھے

ہاں سیف خامہ تیز زبانی دکھا مجھے ... ...
... ... نصرت کی اور ظفر کی نشانی دکھا مجھے

... ...

دو نیمچے جو مل کے اٹھیں ذوالفقار ہوں

نیمچے

وہ نیمچے وغا میں عجب ضو دکھا گئے شعلوں کا رنگ برق کا پرتو دکھا گئے
... ... اٹھے تو سب کو اوج مہ نو دکھا گئے

... ...

بر سے اگر تو ابر تھے چمکے تو برق تھے

آفت بپا تھی چلتے تھے یوں رن میں نیمچے ... ...
... ... تسمہ لگا نہ رکھتے تھے گردن میں نیمچے

... ...

تارے نفس تھے قطع بلا کی صفائی تھی

سراپہ

ںگورے گورے ہاتھوں میں تیغوں کی وہ چمک　　تھی برق دست قہر میں گویا تہ فلک
چاک آستیں کے الٹے ہوئے مرفقوں تلک　　لاکھوں سے معرکے میں جھپکتی نہ تھی پلک
یوں غیظ میں جھپٹتے ہر اک بکار پر
جنگل میں جیسے شیر کے بچے شکار پر

میدان کی حالت

ہر دل سے لیمچوں کی چمک وار پار تھی　　تھے جسم پارہ پارہ توصف تار تار تھی
ضربت جو دو طرف سے ادھر دو بار تھی　　بکتر تھے چاک چاک زرہ تار تار تھی
یوں ٹکڑے ٹکڑے جسم میں چار آئینے ہوئے
ہر آئینہ کے کٹ کے ہزار آئینے ہوئے

ہے جابجا زمین پہ دو رستہ سروں کے ڈھیر　　ڈھالوں کے اس طرف تو ادھر مغفروں کے ڈھیر
نیزوں کے ڈھیر ادھر تو ادھر خنجروں کے ڈھیر　　بازو بریدہ جیبوں کے ڈھیر ادھر جمدھروں کے ڈھیر

... ...

جنگل کی سب زمین سلم خانہ ہوگئی

دو دشمنوں سے لڑائی

دونوں طرف سے چلنے لگے وار بار بار　　شیروں کے نیمچے تھے شرر بار بار بار
بڑھتے تھے جب ادھر سے وہ جرار بار بار　　ہٹتے تھے پیچھے دب کے وہ غدار ہار ہار

... ...

روباہ منہ پہ شیر کے آتے نہیں کبھی

نیزہ دو نیم ادھر ہوا گرز گراں ادھر　　تیر اس طرف قلم ہوئے شاخ کماں ادھر
خود اس طرف کٹا سپر پہلواں ادھر　　زخمی ادھر کلائی ہوئی انگلیاں ادھر

سرکش کو پست کرتا ہے کلمہ غرور کا
دونوں کے پاس ایک نہ حربہ تھا دور کا

... ...

سن سے چلیں جو چھوٹی سی تیغیں ادھر ادھر تن پر نہ اس کا فرق تھا نہ دوسرے کا سر
گھوڑوں کے بھی زمین میں قدم گڑ کے رہ گئے
دونوں کے سر جو پاس گرے لڑ کے رہ گئے

رشید

[محضر خون شہیداں ہے میرا دامن دل (امام حسین)]

صبح

صبح عاشور کی جب دشت میں تنویر ہوئی لیلئی سب کی جوانی نہ رہی پیر ہوئی
رن میں جو شے تھی وہ ایک نور کی تصویر ہوئی دل جلے سرد ہوا میں نئی تاثیر ہوئی
یوں ہلے برگ و شجر شور و فغاں اٹھنے لگا
شبنم اڑنے لگی آہوں کا دھواں اٹھنے لگا

سورج

تاج زریں سے ہوا جب سر گردوں پر نور خضر نے چاہا کہ ہو قلزم اخضر سے عبور
رنگ وہ چرخ کا وہ مہر کا مشرق سے ظہور شیر کا چہرہ نظر آتا تھا سبزے میں دور
کوئی معشوق بہ صد شوکت و ناز آتا ہے
سرخ بیرق ہے سمندر میں جہاز آتا ہے

بہار

پھول کھلنے لگے بلبل کی صدا آنے لگی دہ نظر باغ کی صحرا میں فضا آنے لگی
غنچے گل ہونے لگے باد صبا آنے لگی ٹھنڈی ٹھنڈی لب دریا سے ہوا آنے لگی

بچے ہر سرثیہ آقا کی طرف سڑنے لگے
زلفیں ھلنے لگیں داماں قبا اڑ نے لگے

لطف پیدا کیا شبنم نے سوا رو رو کے غنچے شاداب ہوئےاور بھی تر ھو ھو کے
گیسو آراستہ سنبل نے کئے دھو دھو کے سب جو افتاں چمن اٹھنے لگے سو سو کے
پانوں رکھتی ھے نسیم سحری بن بن کے
اپنے کو دیکھتا ھے سرو ھر اک تن تن کے

پھولوں نے فصل بہار آتے ھی رنگت پائی زر گل مل گیا گلچیں نے یہ دولت پائی
پانی کے زور سے فواروں نے قوت پائی دست دیا بیلوں نے پھیلا دئے راحت پائی
ھے سکون سب کو ھر اک بات میں آسانی ھے
آئینہ جو کھیتے میں نہریں یا پانی ھے

رنگ لالہ کا نیا ھے نئی زیبائی ھے تختہ سوسن کا کھلا ھے کہ گھٹا چھائی ھے
سب زلیخا کے جوانی کی روش پائی ھے ھے یہ احسن چمن جا کے بہار آئی ھے
جس کو سمجھے تھے برا لوگ وہ اچھا نکلا
باغ میں سبزۂ بیگانہ یگانہ نکلا

ھےجوانان چمن کی ھر ادا خوش اسلوب کیسے خوش رنگ لباس انکے و ہ شکل مرغوب
... ... سایہ شمشاد کا ھے روکش قد محبوب
بدلی آ آ کے جو ھر بار سرک جاتی ھے
کہیں دھوپ اور کہیں چھانوں نظر آتی ھے

... ...

ھے ملاپ آج نہیں ھے گل و بلبل میں بگاڑ بیٹھتی ھے جاکے قریں دیکھ کے پتوں کی آڑ
پائے صیاد کی آہٹ جو ذرا پاتی ھے
سیکڑوں باتیں سناتی ہوئی اڑ جاتی ھے

باغ میں فصل بہار آئی کہ ایام شباب باغباں سے ہوئی خوش بے کے زر گل کا حساب
حسن کے واسطے سنبل کو دیا پیچ و تاب اس نے سبزے کو روندا کہ ہوا وہ ہال اب

ناز دیکھو کہ جب عمر یہاں بہار آنے چلی
تو ہر اک غنچہ کو عمر پھولوں کو تیکرا کے چلی

بیلیں خوش ہیں کہ بہار آئی گئی فصل خزاں سب تو خوش ہیں پہ نذر چمن آرائے جہاں
آرزو ہے کہ اسی رنگ پہ پھر ہو بستاں تمام فصل میں چلے ہیں یہ بیلیں ہیں کہاں

پھر حسینوں نے ہوا باغ کی دکھانے کے لئے
منتیں مانگی نہیں ایام گل آنے کے لئے

عورتیں اپنی منتوں کے لئے حسینی جھنڈوں میں تارے کے چھلے باندھ دیتی ہیں جن کو لکھنؤ کی زبان میں بولی چلہ کہتے ہیں —

مہندی

اس قدر کثرت گل ہے کہ نہیں کوئی حساب تھی مہندی کی ہر اک شاخ کے یہ کرتی ہے خطاب
میں پیسی جاتی ہوں یہ جان پہ پیسا ہے عذاب دمبدم فصل بہاری اسے دیتی ہے جواب

شوق محبوبوں کا ہر دم اسی تدبیر میں ہے
روز اول ہی سے پسنا تری تقدیر میں ہے

پاتے ہیں حسن کا سامان یہ آسانی گل عکس سبزہ سے نظر آنے لگے دھانی گل
زلف سنبل کی ہے افشاں جو ہیں افشانی گل کہیں کانٹا نہ لگے مانگتے ہیں پانی گل

حد نہیں باغ میں ہر پھول کی سرشاری کی
دھبے دامن کے نہیں دیتے ہیں میخواری کی

کہیں کانٹا نہ لگے کے تین معنی ہیں ۔ جب پیاس کی شدت سے گلا سوکھ جاتا ہے تو کانٹا لگنا کہتے ہیں کہیں نشتر نہ چبھے دوسرے معنی یہ ہیں اور تیسرا پہلو یہ ہے کہ کانٹے نکل نہ آئیں جوش بہار سے ۔

قطرے شبنم کے ہر اک سمت ہزاروں ہیں عیاں ہیں شجر سارے مرصع یہی ہوتا ہے گماں
جوہری آتے ہیں دھوکے میں سماں بستاں ابر نیساں کا بھلا کون اٹھاتا احساں

کئے ہیں فصل بہاری نے یہ جوہر پیدا
نہ درختوں میں بھی ہونے لگے گوہر پیدا

روانگی

... ...
... ...

قدم شاہ سے ہر ایک شرف پانے لگا
نور آنکھوں میں رکابوں کے نظر آنے لگا

گھوڑا

کی جو آہستہ سے مہمیز ہوا تیز فرس خوں تھے دیتی تھی دل شیروں کے آواز نفس
کچھ عجب پیار سے فرماتے تھے حضرت بس بس ... ...

— — — — — — — —

جس طرف پھرتا ہے عشاق کے دن پھرتے ہیں

... ...

آج تک خلق میں سمجھا نہ کوئی چال اس کی سلہہ کا کف پارہ ہے اور برق ہے پامال اس کی
نقش پا اس کے جو مٹ جاتے ہیں سارے بن کے
بام گردوں پہ چلے جاتے ہیں تارے بن کے

چال اس طرح کی ہے پریوں کے دل ملتی ہے — — — — — — — — — — —
— — — — — — — — — — کستا ہے سہلہ سے ہیکل جو ذرا ڈھلتی

لباس

... ...

... ...

— — — — — — — — —

سر پہ عمامہ گلابی ہے قبہ طوسی ہے

تلوار

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — —

تیز چلنے کی صفائی کی کبھی خو نہ گئی

اس طرح نکلی کہ کانٹھی میں ذرا چھو نہ گئی

ریت

— — — — — — — — — — — — — — — —

رن سے اٹھ اٹھ کے غبار اوج پہ جا پہونچا ہے   پٹ گیا ایسا کہ دریائے فلک صحرا ہے

... ...

مہر ایک ریت کا انبار نظر آتا ہے

ساقی نامہ

— — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — —   ہم تو میخوار ہیں مطلب ہے اور اپنا مطلب

— — — — — — — — —

— — — — — — — — —

جی میں آتا ہے کہ ساقی سے طلب جام کریں   — — — — — — — — — —

— — — — — — — —

سلتے ہیں چار طرف ابر کرم چھائے ہیں

ہم فقیروں کی طرح آج ادھر آئے ہیں

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ ــــ کہہ دیتے ہیں کہ سمجھائیے نہ کوئی زنہار

جوش میں جام سے شیشے ابھی اچھل جائیں گے

نام نوبد کا سنیں گے تو بکھر جائیں گے

- - - - - - - - - - - کیا سبب جام میں آنے لگی تھم تھم کے شراب

- - - - - - - - - - میرے ساقی ترے صدقے مجھے سب دیدے شتاب

دامن صبر میرے ہاتھ سے اب چھٹتا ہے

دم رکا جاتا ہے شیشہ سا کوئی کھنچتا ہے

میرے ساقی نے منگائی ہے شراب کوثر ... میں جو ہاتھ دھوے ہوں ہاتھ جھکائے ہوئے سر

... ... سب شیشے ساغر ہے حریفوں کی نظر

آنکھیں مشتاق ہیں دیکھیں کہ کب ملتی ہے

دل میرا ہلتا ہے جب جام میں مے ہلتی ہے

رشید

[عباس نے جب رن کی رضا شہ سے چاہی (حضرت عباس)]

ساقی نامہ

اے ساقی مہوش مجھے جلدی کوئی دے جام مدت سے میری روح تڑپتی ہے پئے جام

حسرت ہے یہ کانوں میں صدا آئے کہ لے جام یاں ذکر لڑائی کا ہے شیشے سے لڑے جام

- - - - - - - - - -

- - - - - - - - - -

گھوڑا

— — — — — — — — — — — — — — — — —

اس هاتھه میں ہےباگ‌نعاس‌هاتھہ‌میں‌کوڑا   جس سمت نظر پھرتی ہے پھر پڑتاہےگھوڑا

— — — — — — — — —

گو یا که لجام اس کی هے تار نظر ان کے

— — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — — — —

سب شامیوں سے پھر کے طرارا نکل آیا
شب ختم هوئی صبح کا تارا نکل آیا

تلوار

پھر بھر کے لہو میں هوئی تیغ‌دوسراتش - - - - - - - - - - - - -

— — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — —

هے گرمی رفتار که منهه لال هوا هے

" سلیس "

[وہ گل هوں که جس پاس خزاں آنهیں سکتی (حضرت عباس)

صبح

جب تاج رکھا فرق په سلطان سحر نے   مغرب کو کیا کوچ شب نیک سیر نے
هاتھوں په لیا نور پہء نذر قمر نے   رخساروں کو شبنم سے بھگویا گل تر نے

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

وہ آمد خورشید وہ مہتاب کا جانا   سردی وہ دم صبح کی وہ وقت سہانا
جنگل میں صبا کا وہ دبے پانوں سے آنا   هر نخل په طاؤس کا وہ شور سہانا

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

باجہ

نوبت کی وہ آواز وہ شہنا کی صدائیں وہ وردیاں لشکر کی جو سوتوں کرجگائیں
وہ نے کی صفیریں کہ دل سخت بھرآئیں تاسے وہ کہ جو گنبد گردوں کو ہلائیں

سب ارض و سما غل سے جو قرنا کے بھرے تھے
سکان فلک ہاتھوں کو کانوں پہ دھرے تھے

وہ خندۂ گل اور وہ بلبل کا چہکنا شبنم کا وہ ہر برگ رگ گل سے ٹپکنا
تاروں کا وہ چھپنا کبھی اور کا چمکنا وہ سبزۂ نوخیز کا رہ رہ کے لہکنا

صحرا میں ہر اک پھول کی خوش بوجونئی تھی
چال اپنی نسیم سحری بھول گئی تھی

دالھ سپ وہ جنگل وہ خنک وان کی ہوائیں جلہ سے ہیں فرشتوں نے نہ دیکھیں و وفزائیں
وہ چار طرف نغمہ بلبل کی صدائیں — — — — — — — — —

— — — — — — — —

— — — — — — — —

پھولوں وہ کف دست سا وہ صبح کا عالم خنکی مگر ایسی نہ زیادہ نہ بہت کم
وہ چہچہے مرغان خوش اواز کے باہم — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

— — — — — — — — — —

تعشق

[سچ ہے دنیا میں شب ہجر بلا ہوتی ہے (جناب حریرمرم)]!

علم

— — — — — — — — — — — — — — — — — — — —

جب صف آرا ہوا تھوڑا سا وہ ہمشہ کا لشکر علم سبز کھلا سرو قدوں کے سر پر

علم سبز کے پرتو سے جو ممتاز ہوا
سبزۂ خط رخ خورشید پر آغاز ہوا

سنگریزوں میں زمرد کا جھلکتا تھا رنگ — — — — — — — — —
پستیٔ اطلس دریا نے کیا پیدا رنگ هلکا هلکا جو کہیں تھا تو کہیں گہرا رنگ

- - - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - - -

وہ عجب رنگ پھریرے کا وہ پنجے کا نور سبز پردے سے نکالے ہوئے تھی چہرہ حور
— — — — — — — — — — — — — — — —
— — — — — — — — —
— — — — — — — — —

صبح

طرفہ شرق وہ سامان طلوع خورشید اشک شبنم سے ٹپکتی تھی بہار جاوید
پیرہن نور کا پہنے ہوئے تھی صبح امید بہر زخم دل بلبل تھے نمک پھول سفید
دیکھے ان کو تو ہوں عارف کے جگر کے ٹکڑے
کوسوں پھیلے ہیں گریبان سحر کے ٹکڑے

بہار

شاهد گل کی نزاکت کے نرالے ہیں ڈھنگ سرخ منہ ہوگئے ہیں بر میں جو ملبوس ہے تنگ
اشک شبنم کا ترشح ہے انوپ بارش رنگ میری آنکھ ان پہ جو پڑ جائے تو میلا ہو رنگ
آگ پھولوں کو ہے بلبل کے جگر کی گرمی
زرد کر دیتی ہے سبزہ کو نظر کی گرمی

... ... پھر ہی سبزۂ نو خیز کے بر میں دھانی
... ... سوندھی مٹی کی خوشبو وہ معطر پانی

... ...

ہو گذر خاک کے پتلے کا تو آدم ہو جاے

یعنی جان یہی ہاے ' جب اللہ کو انسان کی خلقت منظور ہوی تو فرشتوں سے مٹی کا ایک پتلا بنوایا اور اس میں خود ہی جان پہنائی -

وجد چوپایوں کو تھا دیکھکے جنگل کی بہار ... ...
کبک و طاوس کا وہ شور یہاں کہسار قمری و فاختہ و طوطی و بلبل کی پکار
بندگی کا جو طریقہ ہے ادا کرتے تھے
سب کے سب ایک زبان حمد خدا کرتے تھے

جوش عشق چمن آراے جہاں تھا جو عظیم ... ...
... ... نیم باز آنکھ سے نرگس کی ہوے قلب دونیم
... ...
بلبلیں شاخ سے پھولوں کی طرح کرتی تھیں

تھی یہی ایک زبان مور وملخ کی تقریر رازق خلق معین الضعفا رب قدیر
حاضر وناظر وصانع ہے تو ہی توہے بصیر تو ہے آزاد کنندہ ترے ہم سب ہیں اسیر
کھیتیاں محو تھیں ساری اسی افسانے میں
صاف تسبیح کی آواز تھی ہر دانے میں

بلبلیں لاتی تھیں سر کو قدم گل کے پاس مسکراتے تھے یہ غنچے کہ خدا لائے راس
تازگی دیکھی جو سبزہ کی تو جاتی رہی پیاس اوس کھاے ہوے سبزہ کی وہ ٹھنڈی بوباس
کہیں پژمردہ نہو جاے یہ ڈر رکھتی تھی
پانوں سبزہ پہ تکلف سے نظر رکھتی تھی

بلبل جان نے مزہ صنعت حق کا لوٹا چبھہ گیا دل میں جہاں خاک سے سبزہ پھوٹا
محو محبوب حقیقی ہے ہر اک گل بوٹا غنچہ چٹکا تو یہ جانا دل بلبل ٹوٹا

... ...

... ...

سواری کی شان

بس گئی راہ جدھر حر کی سواری آئی پھول دامن میں لئے باد بہاری آئی
... ...

خلد تک کوچۂ گیسو کی ہوا جاتی تھی
نیلہ حوران بہشتی کو چلی آتی تھی

تلوار

دل جگر نذر میں وہ حور شیم لیتی تھی ... ...
... ... رکھکے سرشانۂ حر پر کبھی دم لیتی تھی

تہ شمشیر جو رہ رہ کے صفیں آتی تھیں
ندیاں خون کی اتری ہوی چڑہ جاتی تھیں

بھاگڑ

سب کے آب دم شمشیر پہ دم جاتے تھے اڑ کے سر بھاگتے تھے پانوں جو تھم جاتے تھے
... ... منھہ چھپائے ہوئے دامن سے علم جاتے تھے

تیغ کے سامنے جھکتی تھیں عجب حالوں سے
بیرقیں ہاتھوں کو باندھے ہوئے رومالوں سے

دکھتے تھے پانوں پہ سر ناز اتھانے والے ٹھوکریں کھاتے چلے آتے تھے آنے والے
کیا ستائے گئے تھے جلد ستانے والے گلے مل مل کے لہو روئے رلانے والے

- - - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - - -

صورت زندگی اہل جفا بگڑی تھی چار دیوار عناصر کی بنا بگڑی تھی
تیغ بگڑی ہوئی تھی' یا کہ قضا بگڑی تھی اسکے پانی سے زمانہ کی ہوا بگڑی تھی
کاتتی تھی جو شجر کو تو لہو دیتا تھا
پھول کھلتا تھا جہاں زخم کی بو دیتا تھا

کوثر

[ہمیشہ گلشن عالم کا ایک حال نہیں (واپسی اہلبیت)]

گھوڑے

تھے جتلے فوج میں بسمل تھے انکی چھل بل کے نظر جھپک گئی اڑنے میں نعل کر جھلکے
قدم چلے تو رکے سھلکڑوں کے دل مل کے وہ میٹھی پوئی کٹورا نہ ہاتھہ کا چھلکے

... ...
... ...

وہ جوڑے ساتھی وہ انکی کنو تیان پیاری نظر پھسلتی تھی پٹھوں کی ایسی تیاری
اڑے وہ دونوں توحیرت میں فوج تھی ساری ہوئے جو نعل در اتش تو پھک گئے ناری
بگڑ بگڑ کے کبھی وہ ہوا سے لڑتے تھے
دھن سے گرتے تھے کف یا کہ پھول جھڑتے تھے

بھاگڑ

سوار گھوڑوں کو سرپٹ بوکائے جاتے تھے کہیں امان کا گوشہ عدو نہ پاتے تھے
جو تیغزن تھے لڑائی سے جی چراتے تھے شریر بھاگتے تھے اور یہ مسکراتے تھے
پناہ تیغ سے انکی کہیں نہ ملتی تھی
فرات لچھلتا تھا ہاتھوں' زمیں اچھلتی تھی

تلوار

ھلوں کے ساتھہ کیا قطع سب ارادوں کو	کبھی تو کاٹا کیا دوں کو کہ کمانوں کو
نہ چھوڑا اسلے سواروں کو نہ پیادوں کو	حلال کر دیا اسلے حرا مزادوں کو

تھی خون کی نہر رواں سر جو کٹ کے گرتے تھے
لہو میں ڈوب کے لاشے عدو کے ترتے تھے

دہیر

[کیا خلق حسن تھا حسن سبطر قبامیں (امام حسن)]

کیا خلق حسن تھا حسن سبز قبامیں	... ...
... ...	دل یاد خدا میں تو زبان ذکر خدا میں

... ...
... ...

سراپا - چشم - دست - قدم

... ...	... ...
منظور نظر چشم کو مردم پہ عنایت	اور دست گہر بار کو دستور سخاوت

- - - - - - - - - - -

عینک تھا ہر اک نقش قدم اہل زمیں کو

- - - - - - - - - - -	- - - - - - - - - -

اور سرم و سفید آپ کا تھا جسم مطہر	گردن کی صفا نقرۂ خورشید سے بہتر

رخسار سے نسبت نہیں کچھہ شمس و قمر کو
ایک شب کو نثار اس پہ کروں ایک سحر کو

آنکھوں کی سپیدی و سیاہی میں کہوں کیا	دیکھو سحر و شام تو سیری نہ ہو اصلا

- - - - - - - - - - -	- - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - -

- - - - - - - - - - -

دندان جو گہر تھے تو دہن معدن گوہر تقریر تھی سلک در شہوار سے بہتر

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

... ...

... ...

سخاوت

گھر اپنا لٹایا رہ معبود میں سو بار مال و زر و اسباب نه باقی رہا زنہار

اک حاکم مفسد نے لکھا اے شه ابرار اسراف میں تو خیر کے ظاہر نہیں آثار

حضرت نے کہا خیر میں اسراف نہیں ہے

اسراف حسن ہے تجھے انصاف نہیں ہے

نیستان

[اے قلم معرکۂ جنگ کی تصویر کھینچ (حضرت عباس)]

آمد

کیوں نه تزلزل میں حدیں وادیٔ پیکار کی ہیں — — — — — — — — — —

... ...

جیوتوں میں ہے یه چرچا که دلیر آتا ہے

غل ہے نیزوں کے نیستان میں که شیر آتا ہے

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

— — — — — — — — — — — مورچے قلب کے تھراتے ہیں غالب ہے یه ہول

ھوش سر سے صفت رنگ اڑے جاتے ھیں
سلہ بساں ۵م ھمشیر مڑے جاتے میں

سرھار لشکر کی حالت

گرد یوں فوج تھی فولاد کا جیسے ھو حصار اسطرح سے ادھر آنا تھا نظر کو دشوار
صف زرہ پوشو نکی باندھے ھوے جنگی ھتھیار روبرو خیمے کے لوھے کی کھچی تھی دیوار
اس حفاظت پہ ستمگار ڈرا جاتا تھا
بے اجل فرط تردد سے مرا جاتا تھا

طعن و طنز

طنز کی راہ سے کہتا تھا یہ کوئی مغرور دل سے ھم سب کی حفاظت جو نہوتی منظور
لڑتے جی کھول کے اس معرکہ میں آپ غرور کرد یا مصلحت وقت نے لیکن مجبور
منحصر آپ پہ ہے فتح و ھزیمت سب کی
آپ کے عزم کی تابع ھے عزیمت سب کی

آپ سا آج جو ھوتا نہ یہاں تجربہ کار تہلکہ میں ابھی پڑجاتی یہ فوج غدار
ایسے افسر نہیں ملتے ھیں کسی کو ھشیار آپ کی رائے پہ انسب ھے جو ھودار ومدار
ساتھہ سب لشکر جرار کا پورا دیں آپ
جان محفوظ رھے جس میں وہ شورادیں آپ

پسر سعد نہ ارشاد سے باھر ھوگا جا کے کہئے ابھی وہ خیمہ کے اندر ھوگا
کچھہ توقف جواب اس امر میں دم بھر ھوگا حشر ھوگا نہ شمشیر یہ لشکر ھوگا
دیکھئے حکم ھے رن چھوڑ کے ھٹ جانے کا
یا اب اس فوج کے بے فائدہ کٹ جانے کا

جب رخصت ہو کر چلے

... ... عجب انداز سے آیا فرس تیز نفس

- -

پاس خیمہ کے نظر جلوۂ قدرت آیا

جھوسا ابر قریب در جلت آیا

گھوڑا

تھمکے بھرتا ہوا اس ناز سے آیا شبدیز جسطرح باغ میں آتی ہے نسیم گل بیز

— — — — — — — — — — — — — — — — — —

جلبش ابرو کو جو ہو بھر کے طرارا اُڑجائے

چشم راکب کا جدھر پائے اشارا اُڑجائے

... ... چاروں نعلوں میں تھا شمشیر دو دم کا عالم

— — — — — — — — — — — — — — — — — —

گرد بھی چھوڑ کے رستہ کو ھٹی جاتی تھی

راہ چلتی ہوئی تیغوں سے کٹی جاتی تھی

سراپا - چہرہ

— — — — — — — — — — — — — — — — — —

آئینہ ہے یہ قمر ھمسر سیمائے حضور گل کہاں اور کہاں چہرۂ زیبائے حضور

اسمیں جو رنگ ہے رنگت ہے کہاں پھولوںمیں

سرخی خون شہادت ہے کہاں پولوں میں

چہرہ

— — — — — — — —   — — — — — — — —

زرہ وہ رنگ وہ چہرے کی دمک وہ رونق جیسے آئینے سے اپٹا ہوا سونے کا ورق

— — — — — — — —   — — — — — — — —

... ...

... ...

ابرو

— — — — — — — —   — — — — — — — —

... ...

نور ماتھے کا جو ابرو پہ چمک جاتا ہے

آئینہ طاق میں کعبہ کے نظر آتا ہے

کجی ابرو

... ...

... ...

— — — — — — — — —

پشت اسلام ہوا راست انھیں کے خم سے

آنکھیں

نشۂ بادۂ جرات سے ہیں سرشار آنکھیں ... ...

... ...

... ...

رنگ یاقوت بھرا ہے انھیں پیمانوں میں

لب

— — — — — — — — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — — — — — — — —

فیظ سیں ہونٹھ ہیں حضرت نے چبائے جب سے

رنگ نیلم کا نمایاں ہے عقیق لب سے

دہن

دہن تلک ہے گنجینۂ رازیزداں — — — — — — — — — —

— — — — — — — — — — آج ہے خشک وہی چشمۂ آب حیواں

— — — — — — — — — —

خاک اڑتی ہوئی آتی ہے نظر کوثر میں

زبان

موج دریائے فصاحت ہے زبان اطہر — — — — — — — — — —

— — — — — — — — پڑگئے کانٹے یہ ہے پیاس کی شدت کا اثر

— — — — — — — — —

پنکھڑی پھول کی الجھی ہوئی ہے خاروں میں

کمر

وہ کمر راہ خدا میں اجو رہی مستحکم — — — — — — — — — —

... ...

— — — — — — — — — —

وابستہ سر و چمن سرتضوی ہے اس سے

ماجرہ

[میری تقریر کو تاثیر عطا کر یارب (علی اکبر)]

ساقی نامہ

ساقیا آج کوئی جام چھلکتا دینا   ساغر گل سے جو بڑھ کر ہو مہکتا دینا
قدم سہر منور سے چمکتا دینا   دست نازک سے جو تیرے ہو لچکتا دینا

- - - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - -

جام پر جام ملے جائیں چڑھا تا جاؤں   گل مضمون کے میں انبار لگاتا جاؤں
پی کے مے جوش طبیعت کا بڑھا تا جاؤں   نور خالق کی میں تصویر دکھا تا جاؤں

- - - - - - - - -
- - - - - - - - -

— — — — — — — —   بادۂ ناب سے بھر دے مرا ساغر ساقی
جام میں آئے نظر رنگ گل تر ساقی   اپنو اُگلے بط مے خون کبوتر ساقی

خیر ہو خم کی ترے میکدہ آباد رہے
آج وہ دور چلے مدتوں جو یاد رہے

نماز

....
کٹ گئی رات اب احوال عبادت سنئے   گوش دل کھولئے ترتیل و تلاوت سنئے

ذکر خالق میں دم صبح مزا ملتا ہے
چلتی ہے باد سحر غنچۂ دل کھلتا ہے

— — — — — — — — —   پیچھے انصار کی صف آگے ہیں شاہ صفدر
... — ... ...   ان کی تکبیر کے لہجے ہیں پسند داور

شوق سے صوت حزیں رب علا سنتا ہے
سمع اللہ یہ کہتے ہیں خدا سنتا ہے

— — — — — — — — — یہ زمیں پر ہیں سرعرش دعائیں ان کی
حق تعالی کو ہیں محبوب صدائیں ان کی - - - - - - - - - - - -
— — — — — — — — — — — — — — — —
— — — — — — — —

معجزہ ہے اثر حسن تکلم ان کا
ان کی تکبیر نمازوں میں جو ہوتی ہے بلند ہوتی ہے خالق اکبر کو نہایت وہ پسند
— — — — — — — — — — — — — — —

دی ہے اللہ نے تاثیر عجب باتوں میں
باتیں کرتے ہیں خدا سے یہ مناجاتوں میں

صبح

وہ فضا دشت کی وہ سرد ہوائے لب جو وہ نسیم اور گلوں کی وہ اچھوتی خوشبو
کہیں طاوس کہیں کبک کسی جا تیہو کرتے تھے ذکر خدا اپنی زباں میں ہر سو
غل تھا جنگل میں کہ قدرت کی بہار آئی ہے
جس طرف آنکھ اٹھاؤ چمن آرائی ہے

جلوہ گر تھے سنبل قطرات شبنم صاف جیسے گہر آسودہ ہو زلف پر خم
معتدل قد وہ صنوبر که زیادہ تھے نہ کم وہ دم صبح حسینان چمن کا عالم
شب کی پھیلی ہوی مستی جو تھی وہ چھٹتی تھی
دولت حسن خدا داد سحر لٹتی تھی

سرخ و شاداب وہ گل اور وہ کلیوں کی سہک وہ کھلا دشت وہ سبزہ کی دل آویز لہک
در شبنم کی ہر ایک برگ پہ وہ صاف جھلک ذرۂ ارض نگاہوں میں تھے خورشید فلک

صاف آتا تھا نظر وادی ایمن صحرا

وہ گل وسبزہ جو آنکھوں کوتراوت بخشیں   تازگی روح کو اور قلب کو فرحت بخشیں

سرد وہ جھونکے جو بیمار کوصحت بخشیں   دل بیتاب کو آسائش و راحت بخشیں

جانفرا دشت میں تھے باد صبا کے جھونکے

دم عیسیٰ تھے کہ اس نرم ہوا کے جھونکے

اب تو بتائیے " بگڑا شاعر مرثیہ گو " ہے یا نہیں ؟ - اور زبان و ادب پر کس کا احسان زیادہ ہے ؟

روسی ادب

تیسرا باب

روسی شاعری، پہلا دور

پشکن

از

[جناب محمد مجیب صاحب بی - اے آنرز (آکسن)]

ادبی دنیا میں روس کا پہلا نمائندہ، الکساندر سرگے یوچ پشکن سنہ ۱۷۹۹ ع میں پیدا ہوا - اُس کا خاندان بہت پرانا تھا، اور روسی تاریخ میں اکثر اس کا ذکر آتا ہے - پشکن کی ماں پیتر اعظم کے ایک حبشی غلام کی پوتی تھی، اور اسی وجہ سے پشکن حلیے میں کسی قدر حبشی نظر آتا ہے - شاعر کا بچپن فرانسیسی استادوں کی نگرانی میں گذرا، جنہوں نے اسے آخر عمر تک اس وہم میں مبتلا رکھا کہ وہ فرانسیسی اپنی مادری زبان سے بہتر جانتا ہے - اعلیٰ تعلیم پشکن نے پیتر برگ کے ایک مشہور کالج میں حاصل کی، لیکن وہ بہت نکما طالب علم تھا، اور اس کے استادوں میں سے اکثر کی یہ رائے تھی کی وہ کبھی کسی مصرف کا نہ ہوگا - استادوں کی اس رائے، اور پشکن کے "نکمے پن" کا سبب اس کا ادبی ذوق اور ادبی مشاغل تھے - اس نے پندرہ برس کی عمر سے رسالوں میں مختلف کلاسیکی شعرا کے ترجمے بھیجنا شروع کردیے، کالج میں ایک ادبی ادارہ قائم کیا اور ادارے کی طرف سے

ایک رسالہ بھی جاری کیا جس میں زیادہ تر طالب علموں کے مضامین چھپتے تھے یوں کالج سے نکلتے ہی پشکن روس کی ادبی دنیا طوفانی سمندر میں کود پڑا' اور اپنے کلام اور طبیعت کی شوخی سے بہت جلد شہرت حاصل کرلی۔ ۱۸۱۸ میں اس نے اپنی پہلی لمبی نظم "روسلان اور لوڈملا" لکھی لیکن نظم شائع ہونے سے قبل ہی وہ ایک فحش قصیدہ لکھنے کی سزا میں روس کے جنوبی صوبوں میں جلا وطن کردیا گیا۔ سزا یابی نے اس کی شہرت اور بڑھا دی۔ اس کا قصیدہ ایسا لغو تھا کہ صرف اخلاقی ہی نہیں بلکہ ادبی نقطۂ نظر سے بھی وہ سزا کا مستحق تھا' لیکن سب جانتے تھے کہ ریاست نے قصیدے کو محض ایک بہانہ بنایا ہے' اور پشکن کی جلاوطنی کی اصل وجہ چند نظمیں ہیں جو اس نے آزادی کی مدح میں اور آزادی کا ولولہ پیدا کرنے کے لئے لکھی تھیں۔ جلا وطنی کے چار سالوں میں پشکن نے جنوبی صوبوں کی سیر کی' اور اگر وہ اپنی ہمت اور قابلیت کو فضول نمائش میں وقت ضائع نہ کرتا تو ممکن ہے اس کی اس زمانے کی نظمیں بھی بہت بہتر ہوتیں۔ مگر افسوس ہے وہ متانت اور ضبط نفس کی خوبیوں سے نا آشنا تھا ' اس کے حسن پرستی کے شوق اور من چلے پن کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا وقت زیادہ تر زبان اور قلم سے حسین عورتوں کی تعریف کرنے میں گذرتا تھا' اور اس سے جو ذرا فرصت ملتی وہ رقیبوں سے لڑنے جھگڑنے میں صرف ہوتی۔ سنجیدہ مشاغل کے لئے بہت کم وقت بچتا تھا' اور اس تھوڑی سی مہلت میں بھی' جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے' اس کو اکثر نازیبا جذبات کا خمار پریشان رکھتا تھا۔ جلا وطنی کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی کہ پشکن اپنے باپ کے ایک گانو میں نظر بند کردیا گیا ۔ اس کی حرکتوں نے جنوبی صوبوں کی پولیس کو حیران کر دیا تھا' اور پولیس والے اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس سے پیچھا چھڑائیں - محض شرارتوں کی شکایت کرنا بے فائدہ تھا' مگر جب پشکن پر انگریزی

شاعر شے لی* کی ایک نظم پڑھنے سے الحاد کا شبہہ ہوا، اور اس کا ایک خط پکڑا گیا، جس میں اس نے کسی دوست کو اپنی روحانی کیفیت کی اطلاع دی تھی تو اس کے خلاف کارروائی کرنے کا بہت اچھا حیلہ مل گیا۔ پشکن اپنے آبائی گانو میخائلوف سکوئے بھیج دیا گیا، اور اسے جو ذرا گھومنے پھرنے کی آزادی تھی وہ بھی چھین لی گئی۔ وہ یہیں تھا جب ۱۸۲۵ میں زار نکولائی اول کی تخت نشینی کے موقع پر دسے کا برئیست† بغاوت ہوئی، باغیوں میں سے اکثر شاعر کے گہرے دوست تھے، لیکن اتفاق سے اسے وقت پر خبر ہوگئی، اور جب پولیس اس کے مکان اور کاغذات کی تلاشی لینے آئی تو وہ کاغذات جن سے اس کا باغیوں سے تعلق ظاہر ہوتا تھا جلا چکا تھا، ورنہ اس کی باقی عمر بھی سائی بی ریا کے کسی قید خانے میں گذرتی۔ ایک مرتبہ بچ نکلنے کے باوجود بھی پشکن کو معتوب ہونے کا خوف رہا، اور زار کی بدگمانی رفع کرنے کی غرض سے اس نے کئی نظموں میں زار کی مدح سرائی کی اور اپنی نمک حلالی کا فخریہ اعلان کیا۔ ایک سال کے اندر زار کو اس کی خیر خواہی اور وفاداری پر اتنا اعتماد ہوگیا کہ وہ پیٹر برگ بلا لیا گیا، اور اسے مزید عذر خواہی اور قدم بوسی کے لئے خلوت میں باریابی عطا ہوئی۔ مگر زار کی یہ مہربانیاں کیا تھیں گویا شاعر کو اور زیادہ قابو میں رکھنے کی ترکیبیں تھیں نکولائی اول نے اپنے آپ کو پشکن کا محتسب قرار دیا، اور اسے اپنے قریب رکھنے کی غرض سے دربار میں ایک عہدے پر معمور کردیا جو شاعر کی عمر اور اس کا مذاق دیکھتے ہوئے بہت نامناسب تھا۔ بادشاہ کے احتساب اور درباریوں کی نفرت اور عداوت نے پشکن کو اس قدر عاجز اور بیزار کردیا کہ وہ اپنی عقل کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگنے لگا ۱۸۳۱ میں پشکن نے ایک نوجوان لڑکی سے شادی کرلی جو حسن

---

* پرسی بشے شے لی (۱۷۹۲ - ۱۸۲۲) آزاد خیالی کا بہت جوشیلا مبلغ تھا۔

† اس تحریک کا ذکر "سیاسی تحریکوں اور تصانیف" کی تحت میں آے گا۔

تو تھی مگر ساتھہ ھی فضول خرچ سرد مہر اور کسی قدر آوارہ' اور بیچارے شاعر کے سر بیوی کی خاطر داری اور نگہداشت کی ایک اور مصیبت آن پڑی ۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ھوا کہ پشکن پیٹر برگ آکر بجاے ادبی دلچسپیوں میں محو ھونے کے رئیسانہ زندگی کے لہو مشاغل میں گرفتار ھوگیا' سیمائلوف سکویے کی نظربندی کے مقابلے میں پیٹر برگ کے قیام کے دس گیارہ برس بہت کم بار آور ثابت ھوئی۔ آخری سالوں میں پشکن نے شاعری ترک کرکے نثاری اختیار کرلی' کچھہ اس وجہ سے کہ بیوی کے اخراجات برداشت کرنے کے لئے اس نے سرکاری مورخ کا عہدہ حاصل کرلیا تھا' اور اسی سلسلے میں اس نے جو تھوڑا بہت مطالعہ کیا اس سے تاریخی مضامین لکھنے کا شوق پیدا ھوگیا' کچھہ اس وجہ سے کہ اس کی پابندیاں ایسی ھوگئی تھیں کہ شاعری کا حوصلہ کرنا ھی بےکار سا ھوگیا تھا۔ ۱۸۳۷ میں اسے اپنی بیوی کی آبرو بچانے کے لئے ایک ڈیوئل • لڑنا پڑا' اور اسی میں وہ ایسا زخمی ھوا کہ چند روز بعد دنیا سے رخصت ھوگیا۔

پشکن نے شروع شروع میں جو ترجمے کئے اور نظمیں لکھیں وہ بھی اپنے زمانے کے معیار کے مطابق بہت اعلی تھیں' لیکن اس کی پہلی تصنیف جو اس وقت بھی قابل قدر سمجھی جاسکتی ھے اس کی داستان "روسلان اور لود ملا" ھے۔ کریلوف کی کہانیوں کے بعد یہ پہلی نظم تھی جس میں مروجہ طرز کے برخلاف انتہائی سادگی اختیار کی گئی تھی' اور ھر قسم کے تصنع اور رسمی اصطلاحوں اور استعاروں سے قطعی پرھیز کیا گیا تھا' اس لئے قدیم طرز کے پیرو اسے پڑھ کر بہت برھم ھوے۔ لیکن مخالفت اور اعتراضوں کے باوجود "روسلان اور لود ملا" نہایت مقبول ھوئی' اس کی اشاعت کے ساتھہ روسی شاعری میں ایک نیا طرز جاری ھوگیا اور پرانے

• یورپ میں پچھلی صدی تک شرفا کی یہ رسم تھی کہ جس معاملے کا وہ قانوناً تصفیہ نہ کرانا چاھیں اسے ایک دوسرے سے لڑکر طے کرلیں۔ان لڑائیوں میں سے اکثر کا انجام ایک فریق کی موت ھوا کرتی تھی ۔

کلاسیکی شاعروں کی نقل کرنے کا قاعدہ بالکل ترک کردیا گیا۔ اس تاریخی اہمیت کے علاوہ "روسلان اور لود ملا" کی تعریف میں کچھ اور نہیں کہا جاسکتا۔ ۱۸۲۸ ع میں پشکن نے اصل نظم میں ایک تمہید کا اضافہ کردیا جس کا مقصد داستان کی طلسمی فضا کی ایک جھلک دکھانا ہے، اور وہ خاص خوبی نظم میں نظر آتی ہے وہ اسی مختصر سی تمہید کی وجہ سے ہے جلا وطنی کے زمانے میں پشکن انگریزی شاعر بائرن* کا گرویدہ رہا، اور اسی کے انداز میں ایک اچھی نظم "قفقازیہ کا قیدی" لکھی، جس میں ایک روسی قیدی کی سرد مہری اور ایک لڑکی کے اس پر عاشق ہوجانے اور اسے آزاد کرکے خود کشی کرلینے کا قصہ ہے۔ "قفقازیہ کے قیدی" کے علاوہ پشکن نے بہت سی مختصر نظموں میں بھی بائرن کی نقل کی، لیکن دونوں شاعروں کی سیرت اور ذہنی رجحان میں اتنا اختلاف تھا کہ پشکن پر بائرن کا رنگ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا، یہ اس کی نظم "نت"† میں صاف ظاہر ہوتا ہے، جو اس نے نظر بندی کے ابتدائی سالوں میں لکھی، اور جس میں اس نے روسی نفسیات پر پہلی مرتبہ بحث کی۔

"نت" کا ہیرو الے کو بائرن کے مشہور کیریکٹر چائلڈ ہیرالڈ سے کچھ سطحی مشابہت رکھتا ہے، لیکن در اصل وہ روسی زندگی کا ایک مظہر ہے جسے بائرن کی شاعری اور تخیل سے کوئی واسطہ نہیں مشہور ناول نویس دستہ ئف سکی کا خیال

---

* جورج گورڈن نوئل، لارڈ بائرن (۱۷۸۸-۱۸۲۴) بے باک من چلے پن کا ثنا خوان اور آزادی کا شیدائی۔ انیسویں صدی کے شروع میں صرف انگلستان میں نہیں بلکہ یورپ کے اکثر ملکوں میں اس کا بہت اثر تھا۔

† ایک نیم وحشی خانہ بدوش قوم جسے انگریزی میں Gipsy کہتے ہیں۔ ابھی تک اس کا قطعی طور پر فیصلہ نہیں ہوسکا ہے کہ یہ کس نسل کے لوگ ہیں اور ان کا اصل وطن کہاں تھا۔

ہے* کہ الیکو اس سیرت اور مزاج کے لوگوں کا ایک مثالی نمونہ ہے جنھیں اس زمانے کی سوسائٹی کی ذہنی اور روحانی بیماری کی علامت سمجھنا چاہئے. تعلیم یافتہ روسیوں نے اس کے نزدیک یورپی طرز معاشرت اور فلسفۂ حیات اختیار کرنے سے اپنے آپ کو قوم کے باقی طبقوں سے اور اپنی سر زمین سے بالکل بے تعلق اور بے گانہ کرلیا تھا. قانون فطرت کی اس خلاف ورزی نے ایک قسم کی انسانی ہستی پیدا کردی "جسے کسی طرح چین نصیب نہیں ہوتا" جو کسی چیز سے مطمئن نہیں ہوسکتی، جسے اپنی سر زمین اور اس کی قوتوں پر مطلق اعتبار نہیں ... جو اپنے هم وطنوں سے محبت اور همدردی نہیں کرنا چاہتی. زندگی کے بنیادی اصولوں سے انکار اور هم جنسوں سے بے تعلقی ایسی هستیوں کو همیشہ مصیبت میں مبتلا رکھتی ہے". پشکن کی سب سے لمبی نظم اور اس کا ادبی کارنامہ "یف گے نئی اون یے گن" اسی سیرت کو دوسری شکل اور دوسرے ماحول میں دکھاتی ہے، اور ان دونوں سیرتوں کی عمومیت کی سب سے قوی دلیل یہ ہے کہ پشکن کے بعد جس کسی انشا پرداز نے تعلیم یافتہ روسیوں کا مثالی نمونہ پیش کرنا چاہا اس نے الیکو اور یف گے نئی اون یےگن کی بہت سی خصوصیات اپنے هیرو کی سیرت میں شامل کیں.

"خانہ بدوش" کا قصہ یہ ہے کہ ایک روسی الیکو اپنے دیس اور دیسی زندگی سے بیزار ہوکر خانہ بدوشوں کے ایک قبیلے کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ایک نٹنی زمفیرا سے اس کے عاشقانہ تعلقات ہوجاتے ہیں. دو ڈھائی سال بعد زمفیرا کی طبیعت اس کی صحبت

---

* دستہ ئف سکی نے ۱۸۸۰ میں پشکن پر ایک تقریر کی جو پشکن کے تخیل کی بہترین تشریح ہے اور جس نے قوم کی نظروں میں شاعر کی عظمت بہت بڑھادی- دستہ ئف سکی "سلاف دوست" تھا اور یورپ کی تقلید کا سخت مخالف، لیکن اس کی تشریح میں کوئی مبالغہ نہیں معلوم ہوتا اور اس کی رائے ان نقادوں سے یقیناً زیادہ مستند ہے جو پشکن کو بائرن کا نقال قرار دیتے ہیں -

اور محبت سے سیر ہو جاتی ہے ' اور نٹوں کی آزاد رسم کے مطابق وہ کسی اور شخص سے آشنائی کر لیتی ہے ۔ روسی اس کی سرد مہری محسوس کرتا ہے ' اور ایک مرتبہ رات کو زمفیرا اور اس کے آشنا کو یکجا پا کر دونوں کو مار ڈالتا ہے۔ اس جرم کی سزا میں نٹ اسے اپنے قبیلے سے نکال دیتے ہیں ۔ نظم کی خوبی داستان میں نہیں ' بلکہ من موجی روسی اور سادہ لوح نٹوں کی سیرت اور ذہنی خصوصیات کے موازنے میں ہے - روسی نے شہر اور شہری طرز معاشرت سے بیزار ہو کر نٹوں کی سادہ زندگی میں پناہ لی ہے ، اپنی معشوقہ کے سوال پر وہ شہری زندگی کی یوں شکایت کرتا ہے :

" وہاں لوگ ذراسی جگہ میں بھیچ بھیچ کر رہتے ہیں "
صبح کی ٹھنڈی ہوا ان کے آنگنوں تک نہیں پہنچتی '
نہ بہار کے موسم میں سبزہ زار کی خوشبوئیں ۔
وہ محبت سے شرماتے ہیں ' دل کی امنگوں کو ابھر نے نہیں دیتے '
اپنی آزادی دوسروں کے ہاتھ بیچتے ہیں '
مورتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں '
اور روپیے کے لالچ میں غلامی کی زنجیریں پہنتے ہیں ۔
شہر چھوڑ کر میں نے کیا کھویا ؟ دغابازی کی تکلیفیں '
تعصب کے فیصلے ' عوام کی ایذا رسانی
اور بھڑک دار عیب !

اب وہ روسی نٹوں کی صحبت میں رہنے لگا ۔ جہاں بظاہر اسے ہر طرح کا سکوں تھا ' :

وہ سویرے اٹھ کر اپنا دن
خدا کی مرضی پر چھوڑ دیتا '

اور زندگی کے ھنگامے
اس کی آسودگی میں خلل انداز نہیں ہوتے تھے ،
صرف کبھی کبھی شہرت کا افسوں گر ستارہ
اسے دور سے لبھاتا تھا . . .
مگر خدا کی پناہ ! ، نفسانی جذبات
اس کے بے بس دل کے ساتھہ کس طرح کھیلتے تھے
اور اس کے مصیبت زدہ سینے میں
کس زور شور سے ابل اتھتے تھے !

اس حالت میں زمفیرا کی محبت اس کے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی، لیکن جب اسے معلوم ہوا کہ اس عورت کی طبیعت اس سے ہٹ گئی ہے اور وہ دوسرے آشنا کی تلاش میں ہے تو بجائے اور لتوں کی طرح مسکرا کر سر جھکا لینے کے وہ اپنے رفیق کو جان سے مارنے پر تل گیا . زمفیرا کے بوڑھے باپ کی دلیلیں کہ

جواں دل پرندوں سے بھی زیادہ خود سر ہو تے ہیں ،
ان کو قابو میں رکھنا کسی کے بس کی بات نہیں ؛
مسرت باری باری سے ہر ایک کو ملتی ہے ،
مگر جو کچھہ ہو چکا وہ پھر سے ہونے والا نہیں ،
روسی کی سمجھہ میں نہیں آتی ہیں . وہ جواب دیتا ہے :
نہیں ، میں ایسا نہیں ہوں ، میں بغیر لڑے ہوئے
اپنے حق کو ہر گز نہ چھوڑوں گا ،
یا کم از کم بدلہ لے کر اپنے جی کو خوش کر لوں گا .
نہیں ، اگر میں سمندر کے کنارے ، کسی اونچے چٹان پر
اپنے دشمن کو سوتا پاؤں ،

تو قسم کھاتا ہوں . . . بغیر کسی افسوس یا تامل کے اس ظالم کو
لات مار کر سمندر کی موجوں میں پھینک دوں،
اس کی اچانک بیداری اور خوف کے لرزے کا
ایک خونخوارانہ قہقہے سے جواب دوں '
اور بہت دنوں تک اس کے گرنے کی آواز
یاد کر کے ہنسوں اور خوش ہوں .

ایسی طبیعت ظاہر ہے کسی ماحول سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتی . شہروں سے وہ خود بھاگتی ہے ' سادہ لوح انسان اسے اپنی صحبت کے لئے موزوں نہیں پاتے . زمفیرا کا بوڑھاباپ آخر کار الے کو سے کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ .

ہمارا ساتھہ چھوڑ دے ' اے مغرور آدمی !
ہم وحشی ہیں ' ہمارے لئے کوئی قانون نہیں '
ہم نہ جرم کرتے ہیں نہ سزا دیتے ہیں '
ہم کو خون اور آہ زاری کی حاجت نہیں ؛
مگر ہم قاتل کے ساتھہ رہنا نہیں پسند کرتے .
تو آزاد زندگی کے لئے نہیں پیدا ہوا '
تو صرف اپنی مرضی پر چلنا چاہتا ہے . . .
ہمارے دل مضبوط نہیں ' مگر ہم دل کے اچھے ہیں '
تو بد طینت اور بے باک ہے —
ہمارا ساتھہ چھوڑ دے .

وحشیوں کی سماج سے روسی اس شان سے نکالا گیا . مہذب شہری زندگی میں اس کی بے چین اور وحشت زدہ طبیعت جو رنگ لاتی ہے اسے پشکن نے اپنے ناول " یف گے نئی اؤن یے گن " میں دکھایا ہے .

یف کے نئی اون یے گن ' داستان کا ہیرو پیٹر برگ میں پیدا ہوا . اس کا باپ ایک اعلیٰ عہدے پر نوکر تھا ' اور صاحب جائداد بھی ' مگر ایسا فضول خرچ کہ اس کی بسر اوقات قرضے پر ہوتی تھی ' اور آخر کار دعوتیں دیتے دیتے اس کا دیوالہ نکل گیا : لیکن اون یے گن پر مہربان تھی . پہلے اس کے لئے ایک فرانسیسی کھلائی رکھی گئی اور اس کے بعد ایک فرانسیسی استاد جو.

اس خیال سے کہ بچہ پریشان نہ ہو
ہر چیز اسے کھیل کھیل میں پڑھاتا تھا '
سخت اخلاقی تعلیم سے اسے آزردہ نہ کرتا '
شرارت کی سزا میں ذرا جھڑک دیتا
اور بڑے پارک میں ٹہلانے لے جاتا .

اون یے گن جب سولہ سترہ برس کا ہوا تو فرانسیسی استاد نکال باہر کیا گیا ' اور

لیجئے میوا اون یے گن آزاد ہو گیا .
جدید ترین طرز پر بال کٹائے ہوئے '
لندن کے چھیلوں کی طرح بنا ٹھنا
وہ دنیا دیکھنے نکلا .

اس کی تعلیم معمولی ہوئی تھی ' علمی استعداد کم تھی , لیکن

وہ بے تکلفی سے فرانسیسی
بولتا اور لکھتا تھا '
مرز کا * بڑی نزاکت سے ناچتا '
اورلوگوں سے اخلاق سے ملتا جلتا تھا .

---

* ایک خاص قسم کا اجتماعی ناچ جو اس زمانے میں بہت مرغوب تھا

اس سے زیادہ چاہئے کیا ؟ سوسائٹی نے طے کیا
کہ وہ بڑا قابل ہے اور بہت ہی پیارا

سوسائٹی کی عام رائے کے باوجود پشکن بتا دیتا ہے کہ اس کا هیرو نظم کی بحروں میں فرق نہیں کر سکتا تھا ' اور روسی مصنفوں کو گالیاں دیتا تھا ۔ عالم معاشیات سمجھے جانے کے سوا اسے اور کوئی علمی حوصلہ نہ تھا' اور یہ بھی محض اس وجہ سے کہ ان دنوں روس میں ایڈم سمتھ * کا بہت بڑا چرچا تھا ۔ اونیے گن کی اس بے پروائی کا اصل سبب یہ تھا کہ اس نے ایک فن میں کمال حاصل کیا تھا جس کے مقابلے میں اور سب کچھ هیچ ہے ۔

هم کو جنسی جذبات شروع هی سے پریشان کرتے هیں '
اور جیسا کہ شتوب ریاں † نے لکھا ہے '
هم کو عشق کا پہلا سبق فطرت نہیں پڑھاتی
بلکہ پہلا گندا ناول ۔
هم زندگی کی اصلیت معلوم کرنے کے لئے بیتاب ہوتے هیں
اور ناول همیں سب کچھ بتا دیتے هیں ۔
یوں عمر گزرتی جاتی ہے اور هم
اس سے کوئی لطف نہیں اٹھا نے پاتے ۔
ایک دلفریب تجربے کو قبل از وقت حاصل کر کے
هم اپنی زندگی بے مزا کر دیتے هیں '
مسرت هماری نظروں سے چھپ جاتی ہے ' اور اسی کے همراہ
جوانی کا جوش بھی غائب هو جاتا ہے ۔

---

* انگریز ماهر معاشیات (۱۷۲۳ - ۱۷۹۰)
† فرانسیسی انشاپرداز (۱۷۶۸ - ۱۸۳۸)

اون یے گن پر بھی یہی گذرا ' لیکن اس کے عوض میں
اس نے نسوانی فطرت کو بھی کیا خوب سمجھہ لیا !

اس نے مکر اور حسد اور دھوکا بازی ' روٹھنا ' بگڑنا ' افسردہ اور بیمار بننا سیکھا ' دلبری کی راہ و رسم میں انتہائی مہارت حاصل کی ' اور اپنا شکار پھانسنے میں مشاق ہو گیا ' اوباشی نے اس کی ہر دلعزیزی میں کوئی فرق نہیں ڈالا ' اس کے پاس ہر طرف سے دعوت نامے آتے تھے ' اور دو پہر سے جب وہ سو کر اٹھتا ' تیں چار بجے صبح تک ' جب وہ ناچ سے تھک کر اپنے گھر واپس جاتا ' اس کا سارا وقت کپڑے بدلنے اور ایک میزبان کے یہاں سے دوسرے کے یہاں جانے میں صرف ہوتا . درمیان میں ' رات کے آٹھہ نو بجے کے قریب ' وہ کبھی کبھی تھیٹر چلا جاتا ' لیکن شاعر افسوس کے ساتھہ اعتراف کرتا ہے کہ فنون لطیفہ سے محظوظ ہونے کی اس میں مطلق صلاحیت نہ تھی

ایسی زندگی کی ظاہری چمک دمک سے اون یے گن کی طبیعت بہت جلد اکتا گئی حسن پرستی اور عیاشی اور معصوم دلوں کا ورغلانا بھی ایک بے لذت شغل ہو گیا اون یے گن کمرے میں بند ہو کر بیٹھنے لگا ' کچھہ دن کتابوں کے مطالع میں گذارے ' اور پھر وہ بھی چھوڑ دیا . زندہ مردوں اور عورتوں سے بیزاری ' اور جدید اور قدیم تخیل سے بے تعلقی نے اس کی طبیعت افسردہ اور اس کی زبان زھریلی کردی' اور یہی دو کیفیتں اس کےاحساسات کا کل سرمایہ رہ گئیں . اور لوگوں کی حالت بھی کبھی کبھی ایسی ھی ھو جاتی ھے ' مگر تمام عمر کی مایوسی کے بعد یا کسی سخت صدمے سے - اون یے گن کی عمر ابھی صرف بیس سال کی تھی ' اور قسمت نے اسے ہر صدمے سے محفوظ رکھا تھا . یہ کیفتیں اس کی فطرت کا ایک پہلو نہیں اور اس کی تربیت اور طرز معاشرت کا ایک لازمی نتیجہ .

اسی دوران میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا ' اور قرضداروں کا اس کے گرد ہجوم ہونے لگا . اُن سے پیچھا چھڑانے کو اون یے گن نے اپنی آبائی جائداد ان کے نذر کردی . خوش قسمتی سے انھیں دنوں اسے یہ خبر ملی کہ اس کا چچا بستر مرگ پر ہے اور بھتیجے سے ملنے کا بہت مشتاق ' کیونکہ اس نے بھتیجے کو اپنا وارث بنایا ہے . اون یے گن شہری زندگی سے ویسے بھی اکتا گیا تھا ' اور اس امید میں کہ شاید دیہات زیادہ دلچسپ ثابت ہو فورا اپنے چچا کے گاؤں کو روانہ ہو گیا . وہاں پہنچا تو چچا کا دم نکل چکا تھا ' اور لوگ اسے دفن کرنے کا انتظام کر رہے تھے تجہیز و تکفین میں جو لوگ شریک ہونے آئے تھے انھوں نے حسب قاعدہ ہمدردی ظاہر کی ' خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور اون یے گن کو اس کی ملکیت سپرد کر کے چلدئے .

دو تین دن اسے ہر چیز نئی معلوم ہوئی '
سنسان کھیت ' اندھیرے کنجوں کی خنکی '
چشمے کے بہنے کی آواز :
تیسرے دن کنج اور پہاڑی اور میدان سے
اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی .
پھر اس نے دن رات اونگنا شروع کیا '
اور اس پر صاف صاف ظاہر ہو گیا
کہ شہر کی طرح گاؤں میں بھی جی گھبراتا ہے '
اگر چہ وہاں نہ سڑکیں ہیں نہ عالی شان عمارتیں
نہ ناچ ' نہ تاش ' نہ شعر و شاعری
افسردگی نے اسے آ گھیرا '
ہر جگہ اس کے پیچھے پیچھے پھرنے لگی '

جیسے پرچھائیں یا وفادار بیوی ۔

پہلے پہل ہمسائے اس سے سلنے آیا کرتے تھے ' لیکن چونکہ ان کے چھکڑوں کی کھڑکھڑاہٹ سنتے ہی اون بے گن پچھواڑے سے گھوڑے پر بیٹھہ کر غائب ہو جاتا تھا ' سب اس سے خفا ہو گئے اور آمد و رفت بند کر دی ۔

ہمارا ہمسایہ جاہل ہے ' خبطی ہے '
وہ فراسنی ہے ایک ' گھونٹ میں
لال شراب کا پورا گلاس پی جاتا ہے ! •
وہ عورتوں کا لحاظ نہیں کرتا '
ہمیشہ " ہاں " کہتا ہے اور " نہیں " ' نہ " جی ہاں "
نہ " جی نہیں " . یہ عام رائے تھی '

انہیں ہمسایوں میں ایک نو جوان لن سکی بھی تھا ۔ طبیعت اور مزاج میں وہ اون بے گن سے اسی قدر مختلف تھا جیسے پانی سے آگ ' چونکہ دونوں باقی تمام ہمسایوں سے بہت گھبراتے تھے اور ایک دوسرے کے سوا کسی اور سے علمی اور ادبی مسائل پر گفتگو نہیں کر سکتے تھے اس لئے دونوں میں خاص دوستی ہو گئی ۔ لن سکی شاعرانہ مزاج کا لڑکا تھا ' جسے دنیا میں ابھی تک کوئی تلخ تجربہ نہیں ہوا تھا ۔ اسے محبت اور عشق کے خواب نظر آتے تھے ' " زندگی کے مقصد کو ایک دلفریب معمہ سمجھہ کر وہ اسے حل کرنے کی کوشش میں مصروف رہتا تھا " ' حالانکہ اس کے دوست اون بے گن نے بہت پہلے سے قطعی طور پر معلوم کر لیا تھا کہ زندگی میں کوفت اور بد مزگی کے سوا اور کچھہ بھی نہیں ۔ لیکن اون بے گن کو اپنے نئے دوست کو قائل

• لال شراب چونکہ میٹھی اور لطیف ہوتی ہے اس لئے لوگ عموماً اسے مزہ لے لے کر اور آہستہ آہستہ پیتے ہیں

کرنے کی کبھی خواہش نہیں ہوئی اور نہ اس کے سامنے زہر اگلنے کی ' اس وجہ سے کچھہ عرصے تک دونوں میں خوب نبھی .

لن سکی نے اون یے گن کا لارن نامی ایک خاندان سے تعارف کرایا اس خاندان میں ماں اور دو بیٹیاں تھیں ' جن میں سے چھوٹی لڑکی اولگا کی لن سکی سے منگنی ہوچکی تھی اولگا میں صورت اور سیرت کی تمام خوبیاں تھیں ' " لیکن " ' شاعر کہتا ہے '

"کوئی ناول اٹھا کر دیکھہ لیجئے '

اس میں آپ کو اولگا کی تصویر مل جائے گی .

وہ بہت پیاری ہے ; مجھے بھی کسی زمانے میں وہ پسند آتی تھی '

مگر اب میں اس سے بہت گھبرا گیا ہوں " .

اولگا کی بڑی بہن تت یانا میں نہ اس کا جیسا حسن تھا نہ اس کی سی شگفتگی ' نہ اور کوئی نمایاں اوصاف جو لوگوں کو متوجہ کرسکیں . وحشت زدہ ' مغموم ' خاموش ' وہ اپنے گھر میں بیگانی معلوم ہوتی تھی ' نہ ماں باپ سے محبت کا اظہار کرتی ' نہ بچوں کے کھیل کود میں شریک ہوتی . اپنے تصورات میں محو رہنا اس کا سب سے عزیز شغل تھا ' اور اکثر وہ پورے دن کھڑکی کے پاس بیٹھے بیٹھے گزار دیتی تھی . ناولوں کا اسے بہت شوق تھا اور اس نے بچپن ہی میں ماں کے تمام ناول چرا چرا کر پڑھ ڈالے تھے . دیہاتی زندگی اور فضانے اس کی طبیعت میں ایک عجیب بے چینی پیدا کردی تھی ' اسے ہر وقت ایک لطیفہ غیبی کا انتظار رہتا تھا. اون یے گن سے ملاقات ہوئی تو تت یانا کو یقین ہو گیا کہ اس کے سارے خوابوں کی تعبیر ' اس کے تمام حوصلوں کی بارآوری ' اسی شخص کا آنا ہے' کیونکہ اون یے گن اسے ان تمام خوبیوں کا مجسمہ معلوم ہوا جن سے اس نے اپنے خیالی دوست کی ہستی کو

آراستہ کیا تھا ۔ تت یانا کے جذبات پاک اور معصوم تھے ' اور اسی سبب سے زیادہ قوی ۔ محبت کے جوش نے اسے بالکل بے بس کر دیا ' دو چار روز میں اس کا رنگ پیلا پڑ گیا ' نہ رات کو نیند آتی نہ دن کو چین ملتا ۔

اس کا محبت کرنا کوئی مذاق نہ تھا '
اس نے ایک ناتجربہ کار بچے کی طرح
اپنے آپ کو بالکل جذبات کے حوالے کر دیا ۔
اس نے یہ نہ سونچا کہ " ابھی ذرا ضبط سے کام لوں —
اس سے محبت کی قیمت بڑھ جائے گی '
اور شکار کا پھنسنا یقینی ہوجائے گا ۔
پہلے امید دلا کر نہال کروں '
پھر خفا ہو کر دکھہ پہنچاؤں
اور اس کے سینے میں رشک اور حسد کی آگ بھڑکاؤں
ورنہ مطلب حاصل کر کے اس کا جی بھر جائےگا
اور چالاک قیدی زنجیریں تڑاکر
بھاگنے کو ہر وقت بیٹھا رہے گا ۔"

آخر کار تت یانا سے صبر نہ ہوسکا ' اور اس نے اُن سے یے گن کو خط لکھہ کر اپنی محبت کی داستان سنائی ۔ اون یے گن نے اس خط کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ چند روز بعد جب تت یانا چھپ کر اُس سے ملنے جا رہی تھی اور اتفاق سے باغ میں دونوں کی مڈ بھیڑ ہوگئی تو اون یے گن نے اسے ایک لمبا چوڑا لکچر سنایا ' اپنی مجبوری ظاہر کی اور تت یانا کو اس کی حماقت سے آگاہ کیا ۔ آخر میں اس نے تت یانا کو یقین دلایا کہ " اگر گھریلو زندگی میری قسمت میں لکھی ہوتی تو میں آپ کے سوا کسی سے

شادی نه کرتا '

مگر میں ان مسرتوں کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہوں '
ان سے میری روح بیگانه ہے ۔
آپ کا میرے ساتھ رہنا گویا اپنے حسن و جمال کو ضائع کرنا ہے '
کیونکہ میں اس کی قدر نہیں کرسکتا ۔
یقین جانئے (میرا ضمیر گواہ ہے)
ازدواجی زندگی ہمارے لئے عذاب جان ہو جائے گی ۔
مجھے آپ سے چاہے جتنی محبت ہو '
آپ کی صحبت کا عادی ہوا تو وہ جاتی رہے گی '
آپ روئیں گی اور آپ کے آنسو
میرے دل پر کوئی اثر نه کرسکیں گے ۔
بلکه اس کی وحشت کو اور بڑھا دیں گے ۔
آپ خود فیصلہ کیجئے ۔ شادی کرکے ہم کیسی مصیبت میں پڑجائیں گے '
اور ممکن ہے برسوں اس سے پیچھا نه چھٹے ۔ "

اون یے گن نے اس ملاقات کے بعد تت یانا کے یہاں آمد و رفت بند کردی' اور گرمی اور جاڑا گھر بیٹھے بیٹھے کاٹ دیا ۔ لیکن تت یانا کی سالگرہ کے دن لن سکی اسے پھر تت یانا کے گھر پکڑلے گیا ' اور اتفاق سے کھانے کے وقت دونوں آمنے سامنے بٹھا دئے گئے ۔ تت یانا کی بے چینی اور اس کا مصیبت زدہ چہرہ دیکھ کر اون یے گن کو دعوت میں شریک ہونے کا سخت افسوس ہوا ۔ اسے تت یانا کے گھر بلانے کا ذمہ دار لن سکی تھا اور اس نے لن سکی سے بدلہ لینے کا پکا ارادہ کرلیا ۔ چنانچہ کھانے کے بعد وہ ہر مرتبہ لن سکی کی منگیتر اولگا کے ساتھ ناچتا رہا لن سکی کو

اس کے پاس بھی نہ پھٹکنے دیا. لن سکی نے یہ شرارت دیکھ کر اپنے دل میں یہ طے کیا کہ پستول کے سوا ان دونوں میں کوئی چیز فیصلہ نہیں کرسکتی، اور ڈیوئل لڑنے کا تہیہ کرکے اپنے گھر چلا گیا! دوسرے دن اس نے اون یے گن کے پاس ڈیوئل لڑنے کا چیلنج بھیج دیا. اون یے گن رات کی سرگذشت بھول گیا تھا، اور لن سکی سے اب اسے کوئی شکایت بھی نہیں تھی، لیکن اس نے چیلنج منظور کرلیا اور مفاھمت کی ذرا بھی خواھش نہیں ظاھر کی. ڈیوئل جس دن کے لئے مقرر ہوا تھا وہ معصوموں کی نیند سوکر بستر سے اٹھتے ھی معینہ مقام پر بھاگا ھوا گیا، جہاں لن سکی کچھ دیر سے اس کا انتظار کر رھا تھا. ڈیوئل میں لن سکی کے سینے پر گولی لگی اور وہ وھیں گر کر مرگیا. اسے مار کر اون یے گن نہایت درجہ سکون قلب کے ساتھ مکان واپس آیا، اور کچھ روز بعد یورپ کی سیر کے لئے روانہ ھوگیا.

لن سکی کے قتل کی خبر سن کر تت یانا کے گھر میں ماتم برپا ھوگیا لیکن یہ غم صرف چند روزہ تھا، اولگا سے ایک فوجی افسر نے شادی کرلی اور اسے اپنے ساتھ لے کر چلا گیا. اگر یہ حادثہ کسی پر گراں گذرا تو تت یانا پر، جو اپنے رنج میں گھلتی رھی. اس کے جذبات کے خلوص اور شدت نے اس کی اجازت نہ دی کہ وہ اولگا کی طرح کسی اور سے شادی کرلے اور جو کچھ ھوا تھا اسے بھول جائے. وہ شادی کرنے سے قطعی انکار کرتی رھی، یہاں تک کہ اس کی ماں بہت پریشان ھوگئی. کسی نے مشورہ دیا کہ اگر تت یانا ماسکو جائے تو شاید اسے اپنی پسند کا شوھر مل جائے، اور تت یانا کی ماں اس کو اسی غرض سے ماسکو لے گئی. ماسکو جاکر تت یانا نے اپنی رائے نہیں بدلی، نہ اون یے گن کی محبت کو اپنے

دل سے نکلا - مگر ملی اور تمام عزیزوں کے اصرار پر اس نے ایک امیر جنرل سے نکاح کرلیا. اس کی شادی کے دو سال بعد اون یے گن یورپ سے واپس آیا اور پیٹر برگ کی کسی محفل میں تت یا نا کو اس نئے رنگ میں دیکھا. صورت سے زیادہ اسے تت یا نا کی سیرت کے تغیر پر حیرت ہوئی. وہی لڑکی جو جذبات کی شدت سے بے بس ہوجایا کرتی تھی اب ایک معزز خاتون تھی جسے اپنی طبیعت اور زبان اور چہرے پر پورا قابو تھا' جس کا چھوٹے بڑے سب لحاظ کرتے تھے' اور جسے اپنے وقار کو قائم رکھنے کا راز معلوم تھا. تت یا نا سے جب اون یے گن کا تعارف کرایا گیا تو تت یا نا اپنی محبت کو' جو ابھی تک اس کے دل میں تازہ تھی' کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیا' اور اون یے گن سے یوں مخاطب ہوئی گویا دونوں کی پہلی مرتبہ ملاقات ہورہی ہے. اون یے گن اس کی شان و شوکت سے بہت مرعوب ہوا' اور اسے اس شہرت پر بہت رشک آیا جو در اصل تت یا نا کی سادگی اور خلوص کا ایک ادنی معاوضہ تھی- اس نے تت یا نا سے پرانے تعلقات دوبارہ قائم کرنے چاہے کئی خط لکھے جن کا کوئی جواب نہیں ملا' ملاقات کی' مگر مطلب کی باتیں نہیں کرسکا. اسی اثناء میں وہ بیمار پڑگیا' اور آخر کار ایک روز وہ بستر علالت سے اُٹھہ کر سویرے تت یا نا کے محل پر اپنی قسمت کا قطعی فیصلہ کرانے کے ارادہ سے گیا. خادموں نے اسے سیدھا تت یا نا کے کمرے میں پہنچا دیا' اور اس نے دیکھا کہ تت یا نا بیٹھی رو رہی ہے. اون یے گن اس کے پیروں پر گر پڑا' لیکن تت یا نا نے اسے صاف صاف سمجھا دیا کہ اسے یہ نیا انداز ناگوار معلوم ہوتا ہے اور اُپہلی بے رخی کی داد بھی بتا دی:

کیا یہ غلط ہے کہ اُن دنوں' اس ویرانہ میں

جہاں ہماری محبت کا چرچا کرنے والے نہ تھے'
میں تمھیں نہیں پسند آئی ؟ ... اب کیا ہوا
جو تم میرا پیچھا کئے ہو ؟ ... اس کا سبب بس یہ ہے
کہ میں رئیسانہ مجلسوں میں شریک ہوتی ہوں '
میں امیر اور مشہور ہوں ' ... اب میری بدنامی کی خبر
ہر شخص کے کانوں تک پہنچ جاے گی'
اور ممکن ہے سوسائٹی میں تمھارے مذاق کے لوگ
اس کارنامے کی وجہ سے تم پر رشک کرنے لگیں ...
لیکن میں اسی وقت بڑی خوشی سے
اس مہمل زندگی کی نمائش' شور و غل اور دھوئیں کو
کتابوں کی ایک الماری' ایک خودرو باغ '
اپنے اجڑے آبائی مکان
یا اس مقام کے بدلے چھوڑنے پر تیار ہوں
جہاں ' اون یے گن' تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی
اس حقیر قبرستان کے بدلے
جہاں میری بوڑھی کھلائی کی قبر پر
ایک صلیب گڑی ہے اور درختوں کا سایہ ہے ...
اب میری قسمت کا فیصلہ ہو چکا ...
میں نے شادی کرلی ہے . تم کو چاہئے
کہ ... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو .
میں باتیں نہیں بناتی ; مجھے تم سے محبت ہے
لیکن میں دوسرے کی بیوی ہوں

اور ہمیشہ وفادار رہوں گی۔

تت یانا یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی' اور اون یے گن کے ابھی تک حواس درست نہیں ہوے تھے کہ اسے پانوں کی آہٹ سنائی دی اور تت یانا کا شوہر کمرے میں داخل ہوا۔ پشکن نے اپنی داستان اسی نازک موقع پر ختم کردی ہے۔

خوش قسمت ہے وہ جو دنیا کے دستر خوان سے
جلد اٹھہ گیا؛ جس نے زندگی کی شراب سے لبریز پیالے کو
بالکل خالی نہیں کردیا؛
جس نے زندگی کا فسانہ آخر تک نہیں سنا
بلکہ دفعتاً اٹھا اور رخصت ہوگیا
جیسے میں اپنے اون یے گن سے

پشکن کا ظرافت آمیز طرز بیان پڑھنے والے کو محسوس نہیں ہونے دیتا کہ "یف گے نئی اون یے گن" کی داستان کس قدر درد ناک ہے اور اس کا انجام کتنا عبرت انگیز۔ اس کی بھی شاعر خاص طور سے کوشش کرتا ہے کہ اس کا رنج یا غصہ یا تعصب کوئی مصنوعی فضا نہ پیدا کردے جس میں نظم کے اشخاص اصل سے ذرا بھی مختلف نظر آئیں' اور وہ اپنے ذاتی احساسات کو اس طرح چھپاتا ہے کہ نکتہ سنج قدر داں ہی سمجھہ سکتے ہیں کہ اسے اپنے ہیرو کی گمراہی پر کتنا افسوس ہے اور اپنی ہیروئن کی سرگذشت پر وہ کیسے گرم آنسو بہاتا ہے۔ لیکن اس ضبط کے باوجود بھی "یف گے نئی اون یے گن" کی داستان روسی قوم کا نوحہ کہلاتی ہے' اور بصیرت افروز حقیقت نگاری کا روسی ادب میں پہلا نمونہ اون یے گن اور تت یانا کا قصہ کوئی اتفاقی مظہر نہیں۔ یہ دونوں

تعلیم یافتہ روسیوں کے مثالی نمونے ھیں' اور ان پر جو کچھہ گذرا وہ نوجوان روسیوں کے عام تجربے کی ایک شکل ھے . اون یے گن نے جو تربیت پائی' اس نے جو " کمالات " حاصل کئے' اور اس کی سیرت نے جو رنگ اختیار کیا وہ کوئی ذاتی خصوصیت نہیں تھا بلکہ ایک وبا کا اثر جس سے کوئی روسی نوجوان بالکل محفوظ نہ رہا ھوگا . اور اون یے گن کی نسبت پیٹر برگ کے شرفا کی عام رائے کہ "وہ بڑا قابل ھے اور بہت ھی پیارا" مروجہ فلسفۂ حیات پر مبنی تھی اور کوئی جانب دارانہ فیصلہ نہیں کہی جا سکتی . پشکن نے محسوس کیا کہ ماحول کے اثرات سے ایک خاص ذھنیت اور مزاج کے لوگ پیدا ھورھے ھیں' اور ایک ایسے شخص کی تصویر بناکر جس میں یہ نیا رنگ بہت نمایاں تھا اس نے قوم کو اس مظہر کی خطرناک اصلیت سے آگاہ کردیا . اون یے گن کے مقابلے میں تت یانا کی سیرت دکھاکر اس نے اپنا مطلب اور بھی واضح اور عبرت آموز کر دیا . تت یانا نے ناول تو پڑھے ھیں اور ان کے پڑھنے سے کسی قدر جذبات پسند بھی ھوگئی ھے' لیکن اسے اپنے قومی آئین اور طرز معاشرت سے بہت لگاؤ ھے' اپنی خودداری کا بہت پاس ھے' اور جیسا کہ نظم کے انجام سے ظاھر ھوتا ھے وہ اپنے اصولوں پر ذاتی مسرت اور آرزوئیں نثار کرنے کی ھمت رکھتی ھے . اون یے گن کی سیرت میں بہت سی خرابیاں' اس کی نیک نامی پر بہت سے داغ ھیں' لیکن تت یانا جیسی لڑکی کے جو ھر نہ پہچان سکنا ایسی کم ظرفی اور بدشوقی کی دلیل ھے جو نہ شاعر معاف کرسکتا ھے نہ داستان کے ناظرین - اور پشکن کا گلہ یہی ھے کہ روس میں اون یے گن جیسے ھزارھا نوجوان ھیں' اور تت یانا جیسی ھزارھا لڑکیاں جو اپنے اپنے طور پر نسوانی سیرت کی اعلیٰ مثالیں ھیں' مگر

بے قدری ان کے حسن پر پردہ ڈالے ہوے ہیں۔

اون یے گن اور تت یانا کا قصہ داستان کا مرکز ہے' لیکن قصہ سنانے کی پابندی سے پشکن کا موضوع یا اس کی نظر محدود نہیں ہو جاتی۔ دارالسلطنت کی زندگی' اعلیٰ سوسائٹی کی شخصیتیں' اور صورت' مزاج اور مذاق کے وہ مجموعے جو اس طبقے میں کثرت سے پائے جاتے ہیں نہایت دلچسپ طریقے سے پیش کئے گئے ہیں۔ مگر پشکن کی مصوری کا کمال روس کی دیہاتی فضا اور مختلف موسموں کے مناظر اور کیفیتوں کے بیان میں نظر آتا ہے۔ روسی بچے اب تک پشکن ہی کے اشعار پڑھ کر دیہاتی زندگی کو شاعرانہ نظروں سے دیکھنا اور اس سے پورا لطف اٹھانا سیکھتے ہیں اور یہی ان کے واسطے وطن پرستی کا پہلا سبق ہوتا ہے۔ اون یے گن اور تت یانا کی داستان کا دیہاتی پس منظر اس کی تاثیر کو اور بھی بڑھا دیتا ہے' اور پڑھنے والے کے ذہن میں روسی معاشرت اور سر زمین کا ایک خاص مفہوم قائم کر دیتا ہے۔ پشکن کے زمانے تک ایسا کوئی مفہوم نہیں تھا' اور پشکن نے اسے جس شکل میں اور جس انداز سے پیش کیا وہ آئندہ نسلوں کے لئے صرف بصیرت افروز نہیں بلکہ ہمت افزا اور تسلی بخش بھی ثابت ہوا۔

"یف گے نئی اون یے گن" کی تصنیف میں نو سال صرف ہوئے۔ اس عرصے میں پشکن نے اور لمبی نظمیں اور ڈراما کے طرز پر داستانیں بھی لکھیں۔ "بخچی سرائے کا فوارہ" ایک تاتار سردار کے حرم کا قصہ ہے جہاں ایک بیوی دوسری کو مار ڈالتی ہے اور جرم کی سزا پاتی ہے۔ "پولتاوا" میں پیٹر اعظم اور سویڈن کے بادشاہ چارلز دوازدہم کی مشہور جنگ بیان کی گئی ہے' اور اس کی آڑ میں آزادی اور قوم پرستی

کی مدھم سرائی بھی کی گئی ھے، کیوں کہ چارلز دوازدھم کے ساتھیوں میں چند ایسے سردار بھی تھے جو اپنے وطن کو پیٹر اعظم کے قبضے سے چھڑانے کے لئے لڑ رھے تھے۔ "کنجوس امیر"، "موتسارت اور سالیری" اور "پتھر کی مورت" طرز کے اعتبار سے تو ڈرامے ھیں، لیکن ان کی اصل خوبی مثنوی کی ھے، اور پشکن کا مقصد بھی شاعری تھا، اس لئے انھیں نظمیں ھی سمجھنا چاھئے۔ "موتسارت اور سالیری" کا موضوع حسد ھے، اور اس ڈراما میں سالیری، موسیقی کا ایک استاد، جو "زور بازو" سے اپنے فن میں مہارت حاصل کرنا چاھتا ھے اور کامیاب نہیں ھوتا، موتسارت کو زھر دیدیتا ھے، کیوں کہ موتسارت کو اپنی حیرت انگیز خلقی استعداد کی وجہ سے مہارت اور شہرت دونوں بن مانگے مل گئی ھیں۔ * "پتھر کی مورت" میں ھسپانیہ کے ایک نامی نسوانی دلوں کے رھزن دون جو آن کی سرگذشت کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ھے، اور روسی نقادوں کا دعوی ھے کہ دون جو آن کی سیرت اس سے بہتر کہیں نہیں پیش کی گئی ھے † لیکن شاعرانہ خوبیوں کے اعتبار سے "یف گے نئی اون یے گن" کے بعد ان کہانیوں کا درجہ آتا ھے جو پشکن نے نظربندی کے زمانے میں اپنی بوڑھی کھلائی کی زبانی سنیں اور عوام کے طرز پر نظم کیں۔ پشکن کا

---

* وولف گانگ اماڈے اس موتسارٹ (۱۷۵۶ - ۱۷۹۱) یورپ کے سب سے ممتاز موسیقی کے ماھروں میں سے تھا۔ اس کی موت طبعی تھی لیکن اسے خیال تھا کہ کسی نے اسے زھر دیدیا ھے۔

† دون جو آن کی شخصیت مختلف شکلوں میں یورپ کے ھر ملک کے ادب میں ملتی ھے۔ انگریزی شاعر بائرن نے بھی "دون جو آن" کے عنوان سے اس کے متعلق ایک نظم لکھی ھے۔

کانو کانو چرچا ہوا تو اس کی اعلیٰ ادبی تصانیف سے کہیں زیادہ ان کہانیوں کی وجہ سے۔ اور اس وقت تک "زار سلطان" "دولہا" "پادری اور اس کا نوکر بالدا" "مچھلی اور ماہی گیر" اور سنہرا مرغا" اسی قدر مقبول ہیں جتنی وہ پشکن کے زمانے میں تہیں۔

"یف گے نئی ارن یے گن" کی تصنیف کے بعد ہی پشکن نظم میں داستانیں لکھتا رہا۔ ان میں سے بہترین "تانبے کا سوار" پیٹر برگ کے ایک باشندے کا قصہ ہے جس کی معشوقہ کا مکان دریائے نیوا کے ایک سیلاب میں بہ گیا اور وہ خود ڈوب کر مر گئی۔ اس شخص کا صدمے سے دماغ پھر گیا' اور اس کے مجنونانہ تخیل پر پیٹر اعظم کی مورت کے رعب اور پیٹر برگ کی فضا کا جو اثر ہوتا ہے وہ پشکن نے اس طرح سے بیان کیا ہے کہ پیٹر اعظم ایک جادوگر معلوم ہونے لگتا ہے اور پیٹر برگ ایک طلسمی شہر۔ پیٹر اعظم کا بنایا ہوا شہر روس کے اور شہروں سے اتنا ہی مختلف' اور ملک کے لحاظ سے اتنا ہی ناموزوں تھا جتنے وہ روسی اپنی قوم سے جدا اور بیگانہ ہوگئے تھے جنہوں نے پیٹر اعظم کی پیروی میں اور اس کے حکم کے مطابق اپنی پرانی وضع چھوڑی تھی پشکن کی طرح بہت سے انشا پردازوں نے پیٹر برگ کی خاص فضا اور وہ کیفیتیں جو وہ انسان میں خود بخود پیدا کرتی ہے بیان کی ہیں' اور اس میں شک نہیں کہ اس فضا کا پیٹر برگ کے باشندوں کی سیرت پر بہت اثر ہوا ہے اور اکثر برا۔ یہ بھی پشکن کے وجدان اور ادراک کی خوبی تھی کہ اس نے وہ اثر محسوس کر لیا جس کی بعد کو "سلاف دوست" مصنفوں نے شکایت کی اور اسے بیان بھی اس طرح کیا کہ ترمیم کی بہت کم گنجائش رہی۔

"تانبے کے سوار" اور متعدد مختصر نظموں کے علاوہ پشکن نے ۱۸۳۳ میں ایک ڈراما" بوریس گو ودنوف " بھی لکھا جس کا موضوع ایوان چہارم کی موت کے بعد کی طوائف الملوکی ہے اور دیمتری نامی ایک شخص کی بغاوت جس نے زار کے بڑے بیٹے ہونے کا دعوی کیا تھا ۔ پشکن ڈراما نویس نہیں تھا ، اور یہ مشق اسے فن میں ماہر بنانے کو بہت ناکافی تھی ۔ روسی نقاد شکایت کرتے ہیں کہ پشکن نے اس ڈراما میں نہ کوئی کیرکٹر اچھی طرح دکھایا ہے نہ کسی قسم کی جدت کی ہے لیکن پھر بھی نظم کے لحاظ سے ڈراما میں دو تین سین اچھے ہیں ' خصوصاً وہ جہاں ایک بڈھا راہب رات کو چراغ کے سامنے بیٹھا دکھایا گیا ہے ۔ راہب مورخ ہے' اور چونکہ وہ بہت بوڑھا ہوگیا ہے اس کی تاریخ' جس میں اس نے اپنے زمانے کے تمام واقعات درج کئے ہیں' ختم ہونے والی ہے ۔

بس ایک آخری داستان لکھنی ہے
اور میری تاریخ ختم ہوگئی ۔
وہ فرض جو خدا کی طرف سے مجھ گنہگار کے لئے مقرر ہوا تھا
ادا ہوگیا ۔ خدا نے مجھے اس طویل دور کا
عینی گواہ بلاوجہ نہیں بنایا '
نہ مجھے لکھنے پڑھنے کا سلیقہ بیکار عطا کیا
کبھی نہ کبھی کسی محنت کش راہب کو
میری گمنام مگر شوق اور ایمانداری سے لکھی ہوئی داستان ملےگی ،
میری طرح وہ بھی اپنا چراغ جلائےگا '
اور اس کے صفحوں سے صدیوں کی گرد جھاڑ کر
اس کے سچے واقعات کو نقل کرے گا ...
میں بڑھاپے میں دو بارہ زندہ ہورہا ہوں * :

* یعنی نوشتہ داستانیں پڑھ کر .

جو کچھہ دیکھہ چکا ہوں وہ پھر آنکھوں کے سامنے آرہا ہے .

کیا بہت عرصہ ہوا کہ زندگی کا طوفانی سمندر

موجیں مارتا ہوا گذرا تھا ؟

اب وہ خاموش اور پر سکون ہے ؛

مجھے بہت کم صورتیں یاد ہیں '

بہت کم باتیں '

اور جو کچھہ بھولا ہوں وہ ہمیشہ کے لئے '

لیکن چراغ بجھہ رہا ہے ' دن قریب ہوگا .

بس ایک آخری داستان اور لکھنی ہے .

پشکن کی مختصر نظمیں زیادہ تر عشقیہ ہیں ' لیکن اس کے میدان کی وسعت اور مذاق کی ہمہ گیری ثابت کرنے کو " پیغمبر " " شاعر اور کتب فروش " " زندگی کی رتھہ " " بھوت " " نوحہ " " ہم مشربوں سے خطاب " بہت کافی ہیں . ان کے علاوہ پشکن نے مغربی سلاف نسلوں کے بہت سے گیتوں اور داستانوں کا ترجمہ کیا ' اور فارسی ، عربی ' قدیم یونانی اور رومن ، اطالوی ' ہسپانی ' فرانسیسی ' جرمن ' پول ستانی اور انگریزی شاعروں کے مخصوص قومی طرز میں بھی طبع آزمائی کی . اس کے کلام کے مجموعہ میں قرآن شریف کی چند آیتوں کا ترجمہ بھی موجود ہے . مگر پشکن کا علم اس کے مذاق کی طرح ہمہ گیر نہیں تھا ' انگریزی اور فرانسیسی شاعروں کے سوا اس نے کوئی ترجمہ براہ راست اصل سے نہیں کیا ' اور دوسروں کے طرز کی کامیاب نقل کرنے کے لئے اس کی معلومات کافی نہیں تھیں . اسے ایک خامی نہ سمجھنا چاہئے ' بلکہ اس کے برعکس اس شوق کی تعریف کرنا چاہئے جو کسی کارنامے سے مطمئن نہ ہوسکا اور ہمیشہ وسعت

اوربلندی کا آرزو مند رہا .

پشکن کی ایک عشقیہ نظم ملاحظہ ہو :

مجھے زندگی کا وہ حیرت انگیز لمحہ یاد ہے
جب تو میرے سامنے نمودار ہوئی
ایک دیدار کی طرح جو چشم زدن کے لئے عطا ہوا ،
ایک حسن کا مجسمہ جو اپنی جھلک دکھلا گیا .
بہت دنوں تک جب کوئی لا دوا درد مجھے تڑپا تا
یا میں دنیا کے شور و غل اور لغویات سے پریشان ہو جاتا
تو تیری نرم آواز میرے کانوں میں گونجنے لگتی ،
اور تیرا پیارا چہرہ مجھے خواب میں نظر آیا کرتا .
زمانہ گزر تا گیا جذبات کی باغیانہ شورشوں نے
پرانے خواب منتشر کر دئیے ؟
میں تیری نرم آواز بھول گیا
اور تیرا پیارا چہرہ .
جلا وطنی کے گوشے ، جدائی کی تاریکی میں
میری عمر اپنی سست رفتار سے گذر تی رہی ؟
نہ کوئی ایسا تھا جس کی ناز برداری کروں ، یا جو میرے جسم میں جان پھونکے ،
نہ آنسو تھے ، نہ زندگی ، نہ محبت .
میرے دن پھرے ، میرا دل بیدار ہوا ،
تو پھر میرے سامنے نمودار ہوئی ،
ایک دیدار کی طرح جو چشم زدن کے لئے عطا ہوا ،

ایک حسن کا مجسمہ جو اپنی جھلک دکھلا گیا .

میرا دل خوشی سے دھڑک رہا ہے —

اسے ناز برداری کا شرف حاصل ہوا ہے ،

اسے ایک ہستی ملی ہے جو اس میں دو بارہ جان پھونک سکتی ہے ،

اور اب اسے پھر جینا نصیب ہوا ہے اور آنسو بہانا اور محبت کرنا .

روسیوں کی طبیعت عام طور سے حقیقت بیانی اور حقیقت نگاری کی طرف اس قدر مائل ہوتی ہے کہ فلسفیانہ تصورات اس کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتے . اسی وجہ سے روسی شاعری میں فلسفیانہ رنگ کی نظمیں شاذ و نادر ملتی ہیں ؛ پشکن کی نظم " زندگی کی رتھہ " تخیل ، استعارے اور حقیقت نگاری کی اس خاص آمیزش کی بہت اچھی مثال ہے جو روس میں فلسفے کا کام دیتی ہے :

رتھہ پر اگر چہ بوجھہ بہت ہے
مگر وہ آسانی سے چل رہی ہے :
زمانہ ، ایک سن رسیدہ مشاق ہانکنے والے کی طرح
بغیر سستائے ہم کو بھگائے لئے چلا جاتا ہے .
ہم سویرے سے رتھہ میں بیٹھتے ہیں .
جب ہمیں ہتی پسلی توٹنے کا اندیشہ نہیں ہوتا ،
آرام اور آسودگی کی فکر نہیں ہوتی ،
اور تب ہم چلاتے ہیں . چل جلدی چل
لیکن آدھا دن گذر نے تک یہ جو لانی نہیں رہتی ،
ہم بہت ہچکولے کھا چکے ہوتے ہیں ،
ڈھلواں زمین اور خندقوں کا ہمیں خوف ہوتا ہے ،
اور تب ہم چلاتے ہیں : سنبھل کر چل ، بیوقوف !

رتھہ پہلے کی طرح چلتا رہتا ہے ۔
شام تک ہم اس مڑن بیٹھنے کے عادی ہو جا تے ہیں ۔
زمانہ رتھہ کو تیزی سے چلاتا رہتا ہے
اور ہم اونگھتے ہوئے خواب گاہ تک پہنچ جاتے ہیں ۔

" بھوت " میں شاعر برف کے طوفان کو وہمی دیہاتیوں کی نگاہوں سے دیکھتا ہے ۔ ترجمے میں الفاظ کی تاثیر جاتی رہتی ہے ۔ اور اس قسم کی نظموں میں اثر زیادہ تر الفاظ کے وزن اور تال کا ہوتا ہے ۔ یہ نظم اپنی اصل صورت میں پڑھی جائے تو طوفان اور برف باری کی فضا اور وہ مہیب شکلیں جو خوف زدہ تصور ایسے موقعوں پر گویا اپنے آپ کو ڈرانے کے لئے بنایا کرتا ہے سب نظر کے سامنے آجاتی ہیں اور شاعر کی طرح پڑھنے والے کا دل بھی دہل جاتا ہے ۔

بادلوں کے بھونچال ہیں ، بادلوں کا طوفان ہے
کہیں سے چھپ کر چاند
اڑتی ہوئی برف کو چمکارہا ہے ؛
آسمان مٹیالا ہے ، رات مٹیالی ۔

میں سپاٹ میدان میں گاڑی پر چلا جارہا ہوں ، چلا جارہا ہوں -
گھوڑوں کی گھنٹی ٹن ٹن ٹن بول رہی ہے ۔
انجان مقاموں سے گذرتے ہوئے
دل بے اختیار کانپ اٹھتا ہے ۔
" ارے کو چوان ، جلدی کر ! " " حضور مجھ میں سکت نہیں ،
اور گھوڑوں کے پیر مشکل سے اٹھتے ہیں :
برف کا طوفان میری آنکھیں اندھی کئے دیتا ہے ،

تمام رستے نظر سے چھپادئے ھیں '
مجھے تو اب کوئی مارے ڈالی تو میں رستہ نہیں بتا سکتا
ہم بھٹک گئے ہیں ' کریں تو کیا کریں ؟
ہم کو بھوت میدان میں گھسیٹتے لئے جاتا ھے
اور ادھر ادھر چکر دے رہا ھے .
دیکھئے وہاں کھیل رہا ھے ' وہاں '
میرے منہ پر کچھہ پھونکتا ھے اور تھوکتا ھے '
وہ دیکھئے اب جھکنے والے گھوڑے کو
گڑھے میں دھکیل رہا ھے ؛
وہ دیکھئے اب جھوٹ موٹ میل کا پتھر بن کر
میرے سامنے زمین میں گھڑ گیا '
اب دیکھئے وہ چنگاری کی طرح چمکا
اور اندھیرے میں غائب ہو گیا . "
بادلوں کے بھونچال ھیں ' بادلوں کا طوفان ھے '
کہیں سے چھپ کر (چاند)
آسماں مٹیالا ھے ' رات مٹیالی .
ہم میں اب چکر لگانے کی طاقت نہیں '
گھوڑوں کی گھنٹی خاموش ھے '
گھوڑے کھڑے ہوگئے ھیں . . . " ارےوہ سامنے کیا ھے ؟ "
" میں کیا بتاؤں ؟ کسی درخت کی جڑ ہو گی' یا بھیڑیا . "
طوفان جھلاتا ھے ' طوفان روتا ھے ؛
بھڑکنے والے گھوڑے پھنکار تے ھیں ؛

لو ! اب بھوت دور ہوتا جاتا ہے ،

صرف وہ آنکھیں اندھیرے میں انگاروں کی طرح دہک رہی ہیں ۔

گھوڑے پھر سے چلنے لگتے ہیں

گھنٹی ٹن ٹن ٹن بولتی ہے ۔

برف سے سفید میدانوں پر

مجھے بھوت جمع ہوتے دکھائی دیتے ہیں ۔

بے شمار ، بد صورت اور ڈراونے ،

چاند کی مٹیالی روشنی میں

ہر ہر طرح کے بھوت چکر لگا رہے ہیں ،

جیسے پت جھڑ میں پتیاں ۔

کتنے ہیں ، کدھر بھاگے ہوئے جارہے ہیں

کیوں سب ایسی درد ناک آواز میں گا رہے ہیں ؟

کیا کوئی بھوت دفن کیا جا رہا ہے ،

یا کسی چڑیل کی شادی ہے ؟

بادلوں کے بھونچال ہیں ، ہواؤں کا طوفان ہے ،

کہیں سے چھپ کر چاند

اڑتی ہوئی برف کو چمکا رہا ہے ؛

آسمان مٹیالا ہے ، رات مٹیالی ۔

گروہ در گروہ ، بھوتوں کا بھونچال

آسمان کی بلندی میں غائب ہو رہا ہے ۔

ان کی درد ناک چیخیں اور آہیں

میرے دل کو زخمی کر رہی ہیں ۔

"بھوت" کے مقابلے میں دیہاتی روس کا ایک اور منظر ملاحظہ ہو جو صرف شاعرانہ کیفیت سے خالی ہی نہیں بلکہ ایسا ریگستان ہے جس میں زندہ دلی کا چشمہ ہی سوکھ جائے ۔

میرے سرخ و سپید نقاد، میرے موٹے تازے ہنسی اڑانے والے،
تو ہمیشہ میرے افسردہ افکار کو اپنے مضحکے کا تختۂ مشق بناتا ہے :
ذرا ادھر آ، میرے پاس بیٹھ، اور پھر ہم دونوں دیکھیں گے
کہ میری بدبخت افسردگی کا کوئی علاج ہے یا نہیں ۔ ۔ ۔
دیکھ یہاں کا منظر کیسا نفیس ہے ۔ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑوں کی ایک قطار،
اور اس کے پیچھے سیاہ زمین میدان کی ہلکی ہلکی ڈھال،
اور سب کے اوپر ڈھلے ہوئے گنجان بادلوں کی پٹی
لہلہاتے کھیت کہاں ہیں، گھنے جنگل کہاں،
اور دریا کدھر ؟ صحن میں جنگلے کے پاس
آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے کو وہ بیچارے درخت کھڑے ہیں !
صرف دو درخت، اور ان میں سے بھی ایک کو
خزاں کی بارش نے بالکل ننگا کردیا ہے :
دوسرے کی پتیاں زرد ہیں ! بھیگتے بھیگتے گل گئی ہیں
اور اب ہوا کے کچھ تیز جھوکوں کی منتظر ہیں کہ تالاب میں گر کر اسے پاٹ دیں ۔
بس اور کچھ نہیں ۔ آس پاس کسی کتے کی آواز تک نہیں ۔
ہاں، وہ دیکھ ایک کسان ہے اور اس کے پیچھے دو عورتیں :
کسان ننگے سر ہے بغل میں بچے کا تابوت دبائے ہے،

اور دور سے کامل چھوٹے پادری کو پکار رہا ہے
کہ وہ بڑے پادری کو بلالے اور گرجا گھر کھول دے :
بہت جلد ، اب انتظار کی گنجائش نہیں ،
مجھ کو بہت پہلے ہی دفن کردینا چاہئے تھا

ایسے مناظر سے بہت زیادہ ہوتے شکن دارالسلطنت کی وہ رنگیلی زندگی تھی جس میں پشکن نظر بندی کے بعد مبتلا ہو گیا . زار کا احتساب ایک طرف ، اور دوسری جانب خود پشکن کی طبیعت کی کمزوریاں دونوں نے مل کر اس کی شاعری کا کام تمام کردیا . ایک نظم میں اس نے خدا سے دعا مانگی ہے کہ اسے دیوانگی سے بچائے رکھے . یہ "نوحہ" بھی اسی رنگ میں ہے

دیوانگی کے زمانے کا بجھتا ہوا سرور
میرے دل پر گراں ہے جیسے شراب کا خمار
اور شراب ہی کی طرح گذرے ہوئے دنوں کا غم
میرے دل میں جتنا پرانا ہوتا جاتا ہے اتنا ہی تیز بھی
میرا راستہ سنسان ہے ، میرے مستقبل کا موج زن سمندر
مجھے رنج اور کلفت کے طوفانوں کا پیغام دے رہا ہے .
لیکن دو ستو ، مجھے ابھی مرنا منظور نہیں
مجھے جینا ہے ، کہ آرزوؤں کا بیج بوؤں اور مصیبت کا پھل چکھوں :
اور مجھے معلوم ہے کہ رنج اور فکر اور پریشانیوں میں بھی
میرے عیش و عشرت کا سامان ہو گا ـــ
کبھی کبھی نفس اور روح کی ہم آہنگی میرے گیت کا موضوع ہوگی
میں پھر اپنے خیال کی شوخی پر خوشی کے آنسو بہاؤں گا ،

اور ممکن ہے کہ میری شام حرمان
عشق کے الوداعي تبسم سے روشن ہو جائے ۔

آخر میں ایک نظم درج کی جاتی ہے جس میں پشکن اپنے ہم مشربوں کو خطاب کرتا ہے :

شاعر ' تو عوام کی محبت پر اعتبار نہ کر !
تعریف کے نعروں کا شور دم بھر میں مٹ جائے گا '
تجھے بیوقوف کی رائے سننی ہوگی اور سنگ دلوں کی ہنسی ؛
مگر تو اپنا وقار اور سکون قائم رکھ ' اور غم سے ہم کنار رہ ۔
تو بادشاہ ہے ' تنہا رہ ' اپنے سیدھے رستے پر چل '
جہاں تجھے تیرا آزاد ذہن لیجائے وہاں جا '
اپنے محبوب خیالات سے اپنی دنیا تعمیر کر
اور اپنی بلند امنگوں کا صلہ کسی سے نہ مانگ . . .

شاعر کے رتبے کی نسبت ایسے بلند خیالات رکھتے ہوئے یہ ناممکن تھا کہ پشکن زیادہ دن تک ان پابندیوں کو برداشت کرے جن سے وہ پیٹر برگ میں جکڑ دیا گیا تھا ' اور عمر کے آخری چار پانچ سالوں میں اس نے اتنی کم نظمیں لکھیں کہ یہ سمجھنا چاہئے اس نے شعر کہنا بالکل ہی ترک کر دیا تھا . اس کی بجائے اس نے اخبار نویسی ' ادبی تنقید اور افسانہ نویسی کا شغل اختیار کیا اس کے سیاسی مضامین اس زمانے کے عام معیار سے بہتر نہیں ' لیکن ادبی تنقید کے مسائل میں اس کی رائے مستند مانی جاتی ہے - اس کے رسالے کے ذریعہ سے کئی انشا پردازوں اور شاعروں کا جو کہ بعد کو بہت مشہور ہوئے ادب کے سرپرستوں سے پہلے پہل تعارف ہوا ' اور معاصر مصنفوں میں سے پشکن

نے جس کسی کی نسبت جو رائے قائم کی اس کی بعد کو عام رائے نے عموماً تصدیق کی - ناول نویس * گوگول کی عظمت کا پشکن نے سب سے پہلے اعتراف کیا ' اور ناظرین سے اسے اس کا حق دلوانے میں پشکن هی کی کوششیں زیادہ کامیاب هوئیں . شاعر † چیوچف کے کلام کو بھی پشکن نے گمنامی سے بچایا ' اس کی پہلی نظمیں پشکن نے اپنے رسالے میں شائع کیں ' اور وہ اصرار نہ کرتا تو ممکن هے چیوچف کی نظمیں اشاعت سے بالکل محروم رهتیں . ان ادبی خدمات سے بہت زیادہ قابل قدر پشکن کی اپنی نثر کی تصانیف هیں . اس کا تاریخی مضمون " پوکاچیوت کی بغاوت " تاریخ اور ادب دونوں میں خاص اهمیت رکھتا هے ' اس کا ناول " کپتان کی بچی " ' جس کا قصہ پوکاچیوت کی بغاوت پر مبنی هے اب تک شوق اور دلچسپی سے پڑھا جاتا هے اور روسی تاریخی ناولوں میں اس کا درجہ بہت بلند هے . پشکن کے افسانے موضوع کے اعتبار سے خاص طور پر قابل ذکر نہیں ' اگرچہ ان میں سے ایک " حکم کی بیگم " کا ایک روسی ماهر موسیقی نے " ‡ اوپرا " بنا کر بہت چرچا کردیا . پشکن کی نثر کی تصانیف کا جوهر ان کی زبان کی فصاحت اور لطافت هے ' اور کارا مزن اور تور گنف کے سوا روسی نثاروں میں کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا

پشکن کے مذاق کی همہ گیری اور اس کی نظر کی وسعت کا ذکر آچکا هے . یہ خصوصیت دستۂ ئف سکی کی راے میں ذاتی نہیں بلکہ قومی هے.

* گوگول کا ذکر روسی ناول نویسوں کے سلسلے میں آگے آئے گا -

† چیوچف کا ذکر اسی سلسلے میں هوگا -

‡ ناٹک اور گانے کے فنوں کی آمیزش ' جس میں ایکٹر بولنے کے بجائے گاتے هیں اورساتھ هی باجے بھی بجائے جاتے هیں -

یورپ پر ستوں کی تعلیم اور سیاسی مصلحتوں کے باوجود دستہ ئف سکی کے نزدیک روسی قوم میں انسانی ہمدردی کا وہ خاص جزبہ جو دوسری قوموں کی تہذیب اور تمدن سے دلچسپی ' ان کی اعلیٰ امنگوں اور آرزوؤں سےگہرا روحانی تعلق پیدا کردیتا ہے کمزور نہیں پڑا ہے اور ابھی تک روسی قوم کی سب سے نمایاں اورسبق آموز صفت ہے ۔ روسی قوم تنہا اور سرد مہر نہیں رہ سکتی ' اور ہر سچے روسی کے دل میں یہ حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری قوموں کے طرز معاشرت اورفلسفۂ حیات سے واقفیت حاصل کرے اور اس کی حقیقت سمجھ لے ، اپنے اور پرائے کے دکھ سکھ میں شریک ہو ' اور اس فساد کو جو جہالت ' خود غرضی اور تنگ نظری کی وجہ سے قوموں کے درمیان قائم ہے اور انہیں ایک دوسرے سے جدا رکھتا ہے اسے اپنی ہمہ گیر محبت ' روا داری ' حقیقت بینی اور حق پرستی سے رفع کردے ۔ یہ قومی وصف دستہ ئف سکی کے خیال میں پشکن کی شخصیت اور اس کے کلام کا خاص جوہر ہے ' اور اسی کی بنا پر پشکن کو صحیح معنوں میں قومی شاعر کہا جاسکتا ہے ۔ لیکن پشکن میں صرف دوسروں کا مذاق اور خیالات سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی ۔ الے کو ' اون یے گن اور تت یانا کی سیرتیں ' روس کے دیہاتی مناظر اور گاؤں کی بود وباش کی دلکش تصویریں ' اس کے ساتھ ہی عوام کے تخیل اور ان کی تہذیب سے گہرا لگاؤ ' اور وطن کی سچی محبت ' یہ سب دلیلیں ہیں اس بیدار دلی اور مخلصانہ قوم پرستی کی جو پشکن کو روسی شاعروں اور انشا پردازوں کا سر تاج بنا دیتی ہے ۔ دستہ ئف سکی کا خیال صحیح ہو یا غلط ' پشکن کی روس میں جو عظمت ہے اور اس کی ذات کا جو احترام کیا جاتا ہے اسے سمجھنے

کے لئے ضروری ہے کہ اس قسم کے دعوے جیسے دستوئفسکی نے پشکن کے حق میں کئے ہیں نظر انداز نہ کئے جائیں۔ پشکن فلسفی یا کسی بصیرت افروز تخیل کے مبلغ کی حیثیت سے بہت زیادہ ممتاز نہیں، نظم کی خوبیاں بھی اس سے زیادہ اور بہت سے شاعروں کے کلام میں مل جائیں گی، مگر قومی ذہنیت پر جو اثر پشکن کا ہوا قومی سیرت کا عکس جیسا اس کی نظموں میں ملتا ہے اور قوم کے عام مذاق سے جو مناسبت اس کے کلام کو ہے۔ اس کی مثال جرمن شاعر گوئٹے کی شخصیت اور کلام کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ گو پشکن ہمت اور جوش ایثار سے محروم اور اخلاقی رہبری کے لئے ناموزوں تھا اس کی نظموں نے قوم کو بیدار اور اپنی اصلیت سے آگاہ کرنے میں بہت مدد دی، اور آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں اسے روس کا صرف پہلا نہیں بلکہ سب سے بڑا شاعر اور مدبر بنا دیا۔

سسی پنوں

از

جناب قاضی فضل حق صاحب ایم۔اے۔ پی۔ای۔ایس
(پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور)

عنوان بالا کے تحت میں پنجاب کے دو مشہور ادیبوں "جناب نور الٰہی و محمد عمر صاحبان" کے قلم سے مجلۂ اردو کے نمبر ۳۶ میں ایک نہایت دلچسپ مضمون شائع ہوا ہے جس میں ان دو اصحاب نے اپنے انداز خاص میں سسی پنوں کے قصے کی تمثیلی حیثیت پر نقدانہ بحث کی ہے۔ اور اس افسانہ کے سندھی اور پنجابی پلاٹ کے جزئیات پر محققانہ تبصرہ کیا ہے۔ مگر اس مضمون کی تمہید میں بعض باتیں مزید تتبع اور دقت نظر کی محتاج رہ گئی ہیں --

مثلاً ہمارے دوست لکھتے ہیں کہ "ہیر رانجھا کی کہانی کو وارث شاہ اور فضل شاہ دو شاعروں نے آسمان پر پہنچا دیا۔ مگر لاہور اسنگھ اور مقبول کی تصنیفات بہت ادنیٰ درجے کی کاوشیں ہیں"۔ مقبول ایک چار ورقہ سی حرفی کا مصنف ہے۔ جس میں ہیر اور اس کی ماں کا صرف مکالمہ درج ہے - اور بس - ادبی حیثیت سے بے شک وہ "بہت ادنیٰ درجے کی کاوش" ہے - مگر مجھے تعجب ہے - کہ قابل مضمون نگاروں نے اس کا وارث شاہ یا فضل شاہ سے کس بنا پر مقابلہ کیا ہے - غالباً مضمون نگار صاحبان کی مراد مقبل دی ہیر سے ہے --

وارث شاہ سے بہت پہلے پنجابی زبان کا ایک مشہور شاعر شاہ جہاں نام گذرا ہے

جس کا تخلص مقبل تھا۔ اور آنکھوں سے نابینا تھا۔ علاوہ "جنگ نامہ" کے "ہیر و رانجھا" کا قصہ بھی اُس کی یادگار ہے۔ یہ کتاب نہ صرف کئی دفعہ چھپ چکی ہے۔ بلکہ اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں بھی ہو چکا ہے۔ بلحاظ زبان اور اسلوب بیان کے فضل شاہ کی کتاب سے کسی صورت میں بھی "ادنیٰ" نہیں ہے اور اگر وارث شاہ سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ خود وارث شاہ نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس کے بہت سے اشعار بجنسہ یا بادنیٰ تغیر وارث شاہ کی ہیر میں موجود ہیں۔ اس کو الحاق کہہ لو یا توارد۔ بہر حال یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے۔ کہ اگر مقبل کی تصنیف وارث شاہ کے زندۂ جاوید کارنامہ کے مد مقابل نہ بھی ہو۔ تاہم اُس کے مقابلے میں "بہت ادنیٰ درجے کی کاوش" نہیں

پھر ارشاد ہوتا ہے۔ کہ مخزن کے دور اول میں اس قصہ کو "ہندوستان پسند بنانے کی کوشش کی گئی تھی" مگر اس کی ناکامی کی یہ وجہ تھی کہ "اہل دہلی و لکھنو اس قصہ کو مبتذل اور عامیانہ مذاق کی چیز خیال کرتے رہے ......" چنانچہ دہلی اور لکھنؤ کے دو نامور شاعروں کے دو شعر اس حقیقت پر بلا واسطہ روشنی ڈالتے ہیں۔

۱ – انشا   سنایا رات کو قصہ جو ہیر و رانجھے کا
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

۲ – بحر   سن کے میری سرگذشت احباب یہ کہنے لگے
بحر کا قصہ بھی افسانہ ہے رانجھے ہیر کا

میں نہیں سمجھ سکا انشا اور بحر کے اشعار سے اس قصے کا "مبتذل اور عامیانہ مذاق کی چیز" ہونا کس طرح مستنبط ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف یہ دونوں شاعر اس قصہ کی درد انگیزی اور دلچسپی کا اقرار کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں —

مضمون نگار صاحبان کی راے ہے - کہ "شعراء فارسی اور اردو نے اس قصہ کی طرف بنظر التفات نہیں دیکھا - ورنہ ایک خوبصورت دلفریب مثنوی آسانی سے تیار ہو جاتی" اور یہ کہ "خود پنجاب کے شعراء نے ان قصوں کو درخور اعتنا خیال نہ کیا" یہ دونوں نظریے حقیقت کے خلاف ہیں - اس موضوع پر اردو و فارسی زبان میں متعدد کتابیں اس سے بہت پہلے لکھی جا چکی ہیں اور ان میں سے اکثر اس وقت راقم الحروف کے پاس موجود ہیں - ان کی تفصیل درج ذیل ہے :—

(ا) فارسی نثر

(۱) سب سے قدیم فارسی کتاب جو اس موضوع پر تصنیف کی گئی ہے وہ گور داس کو هلی ساکن سنکھترہ کی داستان "هیرو رانجھا ہے" جو دراصل دمودر کی پنجابی هیر کا ترجمہ ہے - اور سنہ ۱۱۲۱ هجری سے پہلے کی تصنیف ہے - کیونکہ میرے قلمی نسخے کا سن کتابت یہی ہے —

(۲) اس کے بعد منشی منسا رام نے سنہ ۱۱۵۷ ہجری میں اسی کتاب کی عبارت کو زیادہ مغلق اور پیچیدہ بنا کر اپنے نام سے شایع کیا - اس کا قلمی نسخہ راقم کی نظر سے گزر چکا ہے —

(۳) پنجاب کی حدود سے باهر "منشی" وزیر علی متخلص بہ 'عبرتی' نے سنہ ۱۲۵۲ هجری میں قصہ هیرو رانجھن نثر میں لکھا - جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں محفوظ تھی - 'عبرتی' عظیم آباد (پٹنہ صوبہ بہار) کا رہنے والا تھا - اور علاوہ اس کتاب کے ایک تذکرۃالشعراء بھی اس کی طرف منسوب ہے —

(ب) فارسی مثنویاں -

(۱) سب سے پہلے اس قصے کو فارسی نظم میں "میتا پسر حکیم درویش" نے سنه ۱۱۱۰ هجری میں اورنگ زیب کے عہد میں لکھا تھا - حکیم درویش موضع "کیلاس" یا "کڈہ کیلاس" ضلع گوجران والا پنجاب کے رهنے والے تھے اور عہد شاہ جہانی میں بہت مشہور طبیب تھے - ان کی کتاب خیرمنکھہ (ویدک طب میں) بہت مشہور ہے —
ان کے بیٹے میتا خود بھی حکیم اور شاعر تھے - مثنوی کا نام انھوں نے عشقیہ پنجاب رکھا ہے میتا اور ان کی مثنوی پر اور نتیل کالج لاهور میگزین بابت ماہ نومبر سنہ ۲۸ ع میں مفصل مضمون شایع کرا چکا هوں —

(۲) هیرو رانجھا مصنفه 'لائق' اس کا قلمی نسخه میرے پاس موجود هے ساری مثنوی میں لائق یا اس کے عہد کے متعلق کوئی صریح اشارہ نہیں پایا جاتا مگر میں نے رساله طور (لاهور) بابت ماہ مئی سنه ۱۹۲۸ ع میں ثابت کرنے کی کوشش کی هے که لائق اورنگ زیب کا معاصر اور اسلام خان مشهدی (همت خان) عالمگیری کے متوسلین میں سے تھا - اور اس کا نام محمد عاشق یا محمد مراد تھا —

۳) مثنوی ناز و نیاز - شاہ فقیر الله آفریں لاهوری کی یادگار هے شاہ صاحب ذات کے گوجر اور گوت کے "جوید" تھے - بقول آزاد بلگرامی یه کتاب سنه ۱۱۴۲ هجری میں زیر تالیف تھی - شاہ صاحب کا انتقال سنه ۱۱۵۳ هجری میں هوا —

(۴) مثنوی یکتا - مصنفه احمد یار خان یکتا - اس کے اسلاف خوشاب ضلع شاہپور میں متوطن تھے - اور اس کا انتقال خوشاب هی میں سنه ۱۱۴۷ھ

میں ہوا۔ یہ مثنوی شائع ہو چکی ہے اور بازار میں ملتی ہے۔

۵) "مثنوی باقی" یہ کتاب بھی میرے پاس اس وقت موجود ہے پہلے دو تین صفحے غائب ہیں۔ دیباچہ میں "شاہ عالم پناہ اکبر شاہ" کی تعریف ہے۔ غالباً یہ اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی ہے بعض اصحاب کا خیال ہے کہ یہ کتاب خواجہ باقی باللہ کی تصنیف ہے جو عہد اکبری کے صوفیاء کرام میں سے تھے۔ اگر یہ درست ہے تو یہ سب سے پہلی فارسی مثنوی ہے جو اس موضوع پر لکھی گئی تھی۔

۶) مثنوی ہیرو رانجھا مصنفہ سندر داس آرام۔ اس کا ایک نسخہ کپور تھلہ لائبریری میں موجود ہے۔ آرام میر معین الدین (المعروف بہ میر منو) حاکم لاہور کا معاصر تھا۔ اس نے یہ کتاب سنہ ۱۱۷۱ ہجری میں لکھی۔ اور اس کا تاریخی نام "گلشن راز عشق و وفا ہے" —

(۷) میر قمرالدین منت دہلوی نے بھی اس قصہ کو فارسی نظم میں لکھا ہے۔ تاریخ تصنیف سنہ ۱۱۹۶ ہجری ہے۔ قصہ عشق ہیرو رانجھن نام ہے۔ یہ کتاب مسٹر رچرڈ جانسن (صاحب لغات فارسی و انگریزی) کے نام پر معنون ہے۔ اسی مسٹر جانسن نے منت کو کلکتہ کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کے سامنے پیش کیا۔ اور ملک الشعرا کا خطاب دلوایا۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ اس وقت زیر نظر ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ سردار عبدالقادر افندی نے لکھ کر چھپوادیا ہے

(۸) "نگارین نامہ المعروف بہ ہیرو رانجھا" لالہ کنھیا لال ہندی ایگزیکیٹو انجینیر پنجاب کی تصنیف ہے۔ اور سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں چھپی تھی بازار میں ملتی ہے —

(۹) اس کے علاوہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں ایک نامکمل فارسی مثنوی موجود ہے - آیوان ہود روسی مستشرق نے اپنی فہرست میں شاعر کا نام فدائی یا ساقی دیا ہے —

(۴) اردو نثر کا سرمایہ بھی اس حصہ سے خالی نہیں ہندو پریس دھلی میں سنہ ۱۸۷۴ ع کی چھپی ہوئی ایک کتاب موسوم بہ قصہ ہیر و رانجھا میرے پاس موجود ہے - اس کا مصنف "مقبول احمد ابن مولوی قدرت احمد فاروقی گوپاموی ... وارد افنہالہ" ہے - جو اس کتاب کا سبب تالیف یوں بیان کرتا ہے کہ "افسانہ ہیر و رانجھا سرزمین ہند میں عجیب دلچسپ نمکین و رنگین طرفہ ظرافت آئین و خاوص آگین واقع ہوا ہے ... ہرچند فقیر پر تقصیر کو ایسے مقدمات کے قلمبند کرنے سے سروکار نہ تھا - بلکہ ننگ و عار تھا - مگر بعض اشنایان صدق و وفاق نے تکلیف مالایطاق دی - خیال نظم فارسی نے دل میں جگہ کی - کچھ اشعار لکھے - پھر دھیان آیا - کہ فی زماننا رواج اردو کا بیشتر ہے اور نظم سے نثر وسعت اثر حاصل مطلب خلاصہ مقصد حشو و زوائد مقفی و مسجع بطرز نو طرز مرصع* بپاس خاطر احباب مخلص تحریر کیا"

(۵) اردو نظم میں بھی کم از کم ایک مثنوی "آئینۂ درایت عشق" نام مصنفۂ قیس موجود ہے - یہ کتاب جیسا کہ اس کے تاریخی نام سے معلوم ہوتا ہے - سنہ ۱۲۲۷ ھ میں لکھی گئی تھی - اور دو سال بعد سنہ ہجری میں کانپور میں طبع ہوئی - قریباً تین سو صفحہ کی کتاب ہے - میرے پاس اس کا ایک ناقص الدول نسخہ موجود ہے —

---

* قصہ چار درویش کا مشہور اردو ترجمہ ہے - اسکا مصنف محمد حسین عطا خاں ہے جس نے اس کتاب کو سنہ ۱۷۹۸ ع میں لکھا تھا —

ممکن ہے کہ ان کتابوں کے علاوہ اور تصنیفات بھی اس موضوع پر موجود ہوں اندریں حالات یہ کہنا درست نہیں کہ اردو و فارسی شعراء اور اہل قلم نے اس قصہ کو در خور اعتناء خیال نہ کیا" اور اس قصہ کے "صوبیاند" حدود سے باہر قدم نہیں رکھا* —

آنریبل سر چودھری شہاب الدین کی زبانی معلوم ہوا ہے - کہ بقول ایک انگریزی خاتون کے یہ قصہ عربی میں بھی لکھا گیا ہے —

اب رہا قصہ سسی و پنوں - سو اس کے متعلق صاحبان مضمون نے فارسی کی صرف تین مثنویوں کا ذکر کیا ہے —

میر معصوم بھکری کی مثنوی "حسن و ناز" اور قاضی مرتضی سورتی کی مثنوی "شہید ناز" کا ذکر ادبیات فارسی میں میری نظر سے کہیں نہیں گذرا۔ نہ ہی صاحبان مضمون نے ان کے متعلق کوئی مزید واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ اس لئے ان کے زمانہ کا تعین ناممکن ہے - ہاں "چودھری" (شہباز) کی کتاب "وقائع پنوں" کا ایک قلمی نسخہ اس وقت زیر نظر ہے۔ شہباز موضع بدوملہی ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا مسلمان جات تھا - اس نے یہ کتاب سنہ ۱۲۵۰ ہجری میں نہیں (جیسا کہ صاحبان مضمون نے لکھا ہے) بلکہ سنہ ۱۲۵۱ ہجری میں مکمل کی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی تصنیف کے آخر میں لکھتا ہے -

چوں در غم یار نزاریدم خون خوار و دل افکار و حیران
تاریخ گذار (کذا) این نظم شدم غم یار بہ فہم اسرار نہاں

---

* اورنگ زیب عالمگیر کے پچاسویں سال جلوس میں ایک شخص گیو داس نے اسے بھاکا (ہندی) میں لکھا تھا اس کا قلمی نسخہ میری نظر سے گذر چکا ہے - اس کے علاوہ ہندی زبان میں ایک ترجمہ موجود ہے (دیکھو میرا مضمون بعنوان "قصۂ میرو را نجھا" ملحقہ رسالہ ہندستانی بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۲۷ ع)

اور یہ ظاہر ہے ۔ کہ "غم یار" کے اعداد ۱۲۵۱ ہوتے ہیں ۔

یہ بالکل صحیح ہے ۔ کہ "وقائع پنوں" میں پنوں کے بے ہوش ہوجانے کے بعد کا حال کسی دوسرے شخص کے قلم کا مرہون منت ہے ۔ اور صاحبان مضمون اس کا نام "منشی محمد حسین" بتاتے ہیں ۔ شہباز اسی کا نام صرف "حسین" لکھتا ہے۔ اور اس کو "ولی" کے نام سے مخاطب کرتا ہے ۔ مضمون معدولہ کی عبارت سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے ۔ کہ شہباز نے پنوں کے بے ہوش ہوجانے تک کا حال لکھا۔ اور بعد ازاں "منشی محمد حسین" نے اسے مکمل کیا —

حالانکہ شہباز کا بیان یہ ہے ۔ کہ "حسین ولی" نے اس سے قبل قصہ سسی پنوں کا آخری حصہ لکھا جو بہت مقبول ہوا ۔ بحر کی ندرت کی وجہ سے اس کے اشعار لوگوں کی زبان پر چڑھ چکے تھے شہباز نے اپنے دوست "بیرالدین" متوطن "شہر جلال‌آباد" کی فرمائش پر قصہ کا ابتدائی حصہ اس بحر اور روش پر لکھ کر کتاب کو مکمل کیا ۔ وہ کہتا ہے کہ :

"لیکن زین پیش حسین ولی" کردہ است بیان احوال سسی ز آغاز نہ کرد شروع او را انجام نمودہ بہ فہم رسی

من جہت تمام نمودن آن عازم گشتم از بوالہوس
من ناکس نارس زار ہوس جہت اتمامش گفتم خواہاں

....

باہمین حسین چہ می سنجد این اسرب پر غبن اے یاراں

یہ بھی ممکن ہے کہ حسین کی مثنوی کا ابتدائی حصہ ضائع ہوگیا ہو ۔ اور شہباز نے اُسے مکمل کیا ہو شہباز کی عمر اس کتاب کی تصنیف کے وقت چالیس برس

کی تھی - اس حساب سے اس کی پیدائش کا سال سنہ ۱۲۱۱ ھجری ھوتا ہے —

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ بھی فارسی زبان میں یہ قصہ متعدد بار لکھا گیا تھا۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے سید علی نے (جو ٹھٹھہ سندھ کے صاحب تقدس بزرگ تھے) ۱۰۵۳ھجری سے پہلے اس کہانی کا سندھی زبان سے فارسی نثر میں ترجمہ کیا —

اس کے بعد رضائی نام ایک شاعر نے زیبا و نگار کے نام سے ایک مثنوی اس موضوع پر لکھی - اس کا ماخذ سید علی کی مذکورہ بالا تصنیف منشور تھی - چونکہ سسوی اور پنوں کے اجنبی نام ایرانی کانوں کے لئے نامانوس تھے - اس لئے انھیں زیبا و نگار میں تبدیل کر دیا یہ کتاب سنہ ۱۰۵۳ ھجری میں لکھی گئی اور تاریخ تصنیف اس شعر سے ظاہر ہوتی ہے:

گل اندر باغ خواندم از حسابش
کہ ھم تاریخ باشد ھم خطابش

ان کے علاوہ میرے پاس ایک فارسی قلمی نسخہ موجود ہے جس کا نام آخر میں کاتب نے "قصہ سرگزشت سسی و پنوں" درج کیا ہے - مگر مصنف خاتمہ پر اس کا نام نگاریں نامۂ عشق" یا "گلستان رنگین" بتاتا ہے:

بحمد الله کہ نوک خامۂ عشق   رقم زد ایں نگاریں نامۂ عشق
در ایام مبارک ماہ رمضان   (کذا) بہار آورد ایں رنگیں گلستاں

مصنف نے اپنے اور اس قصہ کے متعلق اس مثنوی میں یہ حالات دیے ھیں —

اس کا نام الدرجیت تخلص 'منشی' ہے - پنجاب کے شہر نکودر میں وطن تھا - وطن سے لاھور میں آیا - اور یہاں کسی بزرگ کی خدمت میں انیس سال تک رھا - بزرگ کا نام نہیں دیتا - مگر شمع عالم (اور ایک دوسرے نسخے کے مطابق شہم عالم) کے لقب سے ملقب کرتا ہے - ان کی وفات کے

بعد کچھ عرصہ تک سید "شہامت" خاں کی خدمت میں رہا اور اس کتاب کی تصنیف کے وقت وہ نواب عبدالصمد خاں لاہوری کا منشی تھا۔ سنہ ۱۱۴۱ ہجری میں وہ نواب مذکور کی معیت میں ملتان گیا وہاں اس نے یہ داستان سنی۔ اور اسی وقت اسے منظوم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ یہ کتاب محمد شاہ بادشاہ کے دسویں سال جلوس میں ماہ رمضان میں ختم کی۔ وہ اشعار جن میں وہ ان واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے درج ذیل ہیں:—

مرا در عزت اندر جیت نام است　　مرا 'منشی' تخلص در کلام است
وطن کاہم بود در ملک پنجاب　　نکو در قصبۂ سر سبز و شاداب
مرا چوں از وطن قسمت جدا کرد　　بہ بزم شمع عالم آشنا کرد
بجان شاد و طبع فارغ البال　　نمودم خدمتش تا نوزدہ سال

چو شیخ از دار فانی رخت برداشت　　مرا میر شہامت خاں نگہ داشت

کنونم منشی عبدالصمد خاں　　خدا را حمد ہزاراں فضل و احسان

سن ہجری ہزار و یک صد و چہل　　کہ از لاہور بستم محمل دل
بملتاں آمدم ہمراہ نواب　　دل خورسند و طبع شاد و شاداب

درین بستان سرائے شاد و خرم　　کہ بودم یک زمانے فارغ از غم
شنیدم از لب آتش زبانے　　ز حسن و عشق رنگین داستانے

در ایام مبارک ماہ رمضان بہار آورہ این رنگین گلستان
سن عشر از جلوس ظل سبحان محمد شاہ غازی شاہ شاہان

صاحبِ مضمون تحریر فرماتے ہیں کہ "پنجاب میں اس قصے (سسی پنوں) کے باوا آدم حافظ برخوردار ہیں"۔ اور اس کی وجہ یہ دی ہے کہ "پنجابی میں سب سے پہلے حافظ رانجھا برخوردار نے سنہ ۱۰۷۹ ہجری میں اس قصہ کو کتاب کی صورت میں پیش کیا" —

اگر اس موضوع پر سب سے پہلے کتاب لکھنے کے لئے حافظ صاحب کو "باوا آدم" کا خطاب دیا گیا ہے۔ تو یقیناً وہ اس کے مستحق نہیں۔ کیوں کہ حافظ صاحب مذکور سے پہلے سند ر داس 'آرام' نے (جس کا ذکر ہیر کے سلسلہ میں پہلے آ چکا ہے) سنہ ۱۱۷۲ ہجری میں اس قصہ کو پنجابی زبان کے پانچ مختلف تحریروں میں لکھا تھا۔ خاتمہ پر 'آرام' کہتا ہے :—

خَتم ہویا ایہ عشق پاک جو آکھ سنایا
گل ختمی 'آرام' ایس قصے تے پایا
سمجھ کلام کر پنج بحر تاریخ ملائی
سسی پنوں وے جوش عشق پنج نِدو ہائی

مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قلمی نسخہ کپورتھلہ کی لائبریری میں موجود ہے اور پروفیسر محمد شفیع نے اورنٹیل کالج لاہور میگزین میں اسے شائع کیا ہے —

صاحبِ مضمون کو ہاشم کی سسی پنوں کی "تاریخ تصنیف کا پتہ نہیں ملتا" واقعی کتاب مذکور میں ہاشم نے اپنے زمانے کے متعلق

کچھ نہیں لکھا۔ مگر سید کرامت اللہ امرتسری کے رسالہ "چشمۂ حیات" میں جو منشی مولا بخش کشتہ کی ہیر کے پہلے اڈیشن کے ساتھ بطور دیباچہ شائع ہوا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ ہاشم رنجیت سنگھ کے معاصر تھے اور رنجیت سنگھ اکثر دفعہ ہاشم کو بلوا کر اُن کی زبانی سسی پنوں سنا کرتا تھا۔ واللہ اعلم —

حافظ برخوردار کے متعلق صاحبِ مضمون لکھتے ہیں کہ "اُن کا نام "رانجھا" تخلص برخوردار حافظ قرآن تھے۔ حافظ بھی تخلص کرتے تھے وطن مالوف ہزارہ ہے۔ جوان ہو کر وہاں سے نکلے۔ اور لاہور میں آکر تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ وغیرہ وغیرہ..."

تھوڑا عرصہ ہوا میں نے حافظ صاحب مذکور کی تصنیف کردہ بیس کتابوں کا مطالعہ کرکے اُن کے حالات زندگی انہی کی زبان سے مرتب کئے تھے۔ جو بصورت مضمون رسالہ پنجابی دربار لائل پور بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس مضمون کا خلاصہ درج کرتا ہوں:—

ان کا نام برخوردار تھا اور ذات کے "رانجھا جات" تھے۔ وطن مالوف موضع مسلمانی تاباجو تخت ہزارہ سے (جو ہیر کے عاشق رانجھا کا وطن ہے) مشرق کی طرف واقع تھا۔ پہلے حافظ صاحب نے تخت ہزارہ میں (جو اُس زمانہ میں بہت بارونق و آباد قصبہ تھا۔ اور اس میں بہت سے مدارس ومکاتب موجود تھے) تعلیم پائی۔ اور اس کے بعد موضع جہاں آباد میں تحصیل علم کرکے سیالکوٹ کے اہل علم وفضل کی صحبتوں سے فیض یاب ہوئے۔ ان کا ذکر بڑے مزے لے لے کر کرتے تھے۔ اپنے لاہور آنے کا ذکر نہیں کرتے۔ اپنی ایک کتاب میں اپنے ایک اُستاد کا نام عبدالحکیم لکھتے ہیں

ممکن ہے کہ یہ عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی ہو۔ آرز —

غالباً یہ بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ پنجابی ادبیات میں دو شاعروں کا نام ملتا ہے جو ہردو حافظ بھی تھے - شاعر بھی۔ اور ہمنام (برخوردار) بھی۔ اور غالباً معاصر بھی تھے اسکے علاوہ موضع چینڈی ضلع سیالکوٹ کے ایک اور شاعر " رانجھا " نام کا بھی ذکر آتا ہے - جو ذات کا مراسی اور بہت مقبول عام شاعر تھا —

تاریخ بلوچستان میں رائے بہادر ہتو رام نے بلوچی زبان میں اس قصہ کو نقل کیا ہے - اور ہر شعر کے نیچے اس کا تحت اللفظ اردو ترجمہ دیا ہے - رائے بہادر کا قول ہے - کہ " یہ قصہ بلوچستان کے شاعروں نے بلوچی زبان میں بطور نظم کے بنایا تھا۔ اور بڑے شوق سے لوگ اسے گاتے ہیں "

میں اس قصہ کا پلاٹ اپنی عبارت میں لکھتا ہوں - تاکہ اہل ذوق پنجابی اور سندھی پلاٹوں کے ساتھ ساتھ اس کا بھی مطالعہ کر سکیں :—

کیچ کے علاقے میں ایک جوان 'ننو' نام تھا - (اس کے باپ) عالی نے اس کا ناطہ کرنے کی تجویز کی - ننو نے اپنے باپ سے کہا کہ ساری کیچ میں میرے جوڑ کا کوئی آدمی نہیں - اور نہ ہی 'مکران' کے علاقے میں کوئی عورت میری ہمسر ہوسکتی ہے - اس پر ننو کے وکیل نے کہا - کہ مجھے سو سوار دو کہ میں غیر علاقوں میں جاکر اس کے لئے بیوی کی تلاش کروں -

چنانچہ وہ سو سوار لے کر اصفہان اور لاہور کے علاقوں میں پھرتا ہوا قندھار اور بعد ازاں سندھ کے باغستان میں بھی گیا - شہر بھنبور کے دروازے پر ڈیرے ڈال دیئے —

وہاں اس نے ایک خوبصورت اور حسین لڑکی سسوی نام دیکھی اور لوگوں سے اس کا پتہ و مقام پوچھا۔ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ ایک بے ماں باپ کی لڑکی ہے۔ ایک دفعہ ایک کھتری (دھوبی) کپڑے دھونے دریا پر گیا تھا۔ وہاں اُس نے ایک صندوق لہروں پر تیرتا ہوا پایا تھا۔ یہ لڑکی اس میں بند تھی اپنی انگلیاں چوس رہی تھی اور ان سے دودھ جاری تھا۔ کھتری اسے گھر لے آیا اور اپنی بیوی کے سپرد کردیا —

جب لڑکی جوان ہوئی۔ تو لوگوں نے اس کے رشتے کے واسطے کوشش کی۔ مگر کھتری نے کہیں بھی حامی نہیں بھری —

وکیل یہ سن کر دھوبی کے پاس گیا۔ اور کہا کہ میرا آقا پنوں کے نام سے مشہور ہے۔ اور تیری لڑکی کے لئے بہت موزوں بر ہے۔ کھتری مان گیا۔ اور وکیل یہ خوش خبری لے کر کیچ پہنچا۔ اور جاکر پنوں کو مژدہ سنایا۔ کہ میں نے ایک لڑکی شہر بھنبور میں دیکھی ہے۔ اس کا نام سسوی ہے۔ اور وہ بالکل تیرے نکاح کے لائق ہے۔

پنوں وکیل کو ساتھ لے کر سندھ کو روانہ ہوا۔ بغد و قم کے سو اونٹوں پر کپڑوں کے تھان اور سونا چاندی لادے۔ سو خدمت گار اور سو لونڈیاں۔ تین سو نیزہ دار سوار اور ایک ہزار عمدہ سپاہی ساتھ لے کر بلغستان سندھ میں پہنچا —

شہر کے باہر خیمے لگائے۔ اور رات کو مشک اور زمات آٹے میں گوندھ کر اونٹوں کو کھلادیا۔ صبح جب اونٹوں نے جگالی کی۔ تو سارا شہر دکان عطار بن گیا۔ لوگ دیکھنے آئے۔ سسوی نے بھی پنوں کو دیکھا۔ تیر عشق نے گھائل کردیا۔ اور سہیلیوں کو مخاطب کرکے کہنے لگی۔ کہ خواہ کچھ بھی ہو میں اسی جوان سے شادی کروں گی —

غرض وکیل دھوبی کے پاس گیا۔ اور نکاح کا پیغام دیا اس نے کہا کہ مجھے کوئی عذر نہیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم دولت مند ہو۔ مگر میری دو شرطیں

ماننی پڑینگی - اول یہ کہ ایک دفعہ سارے شہر کے کپڑے دھونے پڑینگے اور دوسرے یہ کہ اسی شہر میں رہنا پڑے گا - پنّو نے دونوں شرطیں منظور کرلیں سارے شہر کے کپڑے دھوے اور واپسی پر ہر کپڑے کے دامن میں سونے کی مہر باندھکر کپڑوں کے مالکوں کو واپس کر آیا —

اب شادی کے نقارے بجنے لگے - اور ایک مہینہ تک شادی کی دھوم دھام رہی اس کے بعد وکیل واپس چلا گیا - اور پنّو اپنی بیوی کے ساتھ وہیں رہا - ایک سال کے بعد پنّو کے باپ کی محبت نے جوش مارا - تو پنّو کی طلبی کے لئے خط لکھا جب اس کا کوئی اثر نہ ہوا - تو اپنے دوسرے بیٹے کیانی نام کے ساتھ اونٹ کے کجاووں میں سوار ہو کر عازم سندھ ہوا - وہاں پہنچ کر خیمہ لگایا - سسی اور پنّوں کو بلایا - اور اظہار خوشی ظاہر کرتے ہوے دونوں کو خوب شراب پلوائی جب وہ بے ہوش ہوگئے - تو پنّو کو سانڈنی پر لاد لیا - اور وہاں سے کیچ کی طرف کوچ کیا جب سسی ہوش میں آئی - اور اسے مکرانیوں کی دغا بازی کا علم ہوا - تو رات تو جوں توں کر کے گزاری - صبح سویرے ہی جوش محبت نے بے تاب کیا - اونٹوں کے نقش قدم پر برق رفتاری سے چل نکلی تین منزل طے کرنے کے بعد پاؤں میں چھالے پڑگئے - اور بھوک پیاس کی شدت سے ناتواں ہو کر گر پڑی - اتنے میں ایک گڈریا آنکلا - وہ سسی کی طرف لپکا - لیکن سسی نے کہا - کہ میری طرف نہ آؤ جاؤ کہیں سے دودھ کا ایک پیالہ لاؤ - میں بھوک و پیاس سے مری جاتی ہوں - گڈریا دوڑ کر اپنے گلے کی طرف گیا —

سسی کو اس کی نیت میں فتور محسوس ہوا - خدا کی درگاہ میں دعا کی - کہ خدایا مجھے اس لعین جانور کی دست درازی سے محفوظ رکھیو - دعا مقبول ہوگئی - زمین شق ہوگئی - اور سسی اسمیں سما گئی —

اُدھر جب پنوں ہوش میں آیا - تو دیکھا کہ ظالموں نے اُسے اپنی معشوقہ سے جدا کردیا ہے - سخت پیچ و تاب میں آکر اور ان دونوں کو چھوڑ کر سندھ کی طرف بھاگا —

عین اس وقت جب کہ گڈریا سسی کے غائب ہونے پر متعجب تھا - اور اس کے کپڑوں کے نشان پر زمین کو کھود رہا تھا - پنوں بھی آ پہنچا جب یہ حقیقت حال معلوم ہوئی - تو اُس نے بھی دعا کی - کہ اے میرے خدا ! میری جان تجھ پر قربان - مجھے اپنی معشوقہ سے جدا نہ کیجیو!"

زمین دوبارہ پھٹی اور سسی نے پنوں کو اپنے آغوش میں لے لیا - اور دونوں زمین میں غائب ہوگئے —

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را ...

اعتذار

من جانب محمد عمر نور الہی صاحبان

—— * ——

چند ماہ ہوئے ہمارا ایک مضمون بعنوان "سسی پنوں" شایع ہوا تھا ہمارا مقصد صرف پنجاب کی اس مقبول عام کہانی کو کتھا پیش کرنے سے تھا، باقی امور پر مفصل تذکرہ آگئے۔ ہم نے جو کچھ لکھا بعد تحقیق لکھا، لیکن ہم اس کے اکمل و مکمل ہونے کے مدعی نہیں۔ ہمیں پنجابی بولی سے ذرا بھی تو شغف نہیں اور اس لئے ہم اس قصہ کے سیاحوں سے کوئی گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں غلط ہو یا صحیح، ہم پنجابی کو علمی و ادبی زبان تسلیم نہیں کرتے اور پنجابی کی پرستاری ہماری نگاہ میں تضیع اوقات سے زیادہ منزلت نہیں رکھتی —

نور الہی و محمد عمر

تنقید پر اعتراض

(جناب محمد احتشام الدین صاحب ایم اے دہلوی)

جرائد اردو کی رفتار ترقی کو دیکھتے ہوئے ایک عمر ہوگئی لیکن افسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک ان میں تنقید سے مدعا عملاً و عمداً اعتراضات کی بوچھاڑ ہوتا ہے اور تحقیق سے مراد کسی کا نام لے کر چھوڑ! اپنا علم جتانا دوسرے کی محض نفی کرنا یا اگر مؤلف سے کچھ رابطہ دوستی ہے تو اس کی تعریفوں کے پل باندھ دینا۔ دشمنی ہے تو اس کو جھانسے پر چڑھا دینا! رسالۂ اردو کے جولائی نمبر میں حیات حافظ کی ایک تنقید نظر پڑی جسے تنقید کہنا زیبا نہیں اس میں کتاب مذکور کے صرف عیب چھانٹے گئے ہیں خوبیوں سے سروکار نہیں رکھا گیا ہے۔ اس تعریف سے بھی محروم رکھا گیا ہے جو حضرت خواجہ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق بہت سا متفرق مواد یکجا فراہم کردینے کی بنا پر مؤلف حیات کا واجب حق ہے۔ عیب اور صواب دونوں پائے جاتے ہوں تو صواب

کا اشارہ بھی تنقید میں ہونا چاہئے قلیل باشد خواہ کثیر۔ حیات حافظ اردو میں بلا مبالغہ پہلی کتاب ہے جس میں حضرت حافظ شیراز کے حالات و سوانح کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صاحب شعرالعجم کے نوشتہ سوانح حافظ سے بھی پیشتر شایع ہوئی تھی۔ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ترتیب میں بھی کچھ نہ کچھ مفید و مؤثر ہوئی ہو گی۔ یقیناً مؤثر ہونے میں تو کچھ شک بھی نہیں کیونکہ صاحب شعرالعجم حیات حافظ سے پہلو بچاتے ہوے گئے ہیں لیکن اس طرز سے بہت کچھ مواد دیدہ دانستہ ترک ہو گیا ہے شاید اسی وجہ سے کہ حیات حافظ میں پہلے آ چکا تھا مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ صاحب شعرالعجم نے اس سوال کو کہ حضرت حافظ پر میخواری کا الزام کہاں تک صحیح ہے" اٹھایا ہے مگر پھر منفصل چھوڑ دیا ہے۔ آئندہ بھی جو کتاب حضرت کے حالات میں لکھی جاے گی حیات حافظ سے متأثر ہوگی اور ممنون اگر نہ ہوگی تو اسی طرح تشنہ رہے گی جیسا کہ بعض احفاظ سے صاحب شعرالعجم کا مقالۂ حافظ اس بیچارہ کی سے کوئی چارہ نہیں' قاعدہ یونہی جاری ہے کہ الفضل للمتقدم!

قابل تنقید نگار کے ناظرین زیادہ تر ممنون ہوتے اگر واقعی بعض صحیح تاریخ کی غلطیاں حیات حافظ سے نکال کر دکھا دیتے اور یہ لب و لہجہ استعمال نہ فرماتے جو تنقید میں جا بجا سمع خراش ہے۔ غلطیاں جو نکال کر پیش کی گئی ہیں ان میں بہت کچھ غلط اور اختلاف کی گنجائش خود موجود ہے۔ عجیب تر یہ ہے کہ صحیح تاریخ کی فاش غلطیاں اس چند صفحے کی تنقید میں بھی موجود ہیں اور غلط فہمیاں بھی بآواز بلند بول رہی ہیں --

(۲) پہلا اعتراض یہ ہے کہ " حافظ صاحب کے نام و نسب کو صاحب شعرالعجم

نے عبدالنبی کے میخانے سے نقل کیا ہے مگر حوالہ دیدیا ہے - حیات حافظ میں مرزا فرحت شیرازی سے نقل کیا گیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا گیا ہے " یہ ایک معمولی اور غیر اہم فروگذاشت ہے - خواجہ حافظ کا نام ونسب مرزا فرحت کی تصنیف نہیں جس کا بلا حوالہ نقل کردینا مرزائے مذکور کے کسی خاص طبعزاد مضمون یا شعر کے سرقہ کے مرادف ہو سکے!

۳ - مولف پر ناقد کا دوسرا اعتراض پھر " ماخذ سے روگردانی " کا ہے جس کو وہ " ایک بڑی بھاری غلطی کہتے ہیں " مگر عبارت اعتراض کی ایسی ناصاف اور مبہم ہے کہ تمیز نہیں ہو سکتی کہ ماخذ کی عبارت کو بڑی بھاری غلطی کہا گیا ہے یا ماخذ سے روگردانی کو؟ بہرحال جب یہ اعتراف ہے کہ " مولف نے خطوط وحدانی میں کچھ عبارت لا کر اپنا قلم تاریخی غلطی سے بچا لیا " تو اعتراض ماخذ سے روگردانی کا ہی رہ گیا - ان کو معلوم ہو گا کہ ماخذ کا حوالہ نہ دینا کوئی غلطی نہیں بلکہ ایک فروگذاشت ہے اور معمولی ' بڑی بھاری غلطی تو کیونکر کہی جا سکتی ہے - تاریخ میں واقعات ہوتے ہیں طبعزاد کچھ نہیں ہوتا پھر ماخذ کا حوالہ نہ دینا کیا گناہ ہے؟ —

۴ - ایسی معمولی فروگذاشتوں پر اتنا بڑا ہاتھ مولف پر صاف کرنے کے بعد ناقد آگے لکھتے ہیں کہ :- " مولف نے جو خواجہ حافظ کی تاریخ پیدایش اور عمر کی نسبت قیاس دوڑایا اس کی اصلیت بھی پہلے دکھائی جا چکی ہے " ناقد نے مگر یہ تحریر نہیں کیا کہ یہ اصلیت کب' کہاں' کس تالیف ' تصنیف ' تقریر یا تحریر میں اور کیا دکھائی جا چکی ہے؟ یہ البتہ ایک

فروگذاشت ہے اور بعض ناظرین کے لئے ضرور باعث زحمت کہ وہ اس کو بے پتہ کہاں تلاش کریں گے ۔ الفاظ سے قطع نظر اعتراض کا لہجہ ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ خواجہ حافظ کی تاریخ پیدایش اور عمر کے متعلق مولف کا قیاس ناقد کے نزدیک اہلیت سے دور ہے لیکن اگر کسی مستند تذکرے وغیرہ میں خواجہ حافظ کی تاریخ پیدایش مل گئی ہے تو فبہا ورنہ قیاس دوڑانے کے سوا اور چارہ ہی کیا ہے ؟ ایک قیاس مولف نے دوڑایا ہوگا ' دوسرا قیاس ناقد نے ' تیسرا قیاس صاحب شعر العجم کا ہوگا ' ایک قیاس چنانچہ ہم بھی دوڑا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ مظفر کے عہد میں جب قریب دو سال شراب بند رہکر دوا بن گئی اور شجاع کے شروع دور میں پھر کھلی تو حافظ صاحب قبلہ کی عمر اس وقت چالیس سال تھی چنانچہ فرماتے ہیں —

چہل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت تدبیر ما بدست شراب دو سالہ بود

شجاع کے تخت نشین ہوتے ہی میخانے کھول گئے تھے اس کا سنہ آغاز جلوس ناقد نے اپنی عبارت ذیل میں سنہ ۷۶۰ ھجری لکھا ہے عبارت یہ ہے —

" آخر کار سنہ ۷۵۴ ھجری میں مظفر نے بواسحاق کو شیراز کے قریب شکست دی وہ بھاگ کر اصفہان پہنچ گیا وہاں چار پانچ سال تک مقابلہ پر تلا رہا آخر کار قید ہوا مظفر نے اس کو قتل کر ڈالا ۔ لیکن مظفر کا خون بہت برا حشر ہوا اس کے لڑکے شاہ شجاع نے اسے پکڑ کر سنہ ۷۶۰ ھجری میں اندھا کر دیا " —

دیوان حافظ میں مگر بواسحاق کے واقعۂ قتل پر دو قطعات تاریخ موجود ہیں اول قطعہ میں اس کی خواصان حرم کو گویا قائم بقا ۔ مخاطب کر کے حضرت مطلع فرماتے ہیں —

سنبل و سرو سمن یاسمن و سوسن و گل هست تاریخ وفات شه سنبل کاکل
خسرو روے زمیں شاہ زماں بو اسحاق کہ بہ مہ طلعت او نازد و خلدہ بر گل
جمعه و بست و یکم ماہ جمادی الاول در پسیں بود کہ پیوستہ شد از جزو بہ کل

آخری بیت کے آخری لفظ کل کے اعداد کا مجموعہ سنہ ۵۰ یعنی سنہ ۷۵۰ ھ برآمد ہوتا ہے۔ مکرر قطعۂ دوم میں فرماتے ہیں ؛

بروز کات و الف از جمادی الاول بہ سال ذال و دکر نون جامل الاطلاق
خدایگان سلاطین مشرق و مغرب خدیو کشور الطاف و کرم باستحقاق
سپہر حلم و ضیا آفتاب جاہ و جلال جمال دنیا و دیں شاہ شیخ بو اسحاق
گذاشت عرصۂ میدان خود بہ تیغ عدم نہاد بر دل احباب خویش داغ فراق

مصرعۂ ثانی بیت اول سے مکرر توثیق ہوتی ہے کہ سنہ ۷۵۰ھجری میں بو اسحاق شہید ہوا۔ بو اسحاق کے قتل کی اس قطعی اور مکرر شہادت سے ناقد کا یہ تمام علم و تحقیقات غلط در غلط ہوجاتی ہے کہ سنہ ۷۵۴ ھ میں بو اسحاق کو مظفر نے شکست دی وہ اصفہان چلاگیا وہاں وہیں مقابلہ پر تلا رہا اور چار پانچ سال تک زندہ اور ہاتھ پاؤں مارتا رہا! سنہ ۷۵۰ ھجری میں سر کٹ جانے کے بعد جسد بو اسحاق نے کچھ ہاتھ پاؤں ضرور مارے ہوں گے ناقد کی ما بقی عبارت کو باور کرنا محال ہے اور اس کا محل کہ :-

"میں ان کو الزام دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"

الغرض ان قطعات تاریخ سے قطعاً ثابت ہے کہ ناقد نے چار پانچ سال پیشتر جو واقعات گزر چکے تھے ان کو چار پانچ برس بعد قرار دیا ہے۔ شاہ جام کی تخت نشینی کا سال بھی چار پانچ برس بعد سنہ ۷۶۰ ھجری لکھا ہے جو چار پانچ برس پیشتر تسلیم ہونا چاہئے یعنی قریب سنہ ۷۵۵ ھجری کے شاہ جام کی تخت نشینی ہوئی اور شراب پھر کھلی تو حافظ صاحب نے یہ شعر موزوں فرمایا :-

چہل سال رنج و غصہ کشیدیم و عاقبت تدبیر ما بدست شراب دو سالہ بود

سنہ ۷۵۵ ہجری میں سے چالیس سال حضرت کی اس شعر میں خود فرمودہ عمر کے منہا کئے جائیں تو سنہ ۷۱۵ ہجری رہجاتے ہیں یہ ٹھیک وہ سنہ ہے جو مؤلف نے حیات حافظ میں حضرت کی پیدائش کا قیاس کیا ہے گویا ناقد کے علم و تحقیقات سے زیادہ قرین صحت ثابت ہوتا ہے!

۵ - کوئی الزام تنقید میں اٹھایا جائے تو اس کو آخر تک ثابت کرنا چاہئیے۔ برعکس اس کے وہ وہ فاش غلطیوں کا الزام لگاکر خود ہی ان غلطیوں میں مبتلا پایا جائے تو اس سے بدتر الزام نہیں ہوسکتا۔ ناقد نے مولف کو سطور ذیل میں کس قدر مطعون کیا ہے :

"امرا و سلاطین کا دربار' اس عنوان کے تحت مولانا (مؤلف حیات حافظ) نے وہ وہ فاش غلطیاں کی ہیں کہ الامان و الحفیظ یہ لگ (نجوم اور لوگ بھی الزام کی جھپیٹ میں آگئے ہیں !) الفاظ کو تو کہاں تک پہنچا دیتے ہیں لیکن جب تاریخ کا معاملہ آتا ہے تو محض پیدلی!"

یہ سخت لہجۂ اعتراض اور پیدلی جیسا کلمہ' ایک معزز اہل قلم کے لئے ادب تنقید کے قطعاً خلاف ہے تاہم جب اس دعوے کی تفصیل کرنے کا وقت آتا ہے تو وہ وہ فاش غلطیوں کی الفاظی جن کی نسبت کی گئی ہے وہ "ذیل کے بیان میں چند غلطیوں" کا لقب پاتی ہیں مزید تصریح اس کی جو فوراً کی گئی ہے اس سے بھی زیادہ بھس پھسی ہے یعنی ناقد فرماتے ہیں کہ :

"ذیل کے بیان میں چند غلطیاں ہیں خاندان اینجو کی تاریخ اس قدر صاف نہیں جس قدر کہ مولانا (مولف حیات) نے لکھدی ہے (گویا کہ صاف تر لکھنا بھی تعزیرات میں کوئی

دفعہ جرم ہے!) میں حتی الوسع بیان کرنے کی کوشش کرتا
ہوں (اُلجھاکر بیان کرتا ہوں؟)"

آخری جملہ غرض تنقید سے زیادہ، اپنا مبلغ علم و تحقیق جتانے پر بھی ناقد کو بے چین ثابت کر رہا ہے بہر حال اس اظہار عزم کے بعد جو شبدیز قلم کو جولانی دی گئی ہے تو کئی فرسخ تک تاریخ فارس کے ایک ناہموار میدان اور جھاڑ جھنکاڑ میں پر افشاں چلا گیا ہے اگر مؤلف حیات اس کو نقل کردیتے تو وہ حیات حافظ میں خاندان اینجو کی تاریخ ہوجاتی۔ مبہذا اس کو پڑھنے کے بعد بھی یہی ثابت رہا جو مؤلف نے مختصر مفید خس و خاشاک سے پاک کرکے صاف تر لکھدیا ہے اور حیات حافظ کی ضرورت کے لایق کالملح فی الطعام کافی ہے یعنی واقعی :

"حضرت حافظ کے ابتدائے عہد میں سلطان ابو سعید بغداد کا بادشاہ تھا اس کے وقت میں شیخ حسین ثانی پسر امیرالامرا چوپان شیراز کا والی تھا اہل شیراز اس سے عموماً ناراض بھی تھے سنہ ۷۳۶ ھجری میں فی التحقیقت سلطان ابو سعید نے لا ولد انتقال کیا اور جس کا جہاں بس چلا قابض ہوگیا۔ شیخ حسین سچ مچ جان کے خوف سے شیراز سے بھاگ گیا اور ابو اسحاق جو سابق والی شیراز محمد شاہ اینجو کا بیٹا تھا موقع پاکر بے شک شیراز اور اصفہان کا حکمران بن بیٹھا" - (حیات حافظ)

تنقید کے الفاظ یہ تھے کہ بڑی فاش غلطیاں اور نابھرے و کھوان رہ گئیں فاظیاں ہوں لوکن اس بیان کی صفائی کے ناقد بعدہ معترف ہو چکے ہیں لس مختصر کی عام صحت بیانی کی بھی ان کی معلول

سوید ہے ، لفاظی کا بھی اس میں نشان نہیں گو الفاظ یہ تھے کہ یہ لوگ لفاظی کو کہاں تک پہنچا دیتے ہیں " ہم حیران ہیں کہ لفاظی کہاں ہے ؟ شاید کچھ اور لوگ ذہن میں ہوں گے مگر ناقد آگئے سر دست مولف حیات حافظ ، لہذا وہی مخاطب کر دئے گئے !

اب رہیں " وہ وہ غلطیاں " تو ، کوہ کندن و موش برآوردن " صرف دو اختلاف روایت ہیں یعنی حیات حافظ کا ماخذ بیان ابن بطوطہ ہے جو انہی ایام میں (سنہ ۷۲۸ لغایت سنہ ۷۴۸) دوبار شیراز گیا اور اس کے ملکہ حفظ واقعات کو حیرت انگیز تسلیم کیا جاتا ہے وہ شیخ حسین کو میر چوپان کا بیٹا لکھتا ہے اور اس کا سلطان بوسعید کی حیات میں والی شیراز ہونا بیان کرتا ہے - لیکن ناقد اس ہمعصر کا اعتبار نہیں کرتے روضۃ الصفا کو سند لاتے ہیں اور شیخ حسین کو امیر چوپان کا پوتا اور بوسعید کے بعد از وفات والی شیراز مقرر ہونا باور کرتے ہیں ہمعصر کی روایت کو چھوڑنا خود ایک کمزوری ہے لہذا ناقد سند مزید کے لئے کبھی انسا ئیکلو پیڈیا اسلام میں چلے جاتے ہیں جس کا کوئی حصہ ترتیب حیات حافظ کے وقت شائع نہ ہوا تھا اور کبھی فرس نامۂ ناصری کا آئینہ دکھاتے ہیں جو ایک جدید تالیف ہے اور غیر معروف ہندوستان میں تو صرف نام ہے تاریخ کی کتاب بھی نہیں سمجھی جاسکتی فرس نامۂ رنگین کے قیاس پر گھوڑوں کے احوال میں کوئی تالیف سمجھی جا سکتی ہے اختلاف روایت کو بڑی بڑی اور فاش غلطیاں نہیں کہا جاسکتا مولف حیات حافظ پر ناقد کی بڑی زیادتی ہے کہ وہ اختلاف روایت پر اس قدر فضیحت فرماتے ہیں اور بطوطہ کی سند پیش ہوتی ہے تو خود بطوطہ ہی پر پلٹ پڑتے ہیں حالانکہ پوتا لکھدئے جانے سے بھی امیر شیخ حسین نہ امیر چوپان کی فرزندی سے خارج ہوتا ہے نہ ولایت شیراز سے قطعا محروم رہ جاتا ہے یعنی کچھ ہی تسلیم وثابت ہو غیر اہم

ہے اور حیات حافظ کے بیان کی عام صحت میں اس سے کچھ فرق نہیں آیا تا پس فاش غلطی کیا غلطی بلکہ غلط فہمی کا بھی اسپر اطلاق نہیں ہوسکتا - اگر غلطی ہو بھی تو جس بیان کے مؤلف حیات حافظ تنہا ذمہ دار نہیں بلکہ ایک مشہور مورخ ابن بطوطہ بھی ہے اسپر غریب مؤلف کی اسقدر ہجو کہ "محض پھسڈی" بھی لکھدیا اور الامان والحفیظ ! کے نعرے لگائےہیں مبالغہ اغراق اور غلو ہے -

ناقد کو فراموش نہ ہوا ہوگا کہ بو اسحاق کے قطعات قتل کی شہادت سے ان کو اپنے ادعا میں سنہ کی اتنی بڑی ٹھوکر ابھی لگ چکی ہے کہ اس کے اثر سے ان کے بیان کردہ متعدد واقعات میں سے ایک بھی واقعہ اپنی جگہ پر قائم نہیں رہا البتہ یہ کوئی بےضرر اور غیر اہم غلطی نہیں ہوسکتی بلکہ خطرناک غلطی ہے مثلاً اگر ہم ان کے غلط سنہ تاریخ (سنہ ۷۲۰ہجری) کا اعتبار اور خواجہ حافظ کی عمر کا استخراج اسکی بنیاد پر کرتے تو کبھی صحیح سنہ پیدائش کے قریب نہ پہنچ سکتے اور ناموران عالم میں سے ایک مشہور ومعروف ہستی کے تعین عمر و سال میں کتنی بڑی غلطی رونما ہوتی - اگر روضۃ الصفا اور فرس نامہ اور اسلامی ان سائیکلو پیڈیا میں بھی یہی سنہ ۷۶۰ھ شجاع کی تخت نشینی کا تحریر کیا ہے تو ان سندات کا اعتبار بھی معلوم ہوا لیکن اگر ناقد نے ان ماخذوں سے نہیں دیکھکر لکھا تو مولف حیات حافظ سے ہی ان ماخذوں میں تحقیق کے ترک کا مواخذہ نہیں ہو سکتا ناقد بھی ملزم ہیں بلکہ تنہا وہی ملزم ہیں کس واسطے کہ حیات حافظ کی تدوین کے وقت انسائیکلو پیڈیا تو وجود ہی میں نہ آئی تھی اور فرس نامۂ ناصری بھی جیسا کہ اشارہ گزر چکا ، فرس نامۂ رنگین - کے رنگ کی یعنی علاج معالجہ و اقسام فرس پرکوئی کتاب معلوم ہوتی ہے تاریخ کا اس پر ہندوستان میں کم گمان ہوسکتا ہے جدید تالیف ہونے کے علاوہ غیر معروف ہے اور پہلے یہاں نایاب بھی رہی ہو تو عجب نہیں -

۲ ۔ ناقد کو مؤلف سے بڑی شکایت ھے کہ انہوں نے مظفر کے شیراز پر آخری حملہ کے وقت بو اسحاق کو ، بےخبر ' لکھدیا ھے ناقد بو اسحاق کو بحوالہ حبیب السیر مطلع اور باخبر ظاہر کرتے ھیں حبیب السیر کی عبارت یہ ھے : ۔

" در اوایل سنہ اربع و خمسین و سبعمائۃ (سنہ ۷۵۴) همت بلند ار جملہ مہار زالدین مظفر را برآں داشت کہ کمند اندیشہ برکنگرہ تسخیر شیراز انداخت ۔ امیر شیخ بواسحاق بعد از تقدیم مشورت عمدۃ المتاخرین قاضی عضدالدین را برسم رسالت نزد امیر مظفر فرستاد الخ

حبیب السیر کی یہ عبارت البتہ اس لفاظی اور فاش غلطی کا نمونہ ھے جس سے ناقد نے الامان طلب کی آتی لیکن جب نظر پڑی تو کاٹے الکالیا اور سند بنا لیا ۔ اس کی لفاظی تو " همت بلند ار جملہ اور کمند اندیشہ بر کنگرۂ تسخیر انداخت " کے نوبت نقاروں سے آشکارا ہے اور فاش غلطی سنہ ۷۵۴ ھجری ھے جو عبارت عربی میں کاتب کی غلطی سے محفوظ کر کے لکھا گیا ھے ایکن مکرر واقعات تاریخ قتل بواسحاق کی شہادت سے ابھی ثابت ھو چکا ھے کہ سنہ ۷۵۴ ھجری کجا سنہ ۷۵۰ کے ختم سے پہلے ھی بو اسحاق کا کام تمام ھو چکا تھا ۔ صاحب حبیب السیر نے سنہ ۷۵۴ ھجری غلط اور تھوڑے غلط نہیں ' بہت غلط لکھے ھیں ۔ چار پانچ برس کا تفاوت ھے کیا انھی سطور کے اعتبار پر جن میں اس قدر غلط سنہ موجود ھے مظفر کے حملہ سے بواسحاق کو مطلع اور باخبر ثابت کیا جاسکتا ھے ۔ بر خلاف اس کے بواسحاق اس حملہ کے وقت واقعی بےخبر ثابت ھوتا ھے حافظ صاحب کے شعر ذیل سے جو بواسحاق کے مرثیہ کا مقطع ھے اور ھر دیوان

میں موجود ہے -

دیدی آں قہقہۂ کبک خراماں حافظ؟
کہ ز سر پنجۂ شاہیں قضا غافل بود!

اس شعر میں لامحالہ کبک خراماں بواسحاق ہے ' شاہیں قضا مظفر اور غافل بود مبتدا کی خبر ہے -

حافظ صاحب بو اسحاق کے ہمعصر ' ہمدم اور اپنے عہد کی زبان تھے اور ان میں یہ کوئی حیثیت صاحب حبیب السیر کو حاصل نہیں لہذا بموجود گی تصدیق حافظ صاحب حبیب السیر کی سند ہے جس میں غلطی کا ایک سخت خوطہ بھی موجود ہے اس روایت کی تکذیب نہیں ہو سکتی کہ مظفر کے حملہ کے وقت بواسحاق بے خبر تھا - یہاں تک کہ اگر مظفر خود زندہ ہو کر بھی تصدیق کرے کہ بو اسحاق کو کافی التی میٹم دینے کے بعد حملے اور ہوا تھا ' تب بھی باطل است انچہ مدعی گوید ' حبیب السیر کی عبارت خود کب اس گنجائش فہاس کو مانع ہے کہ حملہ اول اچانک ہوا بو اسحاق اس کے لئے آمادہ نہ تھا اسی لئے جریدے صلح ہوا ؟

غرض کہ مولف حیات حافظ جنہوں نے ابواسحاق کو بے خبر باور کیا تاریخ کے معاملہ میں پستھتی ثابت نہیں ہوے البتہ حبیب السیر کی روایت کا مضبوط محل آن پڑا جس کے نیچے ناقد بھی دبے ہوے نظر آرہے ہیں اور دیکھئے کیونکر نکلتے ہیں !

۷ - تنقید میں حیات حافظ کے اس بیان کو بھی بے بنیاد ظاہر کیا ہے کہ " حاجی قوام الدین حسن نے خواجہ حافظ رح کے لئے ایک مدرسہ قائم کر دیا تھا " مگر یہ تردید رسالہ اردو کے جنوری نمبر کا محض حوالہ دیدینے سے اس مضمون میں ثابت نہیں ہو جاتی اس کو ملاحظہ کئے بغیر

بھی حاجی قوام الدین حسن کے اس سلوک کی روایت کو بوجوہات چند قریب قریب باور کیا جاسکتا ہے :-

(۱) حاجی قوام کا انتہا درجہ غنی اور متمول ہونا لہذا ایک مدرسہ کی تعمیر پر قادر ہونا اس کے قطعہ تاریخ وفات موجودہ دیوان حافظ کے پہلے ہی شعر سے مسلم ہے " سرور اہل غنائم " کو تین دیواروں پر ایک سائبان ڈالدینا کیا مشکل تھا وہ قطعہ تاریخ کا شعر یہ ہے :-

سرور اہل غنایم " شمع جمع انجمن صاحب صاحبقران حاجی قوام الدین حسن

(۲) حاجی موصوف کا حد درجہ مخیر اور فیض رساں ہونا اسی دیوان میں حاجی موصوف کے ایک دوسرے قطعہ تاریخ وفات سے ثابت ہے

اعظم قوام دولت و دین انکہ بردرش از بہر خاک بوس نمودے فلک سجود
ناکس امید جود نہ دارد ز کس دگر امد حروف سال وفاتش امید جود

(۳) ان کا اپنے بعد بھی نام نیک یادگار چھوڑنا حضرت حافظ کے اس شعر سے مستنبط ہوتا ہے :-

دگر تویم چو حاجی قوام دریا دل که نام نیک ببرد از جہان بخشش و داد

(۴) حافظ صاحب کے حاجی صاحب سے گہرے تعلقات اور تقرب پر بھی ان کے یہ اشعار دال ہیں —

بز مگاہے دل نشین چون قصر فردوس برین گلشنے پیرامنش چون روضۂ دارالسلام
نکتہ دان نغز گو چون حافظ شیرین سخن بخشش آموز جہان افروز چون حاجی قوام

(۵) حافظ صاحب کے اشعار سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ کا کسی مدرسہ میں درس تدریس کا شغل رہا کرتا تھا —

بخواہ دفتر اشعار و رو بصحرا کن چہ وقت مدرسۂ و درس کشف و کشاف است

(۶) مکرر آپ کے کلام سے سند ملتی ہے کہ ایک مدت عمر آپ کے اوقات شریف مدرسہ کی قیل و قال میں بسر ہوتے رہے —

بر در مدرسہ تا چند نشینی حافظ خیز تا از در میخانہ کشادے طلبیم
طاق رواق مدرسۂ و قیل‌و قال فضل در راہ جام و ساقی مہر نہادہ ایم

(۷) حضرت کے جامع کلام مولانا گلاندام کے نوشتہ دیباچۂ دیوان کی عبارت ذیل سے بھی حضرت کا تا آخر حیات مشغول افادہ و استفادہ رہنا مستفاد ہوتا ہے :—

" ولے محافظت درس قرآن و ملازمت شغل سلطان و
تحشیۂ کشاف و مصباح و مطالعۂ مطالع و مفتاح و
تحصیل قوانین ادب و تجسس دواوین عرب از جمع
ابیات و غزلیاتش مانع آمدے "

جو شوق و ذوق اور کثرت اشتغال درس و مطالعہ ان الفاظ سے مترشح ہے وہ قریب قریب مستلزم ہے کہ کسی مکان مدرسہ کے قفل اور قبالے مستقل طور پر آپ کے پاس ہوں - آخر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حاجی قوام کے نعمت حافظ بھی غریق نعمت تھے —

دریاے اخضر فلک و کشتی ہلال هستند غرق نعمت‌حاجی قوام ما

پس اگر در ایقاً ظاہر ہو تو روایت کی اس سے تائید ہو جاتی ہے اور اس تمام مصالحہ سے جو یہاں جمع کر کے دکھایا گیا ہے وہ مدرسہ تعمیر ہو جاتا ہے جسکی حیات حافظ میں خبر دیگئی ہے تردید کی محنت مفت کی مزدوری ہو گی -

امیر مظفر کی سخت گیری ' بےرحمی ' ناحق کشی ' دشنام دہی تنقید میں تسلیم ہے اس کا نتیجہ اگر حیات حافظ میں عام بغاوت کا ہو جانا لکھ دیا گیا تو یہ کوئی بعید قیاس نہیں ' نہ اس قیاس میں کچھ غلطی ہے کہ شجاع نے اس بغاوت کی سرداری کر کے سلطنت کو آل مظفر کے قبضہ سے

نکل جانے سے بچا لیا" مولف کے یہ سب قیا سات انہی عبارات کے بین السطور میں پڑھے جا سکتے ہیں جو تنقید میں تردید کے طور پر پیش ہوئی ہیں لفظی معنی پر اکتفا کرنا اور معنی مستفادہ پر نظر نہ ڈالنا بھی اِسکے مترادف ہے کہ مفید مطلب روایت اخذ کرلی مخالف مدعا مضمون چھوڑ دیا جس کی تنقید میں حد درجہ مذمت کی گئی ہے - غور کیجئے تو مظفر کی بے رحمی، ناحق کشی، حد سے زیادہ ہیبت ناکی اسیر بد زبانی اور دشنام گوئی وہ بارود ہے جس نے عوام و خواص سب کے قلوب برگشتہ کرکے سخت گیر و تند مزاج بادشاہوں کو اس طرح اُڑا دیا ہے کہ —

به یک گردش چرخ نیلو فری نہ نادر به جا ماند نے نادری !

ایک شام کو نادر اپنے سرداروں کو نادر پکار سناتا ہے دوسری صبح سے پیشتر اس کا سر کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے ! بعینہ یہی واقعہ مظفر کو پیش آیا اس فرق کے ساتھ کہ نادر کا سر کاٹ لیا گیا تھا مظفر کی آنکھیں نکال لی گئیں - اگر مظفر کے آخر عہد میں رعایا کی عام بغاوت مرقوم و مسطور نہیں ہے اور شجاع کی ہی جاہ طلبی سوجھتی ہے تو دل میں خیال کرسکتے ہیں کہ شجاع کے پاس خود کوئی فوج و سامان نہ تھا باپ کی دی قوت و حشمت تھی - شجاع نے اس کی سازش سے ایسے قوی بازو باپ کو چشم زدن میں اسیر کرلیا یہ بغیر اس کے ممکن نہیں ہوسکتا کہ مظفر کی سختیوں اور گالیوں سے سب نالاں اور برگشتہ ہوچکے تھے - ذات شجاع نے صرف دیا سلائی کا کام دیا - اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو شجاع کو تاج و تخت کی وراثت سے محروم نہونے دینے کے لئے ایسے ہیبت ناک شخص کے مقابلہ میں کسی کا آمادہ ہونا محال تھا - شجاع اس بغاوت کے وقت پر قیلنج اور قید قفس میں تھا لوگوں نے ہی اس کو قید سے نکال کر اپنا سردار بنایا، تخت پر بٹھایا - اب یہ سمجھنے کی بات ہے کہ لوگ مظفر

کے علی الرغم شجاع کے ہمدرد تھے اس کی رہائی کی دعائیں مانگتے ہوں گے اور اس کی کامیابی پر باغ باغ بھی ہوگئے ہوں گے ۔ ازاں جملہ حافظ صاحب کو بھی تصور کرنا چاہئے جو بعض اشعار میں رہائی کے لئے دست بدعا معلوم ہوتے ہیں ، مثلاً دیوان میں ایک جگہ مسلسل اشعار رہائی کی تمنا میں پائے جاتے ہیں —

تا کے دو صبا بر تو گہار م دم ہمت — کز غنچہ چو گل خرم و خنداں بدر آئی
در تیرہ شب ہجر تو جانم بہ لب آمد — وقت است کہ ہمچوں مہ تاباں بدر آئی
جاں میدہم از حسرت آں لعل رواں بخش — باشد کہ چو خورشید درخشاں بدر آئی
شاید کہ بآبے فلکت دست بگیرد — گر تشنہ لب از چشمۂ حیواں بدر آئی
بر خاک در ت بستہ ام از دیدہ دو صد جوی — شاید کہ تو چوں سرو خراماں بدر آئی

حافظ مکن اندیشہ کہ آں یوسف مصری
باز آید و از کلبۂ احزاں بدر آئی !

پھر جب یہ یوسف مصری قید سے چھوٹ کر ماہ کنعاں بنتا ہے تو کس شادمانی کا قطعہ لکھتے ہیں —

ساقیا آمدن عید مبارک بادت — واں مواعید کہ کردی نرود از یادت
در شگفتم کہ دریں مدت ایام فراق — بر گرفتی * ز حریفاں دل ودیں میدادت
برساں بندگی دختر رز گو بدر آے — کہ دم ہمت ما کرد زبند آزادت
شادی مجلسیاں در قدم مقدم تست — جائے غم باد مرآں دل کہ نخواہد شادت
شکر ایزد کہ ازیں باد خزاں رخنہ نہ یافت — بوستاں سمن و سرو گل و شمشادت

---

* "برگرفتی ز حریفاں" و "دیں دادن حریفاں" ان الفاظ میں غالباً توجہ مظفر کے شجاع سے مل جانے اور مدد پر آمادہ ہوجانے پر حیرت کا اظہار ہے - یہ سب واقعات شیراز میں زمانہ ہی میں ظہور ہوا [illegible] شیراز شجاع کے قبضہ میں ہوا —

چشم بد دور کز ان تفرقہ خوش باز آورد طالع ناموَر و دولت مادر زادت

حافظ از دست مدہ صحبت آن کشتی نوح

ورنہ طوفان حوادث ببرد بنیادت

آخری شعر مقطع سے حافظ صاحب کا اس سازش و بغاوت میں شامل ہونا یعنی شجاع کی پارٹی میں ہونا ٹپک رہا ہے - طالع " مادر زاد " کے حوالہ سے شجاع کا باپ سے قطع تعلق بول رہا ہے - اور " چشم بد دور " سے مظفر کی آنکھوں کا بے نور ہو جانا جھلک رہا ہے - " بندگی دختر رز " اور " کو بدر آئے " سے شراب کے بند ہونے اور کھل جانے کی طرف لطیف کنایے ہیں - ان تمام قراین سے یہ غزل یا قطعہ جو کچھ کہا جاے اِس تمام واقعہ پر کسقدر چست اور درست بیٹھتا ہے کہ احتیاج بیان نہیں - اس کے بعد جب شجاع خاص شیراز میں آکر تخت نشین ہوتاہے تو ایک غزل موزوں ہوتی ہے جس کا یہ شعر مظفر کی برطرفی اور شجاع کی تخت نشینی پر کیسا عبرت ناک و مسرت آمیز سماں کھینچتا ہے —

چنگ در غلغلہ آمد کہ کجا شد منکر جام در قہقہہ آمد کہ کجا شد مناع!

اس سے ظاہر ہے کہ عوام و خواص شجاع کی کامیابی پر پھولے نہیں سماتے تھے ؟ مگر تنقید میں اس پر بھی اعتراض ہے - عجب ہے کہ لوگ ایک ظالم کے پنجۂ ظالم استبداد سے رہائی پائیں مگر ان کی رہائی پر شادمانی مستنبط نہ ہو سکے صرف اس لئے کہ حبیب السیر یا روضۃالصفا میں لفظاً اس کا مذکور نہیں ہے ؟

۹ - تنقید میں مولف کو ہر طرح مطعون کرنے کی سعی کی گئی ہے اس پر بھی یہ افروختگی ہے کہ شجاع کو " عالم و علم دوست بڑا دیندار

کیوں لکھ دیا مگر مولف نے ہرگز اس قدر شدومد سے نہیں لکھا جیسا کہ خود ناقد کی پیش کردہ سند حبیب‌السیر میں مرقوم ہے :—

" (شجاع) در امر معروف و نہی منکر و تقویت
ایمان و ارکان شریعت خیرالبشر صلعم مبالغہ بسیار
نمود و در تعمیر مساجد و مدارس و خوانق مساعی
جمیلہ مبذول داشت و ملازمت علماء کرام اختیار نمود ! "

مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر ۹۹ فی صدی علامات کفر ہوں اور صرف ایک علامت اسلام تو دیندار سمجھنا چاہئے جس کی علامات اسلام اتنی بمبالغہ بسیار ہوں جیسی کہ حبیب‌السیر میں لکھی ہیں اور خدمات دینی ایسی عظیم‌الشان ہوں تو بے شک بڑا دیندار کہا جاسکتا ہے - ناقد کی منطق پر آفریں ہے کہ مظفر کو ظالم ' بے رحم ' خونی ' ہیبتناک ' متعدد قتل خون ناحق کا مرتکب ' تند خو ' دشنام گو تسلیم کریں اور بڑا دیندار سمجھیں اور شجاع کو ایک بار شاہزادگی میں غنیم کو مار بھگانے کی شادمانی میں اور دوسری بار آخر عہد سلطنت میں بغداد و سلطانیہ تک فتح کرنے کی خوشی میں جشن فیروزی منانے کی وجہ سے اس لقب کا مستحق نہ سمجھیں - کہا ڈیڑھ چلو پانی میں ایمان بہہ گیا ؟

رندی آموز و کرم کن کہ نہ چندیں ہنر است
حیوانے کہ نہ نوشد مے و انساں نہ شود

شجاع کے ایام شاہزادگی اور آخر آوان سلطنت میں فتح کے بعد عیش و جشن منانے کی خبر حبیب‌السیر میں الفاظ ' درآں ایام ' کی قید سے مقید ہے یعنی ان ایام میں ایسا ہوا ' لیکن رواج و رونق دین کے کاموں میں مبالغہ بسیار بجا لانے ' مسلجد و مدارس اور خانقاہیں تعمیر کرنے

علماء کرام کی صحبت اختیار کرنے کی خبر کے ساتھہ بھی اگر کوئی الفاظ تعین زمان پر مشعر حبیب السیر میں موجود تھے تو ان کو بھی صاحب حبیب السیر کی عبارت میں ہونا چاہئے تھا - لیکن نظر نہیں آتے پھر کیونکر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ شجاع کسی خاص زمانہ میں چند روز کے لئے مصلحتاً دیندار اور خوش اطوار بن گیا تھا - رزم پر عیش و جشن منانا اس عہد کے بادشاہوں کا دستور تھا - حافظ صاحب کے اس مصرع میں کہ "هر کسے پنجروز نوبت اوست" پنجم روز نوبت سے یہی جشن مراد ہیں - جو بادشاہ غنیم پر غالب ہوتا یا فتح پاتا تھا ایسے جشن مناتا تھا - مظفر مُلّاے خشک تھا اور اس نے شاہزادوں کے اس طرح بعد فتح جشن منانے پر بھی گرفت کی اس لئے تاریخ میں یہ واقعہ ناقد کی انگشت نمائی کے لئے باقی رہگیا - شجاع سے جو حرکات ان ایام میں ظہور میں آئیں اس کا تاسف خود اس کو ہوا وہ بہرحال اس سے کم تر تھیں کہ ایک ملین سے زیادہ خلق خدا قتل ہوتی رہی لیکن امیر تیمور کو فتح کے بعد جشن پنجروزہ کے معمولی انہماک میں اس تہلکۂ عظیم کی خبر تک نہ ہونے پائی - تاہم امیر تیمور جیسے فاتح عالم اور جلیل القدر سالار اعظم کو تاریخ میں یہ لقب محض شرابی کا نہیں دیا گیا جو تنقید میں شجاع کے لئے تجویز فرمایا گیا ہے - امیر تیمور جو اقصاے شمال سائبیرا میں پہنچ کر اذان دلاے اور نام حق بلند کرے شرابی اور ہم گھر میں بیٹھے کاغذ پر قلم چلانے والے ایماندار مسلمان گویا کہ شراب پینا یا نہ پینا ہی ایک معیار کفر و اسلام ہے اور کچھہ نہیں - تنقید نگار تو ان صحابی کو بھی جو مینوشی کی قید کی ہتکڑیاں ایڑیاں توڑا کر جنگ قادسیہ میں مسلمانوں کو ڈگمگاتا دیکھہ کر کود پڑے اور لشکر اسلام کو شکست سے بچا لیا ' شرابی ہی کہیں گے

لیکن قدر شناس ادب داں ان کو اعاظم صحابہ ہی میں شمار کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے —

گر مسلمانی همیں است کہ حافظ دارد
واے گر از پس امروز بود فردا ے

۱۰ - شجاع کے حافظ قرآن، عالم علوم عقلی و نقلی ہونے سے ناقد منکر نہیں لیکن جب حافظ صاحب کا یہ شعر اس کی شان میں پیش ہوتا ہے کہ

مظہر لطف ازل روشنی چشم امل
جامع علم و عمل جان جہاں شاہ شجاع

تو قلم تنقید چراغ پا ہونے لگتا ہے، الفاظ گستاخ ہو جاتے ہیں فرماتے ہیں کہ :-

"حافظ قصیدہ خوانی میں ایسا ہی تھا جیسے کہ دوسرے شاعر"

دوسرے شاعر یہ ہیں :—

خاقانی، انوری، ظہیر، سلمان ساوجی، بدر چاچ، عرفی وغیرہ وغیرہ جن کے قصاید کے مجلدات ضخیم موجود ہیں - اگر پوچھا جاے کہ حافظ صاحب کو ایساہی قصیدہ خواں الخ تو دھڑ سے کہہ دیا آیا کوئی مجلد حضرت کے قصائد کا بھی نظر سے گذرا ہے ؟ تو بغلیں جھانکنے کے سوا چارہ نہ ہوگا صرف ایک قصیدہ کی بنیاد پر کہ وہ بھی معرض شک میں ہے اور معتبر نسخوں میں نہیں پایا جاتا، ایسا ہی قصیدہ گو الخ کہدینا شبدیز قلم کی منہ زوری کے سوا مہ کی اور کیا تعبیر کی جا سکتی ہے؟ مؤلف حیات حافظ سے رد و کد میں اس قدر اڑ جانا کہ حافظ شیراز سے بھی الجھہ پڑنا اعتدال سے حد درجہ انحراف ہے - حافظ علیہ الرحمہ کی تلمیحہ فراموش نہیں ہونی چاہئیے کہ ؛

با دُرد کشان هر که در افتاد بر افتاد

دولت کا دیوان کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے لیکن یہ اس کلام کی کرامت ہے کہ معترض کے اعتراض ایک سے زیادہ اس کلام کی روشنی میں پا در ہوا ہو کر رہ گئے!

ایک کیا ایک سے زیادہ بھی اگر قصائد ہوں تو وہ محض اس دلیل ناقص سے کہ "اگر خواجو اور سلمان کے دیوانوں میں نہ ہوں تو پھر حافظ صاحب ہی کے ہیں" واقعی حافظ صاحب کے ثابت نہیں ہوسکتے اس میں منطقی مغالطہ باقی رہے گا بھلا کیونکر ہمارے زمانہ کے اردو قصاید سب امیر کے نہیں تو داغ کے اور داغ کے نہیں تو امیر کے قرار دیے جاسکتے ہیں جب کہ معلوم ہے کہ ہزارہا شاعر اور بھی گزرے ہیں جو غیر مشہور رہ گئے؟ یہ تسلیم نہ کرنا کہ حافظ نے قصاید سے اپنا قدم کم سے کم آلودہ کیا بلکہ الٹا معترض کو دانستہ تنقید نہیں کچھ ملامت ہے:

عیب او جملہ بگفتی هنرش نیز بگو   ترک انصاف مکن بهر دل عامی چند

۱۱ - ناقد کا حافظ صاحب کو باوجود قصیدہ گوئی میں ان کا کم سے کم اشتغال تسلیم ہونے کے معناً ایسا ہی "بھاٹ کہنا" جیسے کہ "اور بھاٹ تھے" تنقید کی سخت بے اعتدالی ہے ایسا قلم قلمدان میں ہی رہے تو بہتر اور یہ تلوار نیام سے نہ نکلے تو خوشتر کہ دوست دشمن میں تمیز نہیں کرتی سب کو ایک لکڑی ہانکتی ہے —

قصاید کے بدلے دیوان میں کسی شعر کا مدح میں پایا جانا، حسن ظن ہو تو دلیل اس کی نہیں کہ حافظ صاحب بھی ایسے ہی قصیدہ گو تھے جیسے کہ عام خوشامدی تھے، بلکہ دلالت اس کی ہے کہ قصیدہ گوئی پر حالات وقت سے مجبور بھی ہوتے تو ایک آدھ شعر غزل میں ہی مدحیہ لکھ کر ٹال دیتے تھے مثلاً ایک

غزل کے یہ آخری شعر :

آں شاہ تند حملہ کہ خورشید شیر گیر پیشش بروز معرکہ کمتر غزالہ بود

دیدم کہ شعر دلکش حافظ بمدح او هر بیت ازاں سفینۂ ازصد رسالہ بود

پہلے شعر میں خورشید شیر گیر' مظفر ہے اور شجاع' شیر' جو آخر ایام میں مظفر کی دار و گیر میں تھا لیکن مقابلہ میں شیر کے مظفر کمتر از غزالہ ثابت ہوا اور ایک شکار زبوں کی طرح (شجاع) شیر کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا - آخری شعر میں قصیدہ کوئی ہے صاف معذرت مترشح ہے ورنہ یہ ہوتی کہ "پورا ایک ہی شعر لغایت مقصور ہو" ! اس طرح شارح نے ایک شعر پر لا اور پھر دیکھئے تو اس تکے شعر میں بھی : دادان تو جملہ در دہانند کے سوا اور کچھ نہیں کہا ایک امر واقعہ کا بیان خورشید شاہ و شیر غزالہ کے تلازمہ میں ہے - شجاع کے مظفر پر آخری حملۂ غالبانہ کو تند حملہ کہا تو کوئی خوشامد نہیں کی چونکہ صرف بیانہ کہہ دیا ہے - مظفر جیسے ہیبتناک کا چوکڑی بھول کر شکار زبوں کی طرح قابو میں آجانا اس میں جو کچھ بھی شجاع کی تعریف نکلتی ہو بے جا و خلاف واقعہ نہیں —

اس - حافظ صاحب کے مدحیہ کلام کا ایک بڑا وصف و کمال یہ ہے کہ باوجود اوج کیواں حسن شاعری پر ہونے کے جیسا کہ ابھی ثابت ہوا کہ مظفر و شجاع کے درمیان جو معرکہ گذرا اس کا بہترین الفاظ میں نقشہ کھنچا ہوا ہے کلام واقعہ سے اکثر کم و بیش نہ پایا جائے گا چنانچہ اس شعر کا بھی کہ —

مظہر لطف ازل وروشنی چشم امل جامع علم و عمل جان جہاں شاہ شجاع

ہر ایک جز و فرداً فرداً لفظاً اور معنے بھی ... صدق ... مطابق ...

اور شجاع کے حق میں ثابت ہے —

مظہر لطف ازل :—

یوں تو ہر ایک نفع رساں شے دائرے کہ آپ خوشیدنی بھی مظہر لطف ازل ہے ۔ شجاع کو مثلاً مظفر کے ظلم و استبداد سے ہی خلق اللہ کو نجات دلا نے کے واسطہ میں مظہر لطف ازل کہا جا سکتا ہے اور بھی بیشمار انعام الٰہی مخلوق پر شجاع کے واسطہ اور ذریعہ سے مبذول ہوتے ہونگے —

روشنی چشم امل :—

امید واروں کی آنکھ کی روشنی یا الفاظ دیگر امید واروں کی آنکھیں جس سے روشن ہوں یہ بھی کچھ مبالغہ نہیں بہ حیثیت بادشاہ وہ روشنی چشم امل سے بھی کچھ بڑھکر بلکہ قبلہ حاجات جہاں ہی تھا —

جامع علم و عمل :—

اس میں بھی شک نہیں عالم علوم ہونا اس کا تاریخ میں مسلم ہے علم پر کچھ عامل ہونا بھی اس عبارت حبیب السیر سے پایہ ثبوت کو پہنچا ہوا ہے جو یہاں نقل کر دیجاتی ہے —

در امر معروف و نہی منکر و تقویت ایمان و ارکان
شریعت خیر البشر صلعم مبالغہ بسیار نمود و در تعمیر
مساجد و مدارس و خوانق مساعی جمیلہ مبذول داشت و
ملازمت علمائے کرام اختیار نمود "۔

ناقد کہتے ہیں کہ حافظ صاحب نے شجاع کو جامع علم و عمل کہہ کر خوشامد کی ۔ واقعہ یہ ہے کہ جامع علم و عمل حافظ صاحب نے اس کو تعریفاً تو کہا تعریضاً البتہ کہا ہے وہ اس کو منہ نے رکھتے تھے نہ تو علم پر عمل

کرتا ہے حکمت * و شرع پر عمل نہیں کرتا ' چنانچہ ایک اور شعر میں بھی فرماتے ہیں —'

از رسوم شرع و حکمت با ہزاران اختلاف
نکتۂ ہرگز نہ شد فوت از دل دانائے تو

شجاع رسم شرع کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اصل شرع پر عامل ہوتا تھا مثلاً شرع یہ ہے کہ ان مقامات پر جہاں غیر مسلم آبادی ہو شہر سے باہر شراب کی کشید و فروخت کا کام روا رکھا جا سکتا ہے۔ مظفر نے اصل شرع سے تجاوز کر کے رسم شرع پر عمل کیا۔ شجاع نے اصل شرع پر رجوع کر کے کشید و فروخت شراب پر جو ممانعت مظفر نے کر دی تھی اٹھالی —

جان جہاں :—

جہاں ملک اور بادشاہ اس کی روح رواں عقلاً و نقلاً آج تک بھی تسلیم کیا جاتا ہے مطلب اس سے مرکز و مرجع و مدار ملک ہے اس میں کوئی مبالغہ ہے نہ خوشامد۔ حیرت یہ ہے کہ اس شعر میں نہ صرف یہ کلمات بلکہ شجاع کا نام بھی جو وارد ہوا ہے خلاف واقعہ اور مبالغہ نہیں شجاع بےشک ایک بہادر بادشاہ اور فاتح لاکلام تھا —

تنقیہ میں بہت زور شور سے اصرار کیا گیا ہے کہ اگر حافظ صاحب نے اس شعر میں شجاع کو چنیں چناں لکھدیا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ واقعی ایسا تھا۔ حافظ بھی ایسا ہی قصیدہ خواں تھا جیسے کہ دوسرے شاعر! حافظ صاحب کا شعر تو غور سے لفظاً و معناً دونوں طرح صحیح اور واقعہ

---

*نور حکمت سے مراد یہاں وہی ہے جو قرآن پاک میں ویعلمہم الکتاب والحکمۃ سے مراد لی گئی ہے یعنی ' علم دین " مراد سائنس یا علوم حکمیہ نہیں ہیں —

کے مطابق ثابت ہوا لیکن مدعی کے دعوے میں سوائے پھونک کے کیا نکلا ؟ نفحت نشیلی کے قریب ایام کی غزل میں اس کو جیسا وہ اس وقت تک تھا کھدیا کوئی خوشامد نہ تھی۔ اس سے وہ حرکات آخر عہد کی جن کی بنیاد پر تنقید میں اس کو محض شرابی خطاب دیدیا گیا ہے ظہور میں آنے میں ہنوز سالہا سال کا عرصہ درمیاں میں تھا تاہم یہ خیال نہ ہو کہ شجاع کو اس سے پہلے اچھا کہا تھا تو آخر عمر میں رنگ رلیاں منانے پر کچھ نہیں کہا – نہیں بلکہ حضرت خود شجاع کی بزم عیش نشاط میں گویا اس کی مستانہ حالت کا مجسم آئینہ بنکر غزل میں بولتے بنکار تے پہونچتے ہیں اور شراب خانہ کے ایک چھوکرے کی زبان سے اسے غیرت دلاتے ہیں —

دوش رفتم بہ در میکدہ خاک آلودہ | خرقہ تر دامن و سجادہ شراب آلودہ
آمد افسوس کناں مغبچۂ بادہ فروش | گفت بیدار شو اے رہر و خواب آلودہ
بہ ہوائے لب شیریں دہناں چند کنی | جوہر روح بہ یاقوت مذاب آلودہ
بہ طہارت گزر از منزل پیری و مکن | خلعت شیب بہ تشریف شباب آلودہ

شجاع کا جواب بھی موجود ہے کہتا ہے کہ فتح و فیروزی کے موقع پر تھوڑا سا عیش منالینا ایسا ہی ہے جیسے بہار میں دامن گل پر شبنم کے قطرے —

گفتم اے جان جہاں دفتر گل عیبے نیست | کہ شود وقت بہار از مے ناب آلودہ

شجاع کی اس منطق سے مگر مغبچہ قائل نہیں ہو تا جھڑک دیتا ہے اور اس کی جھڑکی کے مزے پر غزل ختم ہو جاتی ہے —

گفت حافظ برو و نکتہ بہ یاراں مفروش | آہ ازیں لطف با انوع عتاب آلودہ !

یہ تھا حضرت کا رنگین انداز نصیحت ! مے و مینا و جام کے ظروف

اور مطرب کے ساز و آواز کے پردوں کے ذریعہ وقت اور موقع کے مناسب حال نصیحت کانوں میں پہونچا کر حلق سے اُتار دیتے تھے - حضرت شیخ سعدی کی نصیحت ایک خشک لکڑی ہے جس کا حلق سے اترنا محال ہوتا ہے - حافظ صاحب کی غزل کو عین عیش میں ارباب نشاط کی آواز و ساز میں سننے کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اگر اس کا تصور کیا جائے کہ خود شیریں دہنوں کے ہی لب سے یہ نصیحت سنائی جارہی ہے اور مغبچۂ ساقی ہی ہے جو جام بھر بھر کر دے رہا ہے حیف و افسوس و تنبیہ کرائی جا رہی ہے تو حافظ صاحب کے طرز نصیحت کو گلستان بوستان کی کوئی عبارت نہیں پہونچتی - دونوں مکتب کے طاق پر رکھی رہجاتی ہیں مگر آپ کے نصیحت بھرے کلام کے حافظ خود ارباب نشاط ہوتے ہیں اور تا حد مقدور خوش الحانی کیساتھہ سناتے ہیں - رہا نصیحت ماننا یا نہ ماننا - "ایں سعادت بزور بازو نیست" حضرت شیخ کی گلستان بوستان پر بھی کون عمل کرتا ہے وہی جن کو اس کی ازل سے توفیق عنایت ہوئی ہے !

۱۳ - حبیب السیر کی قطعی شہادت کی موجودگی میں اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ شجاع نے بادشاہ ہو کر رونق دین کے کاموں میں انہماک و مبالغہ کیا اور علماء و صالحین کی صحبت اختیار کی - مگر تنقید میں اس کی وجہ علت نمایش اور تالیف قلوب کی ضرورت قرار دیگئی ہے - حبیب السیر میں یہ کہیں مرقوم نہیں - تنقید نگار کی ایجاد بندہ ہے - درایتاً اگر دیکھا جائے تو مظفر ملائے خشک کے انجام کا جو کچھہ تجربہ ہوا تھا اس کے بعد لوگوں کی تالیف قلوب اس میں نہ تھی کہ زہد و تقوے کا اظہار کیا جاتا بلکہ لہو و لعب میں کچھہ آزادی دینے میں البتہ متصور ہوسکتی ہے باوجود اس کے بھی اگر شجاع نے رونق دین متین کے کاموں میں مبالغہ

بسیار کیا اور صالحین کی صحبت اختیار کی تو یہ فعل اس کا خالص دل سے اور رو و ریا سے پاک متصور ہونا چاہئے ۔ تنقید میں لتیجۂ معکوس نکالا گیا ہے لہذا شجاع کے بارے میں اس افراط و تفریط میں ناقد خود بھی کچھ کم مبتلا نہیں جس کا ملزم وہ مولف حیات حافظ کو بار بار گردانتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ " مولف کو شجاع سے کچھ خاص محبت معلوم ہوتی ہے " ۔ مولف کی محبت و حمایت شجاع کی اب تک تو اس بحث و استدلال میں مبنی بر وجوہات و معقولات ہی ثابت ہوئی یہاں تک کہ یورپین مورخ کو جو جواب حیات حافظ میں بحمایت شجاع دیا گیا وہ بھی حبیب السیر کی خبر پر مبنی ہے اور کوئی تاویل شجاع کے کسی فعل کی نہیں کی گئی ہے ۔ البتہ تنقید میں شجاع سے کچھ خاص لاگ ہو سکتی ہے کہ جب اس دو رونق دین کے کاموں میں انہماک اور صحبت صالحین اختیار کرنے پر اچھا کہنے کا وقت آتا ہے تو اس کے ان افعال کو مبنی بر ریا و مکر و خود غرضی قرار دیا جاتا ہے جس کے ثبوت میں ناقد کی فراست کے سوا کوئی تاریخی عبارت نہیں پیش ہوتی اور قرینہ اس کے ان اعمال خیر کے مبنی بر ریا و مکر ہونے سے انکار کرتا ہے اور جب مظفر کی خشکی اور کٹرپن سے نالان قلوب کی تسکین کے لئے وہ شراب کی ممانعت کشید و فروخت اٹھا لیتا ہے تو پھر تو کیا کہنے ہیں خاص موقعہ ہی اس کو برا کہنے کا اور مطعون کرنیکا ہاتھ آجاتا ہے ! فرماتے ہیں کہ :—

" اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا شراب خانے کھلوا دینا حالانکہ اس کے باپ نے ان کو بند کر دیا تھا ، کوئی عیب کی بات ہے یا نہیں "

اگر غور کی فرمایش ہے تو غور دو طرح کا ہوسکتا ہے ۔ موٹا اور مہین ۔ موٹا غور تو کر لیا گیا اور شراب خانہ کھلوا دینے کو عیب قرار دیدیا گیا۔ مہین غور سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باپ نے شجاع کے میخانے بند نہیں کئے تھے بلکہ اپنی حکومت کی بیخ کنی کے لئے جہاں اور سختیاں اور ظلم کئے تھے ایک ظلم اور سختی یہ بھی کی اور اس انتہا پسندانہ عمل پر شریعت کا مزا اس نے اندھا ہو کر عمر بھر چکھا ۔ پانچ چھ صدی پہلے کا ذکر ہے اس وقت فارس میں آج سے بہت زیادہ تعداد مغان آتش پرست کی تھی جن کی بنائی ہوئی شراب خصوصاً شراب شیراز دور دور ملکوں ملکوں جاتی تھی مغوں کا خاص کاروبار روز گار اور تجارت شراب تھی ۔ مظفر کے اس سخت حکم اور یک لخت ممانعت سے ان کی تجارت برباد اور وہ تمام آبادی نادار اور ٹکڑوں کو محتاج ہونے لگی تھی ادھر جو لوگ عادی تھے وہ یکایک باز نہیں آسکتے تھے ۔ خانگی کشید کر کے پیتے تھے اور بیچتے تھے ۔ مقدمہ کیل بھی جاتا تھا ۔ ادھر مظفر کی شدت اور بے رحمی پر اعتبار کر کے بلامبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ سزائیں بھی شائستہ نہیں ملتی تھیں ۔ درے پڑتے ہونگے اور کھال کھینچی جاتی ہوگی ۔ یہ سب کچھ جس قدر حکم شرع کے مطابق تھا اس سے زیادہ شرع کے خلاف تھا غیر مسلم آبادی کو شراب کی کشید و فروخت کی شہر سے باہر شرع میں ممانعت نہیں ہے ۔ مظفر نے اس کو بالکل بر طرف کر دیا تو یہ اس کی عین جہالت اور تقشف تھا ۔ شجاع نے تخت نشین ہو کر صرف یہ کیا کہ مظفر کے احکام ممانعت سے پہلے جو عمل درآمد تھا اس کو بدستور کر دیا ۔ اگر ایسا نہ کرتا تو اس نئی سلطنت کی بنیاد بھی تشنہ رہتی اور اصل شرع کی بھی کوئی تعمیل اس میں نہ ہوتی ۔ اسی طرح دیگر امور میں بھی شجاع کا

عمل اصل شرع پر معلوم هوتا هے حافظ صاحب نے اس شعر میں اس کو الزام و تحسین دونوں نکلتی هیں

از رسوم شرع و حکمت با هزاران اختلاف — نکتهٔ هرگز نشد فوت از دل دانائے تو

یعنی شرع ظاهر سے سخت اختلافات کے باوجود بھی شجاع کا پائے ثبات ایمان قائم و برقرار رهتا هے شجاع کے متعلق اصل رائے جو حافظ صاحب نے ظاهر فرمائی۔ علم و علما سے شوق صحبت اور اجتهاد پر رغبت سے شجاع کسی قدر اکبر کے ٹائپ کا بادشاہ معلوم هوتا هے۔ اکبر چونکه خود عالم نه تھا ظاهر اسلام پر قدم ایمان برجا قایم نه رکھ سکا۔ شجاع چونکه خود علوم عقلی و نقلی پر حاوی تھا اجتهاد علم پر عمل میں وہ دائرۂ شرع سے متجاوز نه هو سکا۔

۱۴ - اس عهد کے لوگوں نے نه مطلق العنان بادشاه دیکھے نه ان کی حکومتوں میں کوئی زمانه بدحالی کا بسر کیا۔ ایک هوں پر جہاں کھوپڑی دی جاتی تھی بغداد و بخارا ته تیغ بے دریغ کردیے جاتے تھے دهلی قطب سے اجاڑ کر دولت آباد دکن میں لاکر آباد کردی جاتی تھی۔ هم نے قریب زمانه مرزا غالب کے نشو و نما پائی اور یه دیکھ کر که مرزا لال قلعه کے عضو معطل پنشن خوار کمپنی کی پچاس روپلی قلعه کی تنخواہ کے لئے

اے شہنشاہ آسمان اورنگ — اے جہاندار آفتاب آثار

کہه کر خوشامد کرتے هیں' قیاس کرلیا که ایسی هی بلکه اس کے زیاده خوشامد خدا نخواسته حضرت حافظ شیرازی بھی اپنے عهد کے فراعنه کی کیا کرتے هوں گے اور جس طرح مرزا نے بہادر شاہ کو یه مبالغه سے متجاوز دعا دی که :

تم سلامت رهو هزار برس — هر برس کے هوں دن پچاس هزار

حضرت خواجه حافظ نے بھی ایسی هی زٹل قافیه دعا قوام الدین علی کو اس کے نام کے قطعه میں دی هے یعنی :

هزار سال بقا بخشدت مدایح من — چنین متاع نفیس بچوں تو ارزانی

اول تو یہ قطعہ ہمارے زیر نظر اور معلوم دیوان کے نسخوں میں نہیں ملتا اور حافظ صاحب کے زمانہ سے نہایت قریب تر لکھے ہوئے قلمی بادشاہی نسخے (مکتوب سنہ ۸۱۸ ہجری) میں تو یہ قطعہ ہے اور نہ کوئی قصیدہ، تاہم یہ تسلیم کرکے بھی کہ یہ قطعہ خاص الخاص حافظ صاحب کا ہی ہے اس میں کوئی خوشامد قوام الدین علی کی نہیں ہے اگر کچھ نکلتی ہے تو اس مضمون میں کہ "میرے کلام کے طفیل و تصدق میں تیرا نام بھی ہزار برس تک قائم رہے گا" اس کی کچھ تحقیر ہی نکلتی ہے! حضرت کا اپنے کلام کے بقاء دوام کے متعلق احساس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کچھ بے بنیاد بھی نہیں ثابت ہوا ہے قریب چھ سو برس کے تو قوام الدین علی کا نام اس قطعہ کی (حضرت کے دیوان کے کسی نسخہ میں شمولیت کی) بدولت قائم رہ ہی چکا ہے چار سو برس جو ہزار برس میں باقی ہیں وہ بھی کوئی شک نہیں کہ پورے ہوکر رہیں گے! یہ ادعا چھ صدی تک تو عملاً بھی ثابت ہو ہی چکا ہے کہ کوئی مبالغہ نہ تھا —

علیٰ ہذا القیاس اس مصرع میں کہ:

دور شاہ شجاع است مے دلیر بنوش!

اور اس کے مابعد اشعار غزل میں حافظ صاحب نے جو کچھ شجاع کو کہہ دیا ہے ایک سخت دلیری اور جرأت بلکہ جان سے ہاتھ دھونے کا کام کیا ہے شجاع جاہل بھی اور نادان نہ تھا جو اپنی ہجو کو نہ سمجھتا جبکہ ناقد کو بھی باوجود بعد زمان و زبان اقرار ہے کہ حافظ صاحب نے ان اشعار میں شجاع کی رواداری شراب کا مذاق اڑایا ہے' اسکو جان بوجھ کر بھی تنقید میں یہ شایستہ الفاظ کہ "حافظ بھی قصیدہ خوانی میں ایسا ہی تھا جیسے کہ دوسرے شاعر!" یہ تنقید کرنا نہیں تنقید کی ٹانگ توڑ دینا ہے۔

شیر کے منہ میں ہاتھ دے دینے کے بعد اس غزل میں چند لفظ اگر ایک مطلق العنان کے غصہ کی روک تھام کے لئے واقعی درج ہوجاتے تو حافظ صاحب نے جو دلیری کی تھی اسمیں کوئی فرق نہیں آسکتا تھا مگر تنقید میں یہ سمجھا گیا ہے کہ اشعار مابعد میں شجاع کی محض خوشامد کی گئی ہے۔ اشعار یہ ہیں:

محل نور تجلی ست رائے انور شاہ چو قرب او طلبی درصفائے نیت کوش
بجز ثنائے جلالش مساز ورد ضمیر کہ هست گوش دلت محرم پیام سروش

رموز مصلحت خویش خسروان دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ناقد اگر ان اشعار کو شاہ کی محض خو شامد شاعرانہ سمجھے ھیں تو ضرور انھوں نے اول دو شعر کے معنی یہ کئے ھیں کہ ۔ بادشاہ کا دل روشن تر اور نور تجلی کا (محل نہیں بلکہ) مقام ھے بادشاہ کے تقرب کے لئے اس کی لایلتی کی زنجیر هلاتے رهنا چاهئے هر وقت بادشاہ بادشاہ جپتے رهنا چاهئے اس واسطے کہ بادشاہ کیا ایک نبی اللہ ھے جبریل اس کے کانوں میں هر دم ٹیلیفون پھونکتے رهتے هیں! لیکن

ز شعر دلکش حافظ کسے شود آگاہ کہ لطف طبع و سخن گفتن دری داند

ان شرایط سے متصف هونا عام طور پر ممکن نہیں لیکن غور مزید و مکرر میں حضرت حافظ کی اس شاهکار غزل میں گوناگوں معانی کی جھلک بے تکلف نظر آ جائے گی۔ حافظ صاحب نے وہ سلسلۂ نصیحت جو بادشاہ کو بحیثیت ایک رند مدبر کے اشعار ماقبل میں فرما رھے تھے ترک نہیں کیا ھے نصیحت کی شان ان اشعار پر پہونچکر شاہانہ اور درویشانہ هو جاتی ھے اور فرماتے هیں کہ :—

" مجلی دل (اے) بادشاہ محل نزول نور تجلی هو (سک) تا ھے اگر (خدا) کا قرب چاھے تو صفائے قلب میں سعی جاری رکھے سوائے اس کی ثنائے جلال کے دل کا وظیفہ کچھ نہ هونا چاهئے کیونکہ دل کے کان محل نزول الہام هیں مطلب یہ ھے کہ قلب صاف هو گا تو

تو انسان اپنے ارادوں میں ملہم من اللہ ہوتا رہے گا اور
اچھی ہی بات اس کے دل میں آئے گی—

یہ عظیم الشان اور مفید کل معنی ان اشعار کے چھوڑ کر جو انہی الفاظ سے پیدا ہیں، وہ محدود و مبتذل معنی شجاع جیسا نکتہ سنج بادشاہ تو لے نہ سکتا تھا، صاحب تنقید کو اختیار ہے —

رند بنکر جو غزل سنانی شروع کی تھی آخر میں درویش بنکر اس کو ختم کرتے ہیں —

"گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش! کجا درویش گوشہ نشین طالب حق کجا معاملات دنیا و رموز سلطنت"۔

امور دنیاوی میں مصروفیت شغل درویشی کو سخت مضر اور سلح ہے۔ ایک اور جگہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ :—

گفتگو آئین درویشی نبود　　ورنہ با تو ماجرا ہا داشتیم

الغرض حافظ صاحب خاموش ہوتے ہیں تو بادشاہ کو اچھی طرح سنا کر ڈانٹ کر، نصیحت کر کے خاموش ہوتے ہیں اور خاموشی کی نہایت درجہ معقول وجہ پیش کرتے ہیں یعنی زیادہ بحث و تکرار میں پڑنے سے گریز کسی جبن و بزدلی کی بنیاد پر نہیں ایک وجہ معقول پر اس کی بنیاد ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کتنا فرق ہے حافظ صاحب کی اس توجیہہ خاموشی میں کہ:- گدائے گوشہ نشینی الخ اور حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کی اس تعلیم خاموشی میں جس کو تنقید میں بڑے ناز سے پیش کیا گیا ہے کہ زیر دستاں را نشاید جز سخن گفتن چنیں! حق بات کہنے سے سعدی نہ صرف خود خاموش رہتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی منع کرتے ہیں لیکن اگر بادشاہوں کے پیشِ سست جو زیر دست ہی ہوتے ہیں سچی بات کہنے سے اس نصیحت کے بموجب پرہیز کریں تو احوال عالم کیا ہو؟ اس کے برعکس حافظ صاحب

کہ اے گوشہ نشین کے علاوہ کسی اور کو یہ تعلیم نہیں فرماتے اور آپ بھی خاموش ہوتے ہیں تو شجاع کو بھوک ستا کر خاموش ہوتے ہیں۔ حضرت شیخ نے ایک لفظ بھی بوبکر سعد زنگی اپنے مخدوم کو ہلاکو کی برات میں شاہ بالا بنکر بغداد جانے ' خلافت اسلام کو برباد کرنے ' مسلمانوں کا خون بہانے ' آل عباس (رض) کا نام و نشان مٹانے پر نہیں کہا - کہنے سے پیشتر ہی خاموشی پر کار بند ہوگئے اور دوسروں کو بھی اس عمل کا نمونہ خود بننے کے علاوہ صریح تعلیم بلکہ تاکید فرمائی ہے —

دو ایسے بزرگوں کو مقابلہ میں لانا مستحسن نہیں مگر تنقید میں اس ادب کا لحاظ نہ ہونے سے نا چار رفع غلط فہمی میں پڑنا پڑتا ہے تنقید میں اس رائے کا حافظ صاحب کی نسبت صاف اظہار کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ سعدی نے کبھی اتنی خوشامد نہیں کی کہ وہ کسی کو ہزار سال زندگی کی دعا دیں۔ ہزار سال تک جینے کی دعا کا مفصل جواب اوپر گزر چکا ہے کہ وہ دعا تو ہے ہی نہیں ادعا ہے اور ایک بات ہے وہ بھی مخاطب کی تحقیر کی ! معہذا مبالغہ ثابت نہیں ہوی —

۱۵ - اب حضرت شیخ سعدی کے ان اشعار کو بھی دیکھنا ہے جن کا مصرع : زیر دستان رانشاید جز سخن گفتن چنین " حافظ صاحب کے مصرع : گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش " سے ٹکرا کر پاش پاش ہوچکا ہے۔ شیخ کے اشعار یہ ہیں —

خسروا غوث زمان !! بوبکر سعد !!! آنکہ اخلاقش پسندیدہ است و اصافش گزین
مصلحت بود اختیار رائے روش بین او زیر دستاں را نشاید جز سخن گفتن چنیں

بغداد کی بیداد پر غوث زماں کہلے کے بعد آخری شعر میں اس ظالم

ظالم کے دست و بازو کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ دعائے فتح و نصرت و اقبال دیتے ہیں ،،

روزگارش با سعادت باد و سعدی مدام کو رایتش منصور بخدش یار و اقبالش قرین

ناقد کہتے ہیں کہ " ہمارا شیخ کبھی کسی بادشاہ کو صاف اور سچ بات سنا دینے سے نہیں ڈرتا تھا " ہم کم سے کم شیخ کے معتقد سے ہی نہ ڈریں سنادیں اور سعدی کے ہی راگ میں سرود دیں کہ

دست و بازوئے ہلاکو را ستودی سعدیا آفریں بر ہمت تو آفریں !! صد آفریں !!

تباہی بغداد کے جگرگداز مرثیہ کے آخر میں حضرت شیخ کے ان اشعار کی مثل ایسی ہے جیسے انیس کے کسی پر سوز و دلخراش مرثیہ کے آخرمیں یزید نہیں تو ابن‌زیاد (اس کے گرگہ) ہی کے تعریف کا ایک بند بڑھا دیا جائے - ممکن ہے کہ بربکر سعد کو ہلاکو کی زبردستی کی سیت کر بغداد لے گئی ہو لیکن اس مرثیہ میں حضرت شیخ کو کیا چیز اسے صاف سنانے سے روک رہی ہے - یہ نہیں تو اس زنگی کی تعریف کے اشعار سے اس نفیس مرثیہ اسلام کو داغ لگانے اور مسلمانوں کے زخموں کی نمک پاشی پر کون بات مجبور کر رہی ہے ؟ خوف جان ہے یا خوشامد ؟ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے بلکہ ہم تو ادب کی نگاہ سے تنقید نگار کے اس فقرہ کو بھی مان لیتے ہیں کہ

" حافظ اور سعدی میں زمین آسمان کا فرق ہے "

بے شک ! حافظ زمین اور سعدی آسمان ہیں - آسمان بھی کیسا جس میں چاند اور ستارے بھی نظر آرہے ہیں ! ملاحظہ ہو

اگر شہ روز راگوید شب است ایں بباید گفت اینک ماہ و پروین

(گلستان)

حافظ سکر تر کے سارے کہتے ہیں

ما آبروے فقر و قناعت نمی دہیم با بادشاہ بگوے کہ روزی مقدر است

القصہ کہاں تک اس بحث کو طویل کیا جا سکتا ہے اور دو بزرگوں کے مقابلے میں زیادہ طول دیا جاسکتا ہے۔ خاموش ہوجانا اور اقرار کرلینا بہتر ہے کہ حافظ شیراز اور حافظ (شاہ) شجاع اور حافظ اسلم سب " محض بدمستی " اور صرف تنقید نگار " میری " ہیں۔

اے چنگ فرو بردہ بخون دل حفاظ شرمت بگراز حرمت قرآن خدا نیست!

(حافظ)

تبصرے

تبصرے

ادب

اکبر الہ آبادی

(مولفۂ جناب طالب الہ آبادی - مطبع انوار احمدی الہ باد - صفات ۴۸۲
قیمت قسم اول مجلد سات روپے آٹھ آنے ، قسم دوم مجلد پانچ روپے)

زمانۂ حال میں اردو کے تین بڑے شاعر ہوے ہیں جنھوں نے غزل کی تنگنا سے نکل کر شاعری کے صحیح مفہوم کو سمجھا - تینوں کے کلام میں زمانے کا رنگ نظر آتا ہے - حالی کے کلام میں جو درد اور سوز و گداز ہے وہ کسی کو نصیب نہ ہوا - وہ مسلمانوں کی خانہ خرابی پر آنسو بہاتا ہے اور اس کے ساتھ اس بگڑے ہوے گھر کے بنانے کا شوق دلاتا ہے - اقبال کا کلام جوش اور غیرت سے بھرا ہوا ہے - وہ مسلمانوں کو عمل کی دعوت دیتا ہے اور مغربی تہذیب اور ہندی اثر سے بچنے اور انھیں اسلام پر قائم رہنے کی ہدایت کی ہے وہ چاہتا ہے کہ اسلام پھر سارے عالم پر چھا جاے اور دنیا کی خرابیوں کا علاج کرے - اکبر مغربی تہذیب سے سخت بیزار ہے اور جب وہ

مسلمانوں کو اس رنگ میں دیکھتا ہے تو اس سے نہیں رہا جاتا اور ظرافت میں بجھے ہوئے نشتر سے کام لیتا ہے - اس کے کلام کی بڑی خصوصیت ظرافت بلکہ طنز و تشنیع ہے اور ایسے وہ اس مزے سے کہہ جاتا ہے کہ جن کے خلاف ہے وہ بھی لطف لیتے ہیں —

اکبر کے حالات اور کلام پر متعدد مضامین اور رسالے شائع ہو چکے ہیں لیکن طالب صاحب نے جس تحقیق اور محنت اور تلاش سے اکبر کے حالات لکھے ہیں اور ان کے کلام کی خوبیوں کو دکھایا ہے وہ اب تک کسی نے نہیں کیا تھا - وہ اکبر کے سچے شیدائیوں میں سے ہیں اور اس کے ساتھ صحیح ذوق رکھتے ہیں ' تلاش اور جستجو سے گھبراتے نہیں اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اکبر کے جو حالات محنت اور تحقیق سے جمع کئے ہیں ان کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا ' اور اس سے زیادہ امید نہیں کہ کوئی دوسرا جمع کر سکے - حالات سے زیادہ ان کے کلام سے بحث کی ہے اور مختلف عنوانات کے تحت میں ان کے کلام کا بہترین انتخاب بڑے سلیقے سے اس طرح مرتب کر دیا ہے کہ جن کو اکبر کا ضخیم کلیات مطالعہ کرنے کی فرصت نہیں وہ اسے پڑھ کر بالکل بے نیاز ہو جاتے ہیں - کلام کے بعد ان کے بیشمار خطوں کے اقتباسات اس خوبی سے دئے ہیں کہ ان کی زندگی کے ظاہر و باطن کا سارا حال آشکارا ہو جاتا ہے - اکبر کے خطوں میں بہت کم وہ خوبیاں ہیں جو ان کے کلام میں ہیں —

اکبر مذہبی شخص ہیں مگر متعصب نہیں - وہ پرانی وضع کے سچے مسلمان ہیں وہ اس وضع پر قائم رہنا چاہتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسی وضع میں دیکھنا چاہتے ہیں - یہ وہ زمانہ تھا جب کہ نئے خیالات امڈے چلے آتے تھے اور پرانے خیالات کے پانوں اکھڑ رہے تھے کہ اکبر نے مشرقی تہذیب کی حمایت میں اپنی آواز بلند کی اور مغربی تہذیب کے شیدائیوں کی حماقتوں اور فضولیوں کی ہنسی اڑانی شروع کی - وہ علی گڈھ کی جدید تحریک پر زہر میں بجھی ہوئی چوٹیں کرتا ہے ' وہ بے پردگی پر طرح طرح کی پھبتیاں کہتا ہے اور نئی تحریکوں اور جدید خیالات کا خوب خاکہ اڑاتا ہے - وہ والتیر کا بالکل ضد ہے - اس کا خیال ہے کہ یورپ کی مادیت سے اسلام اور اسلامی تہذیب خطرے میں ہے اور ان کو مغربی

سائنس اور فلسفے سے بچانے کی کوشش کرتا ہے - "نئی روشنی کا سخت دشمن ہے اور اس کی طرح طرح تضحیک کرتا ہے مو وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے جدید خیال کے دیو کو پست کردیا ہے لیکن حقیقت میں وہ سائے سے لڑ رہا ہے اسے ایسے کوتہ اندیش ہندی جو اپنی ظاہری طرز معاشرت میں یورپینوں کی نقالی کرتے ہیں ایک آنکھ نہیں بھاتے - ان کے خلاف اس کا غصہ اور اس کی نکتہ چینی سچے دل سے ہوتی ہے —

اس کا طرز شستہ اور ظریفانہ ہے - لیکن اس کے اشعار ہمیشہ بے عیب نہیں ہونے اس لئے کہ وہ لفظوں کے الٹ پھیر اور قافیہ بندی سے بہت کچھ اثر پیدا کرنا چاہتا ہے - اکثر شعر محض قافیہ کے خاطر نے ہیں وہ شعر شعر نہیں رہے لطیفے ہوئے ہیں - اس میں بہت کچھ شبہ ہے کہ آیندہ نسلوں میں بھی وہ ایسا ہی مقبول ہوگا جیسا وہ اپنے زمانے میں تھا یا آج کل ہے- اس کا فیصلہ کرنا ابھی مشکل ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے شعرا میں تھا یا نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ اپنے رنگ میں بے نظیر ہے اور اس کی تقلید نہایت مشکل ہے —

مذہب پر اکبر کا بہت بڑا اعتقاد تھا وہ ایک باخدا اور صوفی منش آدمی تھے - لیکن ساتھ ہی وہ بہت بزدل اور ڈرپوک بھی تھے - اس اعتقاد پر یہ بزدلی بہت حیرت انگیز ہے —

زمانہ انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑتا اکبر جو مغربی تعلیم اور مغربی تہذیب کے سخت دشمن تھے اپنی اولاد کو اس سے نہ بچا سکے اور خود انہوں نے ان کو وہی تعلیم دلائی جس کی وہ عمر بھر مخالفت کرتے رہے —

طالب صاحب نے اکبر کی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جہاں کہیں ان کو کوئی سقم نظر آیا ہے تو اسے بھی بے تکلف ظاہر کر دیا ہے - اس سے قبل جن صاحبوں نے اکبر پر کچھ لکھا ہے ان پر کسی قدر سختی سے تنقید کی ہے خاص کر مولف تاریخ ادب اردو پر - واقعات کی تحقیق میں لغزش ہو ہی جاتی ہے اس پر اس قدر تشدد درست نہیں خصوصاً جب کہ لکھنے والے کی کوئی بد نیتی نہ ہو- اس کتاب میں طالب صاحب نے دو جگہ اس مشہور قطعہ کو جس کا دوسرا

مصرع " دکھلا کے سبز باغ عذاب و ثواب کا " ہے' سودا سے ملسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ قطعہ قاضی محمد صادق خاں اختر کا ہے اس قسم کی لغزشوں سے کوئی پاک نہیں اور اس لئے ایسی فروگزاشتوں پر سختی سے نکتہ چینی کرنا جائز نہیں —

ہم طالب صاحب کی محنت' تحقیق اور ذوق کی دل سے داد دیتے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ تمام اہل ذوق اس کتاب کی قدر کریں گے —

کلیات نظم حالی جلد اول

(مرتبہ محمد اسمعیل صاحب سکرتری اورنٹیل پبلک لائبریری پانی پت قیمت قسم اول دو روپے بارہ آنے قسم دوم ایک روپیہ بارہ آنے)

اس جلد میں صرف قطعات' غزلیات اور رباعیات ہیں - بہت سی نئی غزلیات اور رباعیات جو دیوان حالی میں نہیں ہیں اور اس کے طبع ہونے کے بعد لکھی گئی ہیں وہ بھی اس میں شریک کردی گئی ہیں - اس سے قبل شیخ محمد اسمعیل صاحب نے جواہرات حالی کے نام سے ایک مجموعہ طبع کیا جس میں بہت سی ایسی نظمیں ہیں جن کی خبر تک نہ تھی یا جو متفرق طور پر بعض رسالوں یا اخباروں وغیرہ میں وقتاً فوقتاً شایع ہوئی تھیں شیخ محمد اسمعیل صاحب نے یہ ایسا اچھا کام کیا ہے کہ بے اختیار ان کی تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے - ہمیں امید ہے کہ وہ کلیات حالی کے باقی حصے بھی جلد طبع کرنے کا انتظام کریں گے کیونکہ مولانا حالی مرحوم کا کلام اردو زبان کا سرمایہ افتخار ہے اور جوں جوں زمانہ بڑھتا جائیگا اس کی قدر بھی بڑھتی جائے گی —

کتاب بہت صاف اور اچھی چھپی ہے اور صحت کا خاص اہتمام کیا ہے —

یادگار نسیم

"مرتبہ مولوی اصغر حسین صاحب اصغر مطبوعہ انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد صفحات ۲۱۱ بڑی تقطیع لکھائی چھپائی اچھی کاغذ عمدہ قیمت درج نہیں"

مثنوی گلزار نسیم کسی تعارف کی محتاج نہیں - ایک ربع صدی قبل چکبست و شرر کے معرکہ نے اس کو غیر معمولی شہرت اور اہمیت بخشی ہے اس زمانے کے مشہور رسالوں مثلاً اردوے معلی، دلگداز، پیام یار، اتحاد اور اودھ پنچ وغیرہ میں اس پر خوب معرکہ آرائیاں ہوئیں اور عرصہ تک مشہور ادیب اس ادبی مہم میں شریک رہے اردو زبان کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس مثنوی کی طرح تنقیدی نزاع کا موجب رہی ہو —

جناب اصغر حسین صاحب نے طلبہ کے لئے اس کو مرتب کیا ہے اور آخر میں ۱۲ صفحوں پر نسیم کے دیوان کا انتخاب بھی دیا ہے - حاشیہ پر فرہنگ الفاظ اور تشریح بھی درج ہے جو طلبہ کے لئے مفید ہے اس طبع میں بعض ایسے اشعار حذف کردئے گئے ہیں جن کا طلبہ کی نظر سے گزرنا بزعم مرتب مناسب نہیں

فاضل مرتب نے شروع میں ۴۲ صفحوں کا ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں نسیم کے مختصر حالات، مثنوی کی سرسری تاریخ اور گلزار نسیم کی خصوصیات سے بحث کی ہے - گلزار نسیم اور سحرالبیان کے موازنہ کے الجھڑے میں پھنسنے کی بجائے فاضل مرتب نے مولانا حالی پر اعتراض کرتے ہوے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ دونوں کا موازنہ صحیح نہیں - اس میں شبہ نہیں دونوں مثنویوں کی روداد جدا ہے زمانہ اور ماحول جدا ہے تاہم بحیثیت صنف نظم کے دونوں کے موازنے میں بہر طور گنجائش ہے - اور یہاں سحرالبیان کو جو تفوق حاصل ہے وہ مسلم ہے، گلزار نسیم کو اس کے مقابلے میں لانا حقیقت میں غلطی ہے —

سحر البیان ایک حد تک تخلیقی مثنوی ہے اور گلزار نسیم ماخذ - گلزار نسیم کی روداد کی ترتیب مصنف کی ذاتی نہیں ہے نسیم نے نثر کے ایک قصہ کو نظم کا

جامہ پہنایا ہے جیسا کہ خود وہ لکھتے ہیں —

افسانہ گل بکاولی کا افسوں ہو بہار عاشقی کا
ہر چند سدا کہا اس کو اردو کی زبان میں سخن کو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں اس سے کو دو آتشہ کروں میں

مقدمہ میں مثنوی پرجو تبصرہ کیا گیا ہےوہ بالکل اسی انداز میں ہے - چند مخصوص عنوان ہیں، جن کے تحت عموماً اشعار نقل کردیے جاتے ہیں اور کبھی کبھی تشریح و توضیح بھی ہوتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ اعلی تنقید کا حق ادا نہیں ہوتا - فاضل مرتب نے نسیم کا " عام رتبۂ شاعری " کا جو عنوان قایم کیا ہے اس پر دو صفحے لکھے ہیں لیکن اس سے نسیم کی شاعری میں کوئی چیز متعین نہ ہوسکی —

فاضل مرتب نے بہت محنت سے اس کو مرتب دیا ہے ' طلبہ کے لئے یہ اڈیشن مفید ہے - شروع میں گل بکاؤلی کی ایک تصویر بھی ہے —

(ج)

تاریخ نثر اردو

مرتبہ جناب مولوی احسن صاحب مارہروی اردو لکچرار انٹر میڈیٹ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑہ تقطیع اوسط درجہ کی ' صفحات ۹۱۰ - لکھائی چھپائی اچھی قیمت پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک

اس کتاب میں سنہ ۱۰۸ ھ سے موجودہ زمانے تک کے اردو نثر کے نمونے نقل کئے گئے ہیں - اس کے کل چھہ باب ہیں - ہر باب سو سال کا ہےیہ التزام کسی خاص اصول پر مبنی نہیں بلکہ کتاب کی تبویب میں سہولت پیدا کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہے - خود مرتب نے صفحہ ۱۵۷ پر اس کی طرف اشارہ کیا ہے ہر دور کی ضمن میں متعدد نمونے درج ہیں اور ان پر تبصرہ بھی ہے - اس میں " مذہبی ' اخلاقی ' طبی ' سیاسی ' قانونی ' دفتری ' مکتوبی ' اخباری' تقریری' اشتہاری " ہر قسم کی نثر کے نمونے موجود ہیں جن کی تلاش میں ظاہر ہے کہ کیا کچھہ کھکھیڑ نہ اٹھانی پڑی ہوگی —

کتاب کا نام سننے سے خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ نثر اردو کی کوئی مستقل اور اصولی تاریخ ہوگی' لیکن خود فاضل مرتب نے سر ورق پر اس کی تشریح کردی

ہے کہ اس میں صرف نمونے ہیں - اس کا تاریخی نام نہایت موزوں ہے یعنی "نمونۂ منشورات" - اگر یہی نام ہوتا تو مناسب تھا ورنہ " تاریخ نثر اردو " سے شبہ ہوتا ہے -

شروع میں فاضل مرتب نے ۳۸ صفحوں کا ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں نثر اردو کے متعلق کسی قدر جامعیت سے بحث کی ہے - اس میں وہ تمام مسایل ہیں جو نثر اردو سے متعلق ہیں اور جن پر بہت سنجیدگی اور محنت سے تحقیقات کرنے کی ضرورت ہے —

فاضل مرتب کا خیال ہے کہ اس کے مطالعہ سے معمولی طالب علم بھی نثر اردو کی تدریجی ترقی کو بخوبی و بآسانی سمجھہ سکتا ہے - ہمارا خیال ہے کہ اس کی ترتیب کچھہ ایسی ہے کہ طالب علم کا طایر فہم اس جال سے بمشکل رہائی پا سکتا ہے —

اس کتاب سے نثر اردو کی تدریجی ترقی کا اندازہ ٹھیک طور سے نہیں ہوسکتا البتہ مختلف نمونے یکجا مل جاتے ہیں جن کا پڑھنا لطف سے خالی نہیں دفتری مراسلوں اور اشتہاروں سے جو عموماً معمولی نیم تعلیم یافتہ محرروں کے لکھے ہوے ہوتے ہیں نثر اردو کی ترقی کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا، ہر لکھی ہوی چیز ادب میں داخل نہیں ہوسکتی، اگر ایسا ہی ہے تو معمولی ناٹکوں کے اشتہار بھی اس میں جگہ پاسکتے ہیں - اس میں شبہ ہے کہ ان کی زبان خاص ہوتی ہے ' لیکن ان کا ادب میں شمار نہیں ہو سکتا —

فاضل مرتب نے بہت تلاش اور محنت سے کام لیا ہے اور بہت خاص انداز میں لکھا ہے جس میں کہنہ مشقی اور استادی کی خوبیاں موجود ہیں —

ج

ضحاک

(مترجمہ جناب اختر شیرانی - پنجاب
اردو اکاڈیمی لاہور - قیمت ایک روپیہ)

اختر شیرانی صاحب نے اس ڈرامے کو اردو کا جامہ پہنا یا ہے یہ نہ کُھلا کہ اصل

ڈرامہ کس زبان میں لکھا گیا ہے سرورق پر مترجمہ جناب اختر شیرانی صاحب " دیکھہ کر معاً خیال ہوا کہ غالباً مقدمہ میں اس کی تصریح کردی گئی ہوگی کہ اصل کس زبان میں ہے - مگر " سامی " صاحب کے ساڑھے تین صفحے کے مقدمہ میں سب کچھہ ہے سوائے اس کے جس کا ہونا از بس ضروری تھا - باوجود ۳۶ خطوط فاصل (Dash) کے جو ان ساڑھے تین صفحوں میں استعمال کئے گئے ہیں (اور خطوط فاصل عموماً توضیحی ہوا کرتے ہیں) اس کا پتہ نہیں چلتا کہ آخر کس زبان سے اس ڈراما کا ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کا اصلی مصنف کون ہے - طرز خطاب اور اسلوب بیان سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ غالباً " سامی " صاحب اختر شیرانی صاحب کا دوسرا تخلص ہے - بہر حال یہ سب باتیں عجیب طور پر الجھی ہوئی ہیں - اچھا ہوتا اگر اس مقدمہ میں تنقید سے زیادہ توضیح کی کوشش کی جاتی

اس ڈرامے میں ضحاک کا قصہ بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح اسنے جمشید کی حکومت پر قبضہ و تصرف حاصل کرنے کے بعد ایرانی قوم کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا - فردوسی نے شاہنامہ میں اس قصہ کو بیان کیا ہے مگر چونکہ اس کی اصلی غرض تاریخ نویسی نہ تھی بلکہ ایسے اساطیری کارناموں کو بیان کرنا تھا جو ایرانی قوم کے دلوں کو گرمائیں اور انھیں عمل اور حوصلہ کے لئے اکسائیں اس لئے تاریخی اعتبار سے ان افسانوں کو جانچنا سراسر غلط ہے اور مقدمہ میں جو یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ " تاریخ ہمارے ڈرامے کی تکذیب نہیں کر سکتی " غیر ضروری ہے - تاریخ اور ڈرامے کی حدود اور قدور الگ الگ ہیں —

ترجمہ اچھا خاصہ ہے مگر یہ سمجھہ میں نہ آیا کہ اس کتاب کو ترجمہ کے لئے کیوں چنا گیا - اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ ہم اپنی زبان میں ترجمہ کے لئے دوسری زبانوں کے صرف ان شہ پاروں کو لیں جن سے ہمارے علوم و ادب کو کسی قسم کے استفادے کی امید ہو —

(ی)

بہارستان عثمانی

(جناب مولوی محمد احمد خان صاحب برنر وکیل - اعظم اسٹیم پریس چار مینار حیدر آباد دکن)

برنر صاحب نے یہ نظم مسدس کے طرز میں اعلیٰحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ کی مدح میں لکھی ہے - یہ محض قصیدہ خوانی نہیں بلکہ اس عام ترقی اور رفاہ رعایا اور علم پروری کے حقیقی واقعات پر مبنی ہے جو ریاست حیدرآباد کو اس عہد ہمایوں میں حاصل ہوئی ہے -

---

متحشر کیا !

(مرزا محمد عسکری علی خاں صاحب
مجازی لکھنوی - ادب لکھنؤ - قیمت درج نہیں)

یہ مجازی صاحب کی چند نظموں کا مختصر سا مجموعہ ہے - اس میں شاعر نے اہم افکار حکیمانہ کو نظم کی صورت میں ظاہر کیا ہے اور جو دل میں ہے وہ لفظوں میں ادا کردیا ہے - ان دو تین اشعار سے ان کا رنگ معلوم ہو جائے گا :-

گر تجھکو میں چاہوں اے دنیا تو تیرے سرے سب جھوٹے ہوں
گر تجھکو میں چھوڑوں اے دنیا تو چھوڑ کے تجھہ کو جاؤں کدھر

ہستی وہ کیا نہ جو ہو دور عدم میں محدود　　ایسی ہستی سے تو سو بار فنا بہتر ہے
یاالٰہی تو مجھے پھر یہ گرفتار نہ کر　　مجھکو جنت میں بھی رہنے سے فنا بہتر ہے

رود جہلم

(قاضی محمد رمضان صاحب تبسم اورنٹیل ٹیچر ہائی اسکول
وزیر آباد پنجاب - چھوٹی تقطیع دارالعلم وزیر آباد - قیمت دیڑہ آنہ)

دریائے جہلم کی طغیانی سے جو تباہی اور بربادی نازل ہوئی تھی اس کا شکوہ اور رونا ہے - یہ نظم تبسم صاحب نے نو یرنل ایجوکیشنل کانفرنس قسمت راولپنڈی کے اجلاس میں پڑھی تھی - انہیں کی چند نظموں کا مجموعہ " حیات تبسم " کے نام سے بھی شائع ہوا ہے یہی تقطیع اور یہی قیمت ہے نظمیں حمد و نعت میں ہیں -

چینی اور جاپانی افسانے

(مرتبہ عبدالقادر صاحب سروری، معاونین محمد نذیرالدین و میر خواجہ معین الدین صاحبان چھوٹی تقطیع صفحات ۷۱ - لکھائی چھپائی معمولی قیمت ۹ آنے ملنے کا پتہ مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن)

عبدالقادر صاحب سروری کی کتابوں پر اس سے قبل تبصرے کئے جا چکے ہیں وہ افسانوی ادب کے متعلق بڑی محنت سے کام کر رہے ہیں اور دنیا کے مشہور افسانوں کا اردو میں ترجمہ کر رہے ہیں - اس کتاب میں تین چینی اور تین جاپانی افسانوں کا ترجمہ ہے ترجمے انگریزی ترجموں کی مدد سے کئے گئے ہیں - یہی وجہ ہے کہ ترجمہ در ترجمہ میں زبان اور بیان کی خوبی برقرار نہیں رہ سکی - ترجمے بھی کافی احتیاط اور محنت سے نہیں کئے گئے - اسلوب بیان اکھڑا اکھڑا سا ہے، جو افسانوں میں خصوصاً بہت معیوب ہے ---

(ع)

تعلیمی کتابیں

اردو کی پہلی، دوسری، تیسری کتاب

(زنانہ مدارس کے لئے - مرتبہ جناب محمد نصیر ہمایوں صاحب بی - اے، پنجاب پرنٹنگ ورکس بک ڈپو انار کلی - لاہور)

یہ تین کتابیں لڑکیوں کے لئے جناب محمد نصیر ہمایوں صاحب نے مرتب کی ہیں - بہت اچھی چھپی ہیں اور ترتیب بھی اچھی ہے - عبارت بھی ہر جماعت کی استعداد کے مطابق ہے - ہر کتاب میں دو چار سبق ایسے بھی ہیں جو خاص لڑکیوں کے لئے موزوں ہیں ورنہ یوں لڑکوں لڑکیوں کی کتابوں میں کوئی فرق

نہیں اور ہو بھی کیا سکتا ہے - محمد نصیر ہمایوں صاحب جو اردو میں تعلیمی اور ادبی کتابوں کے شائع کرنے میں خاص طور پر لگاتار کوشش کر رہے ہیں، ہمارے شکریے کے مستحق ہیں —

رہنماے اردو

(مولفہ جناب محمد لطیف الله صاحب خستہ - دو جلدیں بڑی تقطیع، صفحات جلد اول ۲۲۳ - جلد دوم ۲۳۰ - قیمت درج نہیں - ملنے کا پتہ قریشی هاؤس مقامہ -)

یہ نظم و نثر کا انتخاب ہے - لایق مولف نے اس کو طلبۂ بہار و بنگال کے لئے مرتب کیا ہے - ہر جلد میں دو حصے ہیں ایک نثر کا اور ایک نظم کا - نثر کے حصے میں مضامین زیادہ تر خالص ادبی ہیں - اگر اس انتخاب میں مختلف موضوعوں پر مضامین ہوتے اور مختلف علوم و فنون کے ابتدائی اور ضروری مسائل پر سلیس اور پاکیزہ عبارت میں مضامین لکھے جاتے تو مناسب تھا اس سے ایک طرف تو طلبہ کے معلومات میں اضافہ ہو جاتا اور وہ مختلف موضوعوں پر لکھنے کا ڈھنگ معلوم کرتے - موضوع کے ساتھ زبان اور بیان بدل جاتے ہیں، ہر موضوع کے لئے ایک خاص اسلوب بیان اور زبان کی ضرورت ہے، اگر طلبہ کو خالص ادبی مضامین پڑھائے جائیں تو ان کو لکھنے اور اظہار خیال کے ادا کرنے کا ڈھب نہیں آسکتا - نظم کے حصے میں مختلف موضوعوں پر نظمیں بھی ہیں اور غزلیں بھی - بعض نظمیں اچھی ہیں باقی بھرتی کی - حصۂ نظم میں اردو نظموں اور غزلوں کے ساتھ لایق مرتب نے نہ معلوم کس دو میں زیب النسا مخفی کی شاعری کا موازنہ کرنے کے لئے فارسی اشعار بھی نقل کردیے ہیں - آخیر میں ۳۲ صفحوں پر شعراے 'بہار' کی نظمیں درج ہیں —

معلوم ہوتا ہے لایق مولف کو اس کام میں بہت محنت اٹھانی پڑی، انہوں نے نہ صرف ادیبوں اور انشا پردازوں کے مضامین جمع کئے ہیں بلکہ خود بھی مضامین لکھے ہیں جن کی تعداد نصف کے قریب ہے - اگر لایق مولف ذرا تلاش سے کام لیتے تو ان کو مختلف موضوعوں پر بہترین مضامین مل جاتے، اور یہ انتخاب میں

طلوع اور تاریکی بڑی حد تک دور ہوجاتی اور مولف بڑی خامہ فرسائی کی زحمت سے بچ جاتے ۔ بصورت موجودہ یہ انتخاب ۳۰ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے جس میں اصلاح کی ضرورت نظر آتی ہے ۔۔

ہماری دلی تمنا ہے کہ اس انتخاب سے لائق مولف کا وہ مقصد پورا ہو جائے جس کا اظہار انہوں نے سرورق پر کیا ہے ۔۔

" ہندوستانی طلبہ کی دماغی ، اخلاقی ، معاشرتی ، تاریخی ، علمی اور ادبی ترقی اور مفید معلومات و انکشافات اور ان کے چال چلن ، بری عادتوں کی اصلاح کے لئے لکھی گئی ۔ "

(ج)

جغرافیہ ریاضی و طبعی

مولفہ سید انوار حسین صاحب بی - اے ، چھوٹی تقطیع ، صفحات ۹۲ قیمت درج نہیں - ملنے کا پتہ :- مکتبہ ابراہیمیہ حیدر آباد دکن

مولف نے میٹرک کے طلبہ کی امداد کے لئے اس کو مرتب کیا ہے - اس میں جغرافیہ کی دو مشکل اور اہم قسموں ریاضی و طبعی سے بحث کی گئی ہے ، اور تمام مضامین مختصر طور سے سمجھائے گئے ہیں - مضمون کی اہمیت پر نظر کرتے ہوئے یہ کتاب بہت مختصر ہے اور اکثر مسائل تشنہ اور غیر واضح ہیں - اصطلاحات کی بھر مار ہے اور وضاحت کی کمی - یہ ان طلبہ کے لئے مفید ہے جو محض امتحان کامیاب کرنا چاہتے ہیں ۔۔

(ج)

جبر و مقابلہ

مرتبہ سید انوار حسین صاحب بی - اے چھوٹی تقطیع صفحات ۱۰۸ قیمت درج نہیں ملنے کا پتہ - مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن -

یہ چھٹی اور ساتویں جماعتوں کے طلبہ کے لئے مرتب کیا گیا ہے - اس میں

مساوات مفرد تک کے مسایل هیں - هر قاعدے کی حل شدہ مشقیں بھی هیں اور عبارتی سوالات بھی - امتحانی نقطۂ نظر سے یہ کتاب بہت مفید ہے - لکھائی چھپائی اچھی نہیں اور غلطیاں بھی بہت هیں - جو کتابیں طلبہ کے لئے لکھی جائیں ان میں صحت کا بطور خاص احتیاط رکھا جانا چاهئے اور خصوصاً ریاضی و حساب کی کتابیں ورنہ ایک ہندسے کی غلطی سے غریب طالب علم پریشان هو جاتا ہے اور گھنٹوں غلط سوال کے حل کرنے میں سرگرداں رهتا ہے —

(ع)

بچیوں کا قاعدہ

مولفہ مولوی سید مختار احمد صاحب ، مولوی ذهین صاحب
چھوٹی تقطیع صفحات ۲۲ - ملنے کا پتہ مکتبہ ابراهیمیہ -

چھوٹی لڑکیوں کو حروف تہجی سے روشناس کرانے اور اعراب کے استعمال سے واقف کرانے کے لئے یہ قاعدہ مفید ہے - کوئی خاص بات اس میں نہیں —

(ع)

مکمل هندسہ عملی

مرتبہ محمد ظہیر الدین صاحب بی - اے چھوٹی تقطیع صفحات
۱۶۰ - قیمت ایک روپیہ چار آنے ملنے کا پتہ مکتبہ ابراهیمیہ حیدرآباد دکن

سرکار عالی کے مدارس کی جماعت میٹرک کے لئے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے مرتب نے کافی محنت سے کام لیا ہے اور طلبہ کو امتحان کی تیاری میں سہولت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے —

(ع)

مذہب

نبوت کا ظہور ، اُم المعروف نبیٔ کامل

(مولانا خواجہ کمال الدین صاحب مسلم بک
سوسائٹی عزیز منزل برانڈرتھ روڈ لاہور)

خواجہ صاحب نے یہ کتاب نواب بیگم صاحبہ مرحومہ والیۂ ریاست بھوپال کی یادگار میں تالیف فرمائی ہے - جس پر ۳۲ صفحے کا مقدمہ لارڈ ہیڈلے نے تحریر کیا ہے - خواجہ صاحب اس فن کے استاد ہیں اور انھوں نے ایک عمر اس میں صرف کی ہے - مناظرے اور چھیڑ چھاڑ کا رنگ اس کتاب میں بھی پایا جاتا ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے - ان امور میں خواجہ صاحب کی نظر بہت وسیع ہے اور جو کچھ لکھتے ہیں اس میں زمانہ کے رنگ کے لحاظ سے بہت سی کام کی باتیں آجاتی ہیں - شروع میں بہت دلچسپ دیباچہ ہے - اس کے بعد پہلے باب میں مولود مبارک دوسرے میں ظہور اللہ بسمل سوم تیسرے میں آنحضرت سے پہلے دنیا کی حالت چوتھے میں بعثت نبی پانچویں میں شخصیت کامل چھٹے میں مکمل سیرت ساتویں میں حصول منتہائے کامیابی آٹھویں میں بہترین معلم دین نویں میں عقائد مذہبی کا اعلیٰ ترین شارح دسویں میں اسوۂ حسنہ گیارھویں میں مجموعۂ حسنات ۔ بڑی مفصل اور مکمل بحث ہے تقریباً سیکڑوں کتابوں اور مدتوں کے غور و فکر کا نچوڑ ہے —

کتاب الحجاب

(مولفہ میاں حبیب الرحمان صاحب رئیس
حاجی پورہ ریاست کپورتھلہ قیمت چھ آنے)

اس رسالے میں نقل و عقل سے پردے کا جواز ثابت کیا گیا ہے - قابل مولف نے پردے کے اس تشدد کو جائز رکھا ہے جو عموماً اس وقت ہندوستان میں رائج ہے - ان کے خیال میں ہندوستان کا اور خاص کر شرفائے ہندوستان کا پردہ ہی اصل پردہ اور شرعی

پھرتی ہیں - ان کی رائے میں عورتیں حتی‌الوسع ڈولی میں سفر کریں - عورت گھر کی چہار دیواری ہی میں رہے - آواز بھی ان کی نہ سنائی دے - اگر نکلیں تو رات کو نکلیں وہ بھی خاص اہتمام سے - ایسی عورتوں سے تو پنجرے کے طوطے مینائیں اچھے - یہ ... جانم تھے - ولیم نے ... کی تعریفیں ہی تعریفیں لکھی ہیں ان کو ... میں کوئی ... کسی قسم کی نظر نہیں آئی - یہ بالکل یکطرفہ رائے ہے

مخزن نجات

(پہلا حصہ - مترجمہ شرف الدین احمد خاں صاحب - چھوٹی
تقطیع صفحات ۱۶ - مطبوعہ مطبع معارف - اعظم گڑھ قیمت دو آنے)

مولانا عبدالرحمن جامی (رح) نے آنحضرت (صلعم) کی چالیس حدیثیں جمع کی تھیں جو اخلاقی مسئلہ پر مبنی تھیں - ان کا ترجمہ شرف الدین احمد خاں صاحب نے چالیس اردو میں مخزن نجات کے نام سے شائع کیا ہے —

متفرق

تلاش حق

(مہاتما گاندھی کی آپ بیتی - مترجمہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب
ایم - اے ، پی ، ایچ - ڈی ، قیمت جلد اول ایک روپیہ کلدار جلد دوم ایک
ایک روپیہ کلدار - انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہے)

مہاتما گاندھی نے اس کتاب میں اپنی زندگی کی آپ بیتی کہانی بیان کی ہے ... کی کانگریس تک کے وہ سب حالات اس میں آجاتے ہیں جن کا تعلق ان کی زندگی سے کسی نہ کسی حیثیت سے رہا ہے - یہ حالات اصل میں گجراتی زبان میں لکھے گئے تھے پھر دیسائی جی نے انہیں انگریزی کا جامہ

پھیلایا - انگریزی کے علاوہ یورپ اور ہندوستان کی متعدد زبانوں میں ان کا ترجمہ نکل چکا ہے - " تلاش حق " کے نام سے ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اردو میں مہاتما جی کی اس آپ بیتی کو منتقل کیا ہے - مہاتما جی کے اسلوب بیان کی صفائی سادگی اور دلپذیری کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس سلیقہ سے ترجمہ میں قایم رکھا ہے کہ کتاب کو بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے —

آپ بیتی ادب کی ایک بڑی اہم صنف ہے - ہر اعتبار سے اس صنف کی سب شرطوں کو پورا کرنا اور نبھانا بہت مشکل کام ہے - اس صنف ادب کی بنیادی قدر (Value) خلوص ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جنس گرامی دنیا میں کمیاب ہے - روسو کی آپ بیتی " اعترافات " دنیا کی بہترین ادبی کتابوں میں سے ہےمگر اس پر بھی ادب کے مبصرین اور نقادوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ بعض جگہ روسو بھی خلوص کی جانچ پر پورا نہیں اترتا - مگر مہاتما جی کی آپ بیتی پر ادب کا بڑے سے بڑا نقاد بھی یہ اعتراض نہیں عاید کرسکتا کہ اس میں خلوص اور صاف گوئی کی کمی ہے - اس لئے یہ دعویٰ غالباً غلط نہیں ہوگا کہ ساری دنیا کے اس مخصوص صنف ادب میں جس کا ہم نے ابھی اوپر ذکر کیا ہے مہاتماجی کی آپ بیتی چوٹی کی کتابوں میں سمجھی جائیگی —

اس میں مہاتماجی نے اپنی شخصیت کو کھول کر رکھ دیا ہے — اور یہ کوئی آسان کام نہیں - اس کے لئے بڑی اخلاقی جرات درکار ہے - یہ عجیب بات ہے کہ انسان اپنی شخصیت کے بعض گوشوں کو خوب اجاگر کرکے دکھانا چاہتا ہے اور بعض اوقات یہ ذوق نمود اس کی زندگی کے لئے اتنا ہی ضروری ہو جاتا ہے جتنا کہ کھانا پینا یا سانس لینا - اس کی شخصیت کے بعض دوسرے گوشے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں وہ اس طرح چھپاتا ہے جیسے کنجوس اپنی کوڑی کو - آپ بیتی لکھتے وقت انسانی طبیعت کے ان دونوں رخوں میں اعتدال قائم کرنا لکھنے والے کی ذہنی اور روحانی تہذیب کے کامل ہونے پر دلالت کرتا ہے - مہاتماجی نے اپنی زندگی کے ان دونوں رخوں کو جس صاف گوئی سادگی اور ضبط سے بیان کیا ہے وہ نہ صرف ان کی اعلیٰ روحانیت بلکہ بحیثیت ایک ادیب کے ان کے بلند مرتبہ پر دال ہے ضبط اور خلوص . ادب کی جان ہیں اور یہ دونوں ان کی تحریر میں بدرجہ اتم موجود ہیں —

اس پوری کتاب کو پڑھنے کے بعد جو چیز مہاتماجی کی زندگی میں سب سے زیادہ نمایاں نظر آتی ہے وہ ان کی زندگی کا اخلاقی پہلو ہے - ان کی زندگی دراصل اخلاقی تجربوں کی ایک مسلسل داستان ہے - وہ دنیا کی ہر خوبی اور اچھائی کو اخلاقی معیار کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں - اخلاق ہی ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہے اور اس کی بنیادیں مضبوط مذہبی عقائد پر مبنی ہیں - ان کے نزدیک مذہب اور اخلاق کوئی دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کا مجموعی اثر ان کے اعمال کو استقلال اور ان کے ذہن کو تشفی بخشتا ہے- مہاتما جی اپنے اخلاقی معیار کو زندگی کے ہر پہلو پر منطبق کرتے ہیں - مثلاً وہ اکثر کہا کرتے ہیں کہ چرخہ کاتتے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے اس سے بڑھکر ان کے نزدیک دنیا میں اور کوئی موسیقی نہیں - ان کا یہ دعوی شخصی تجربہ پر مبنی ہے - ممکن ہے کہ اور کوئی دوسرا شخص جو حسن صوت کے دوسرے معیاروں کا قائل ہے مہاتماجی کے اس دعوے کی تائید نہ کرے - لیکن اگر اس دعوے کو اچھی طرح سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معلوم ہو کہ یہ دعوی اسقدر غلط نہیں جتنا سطحی طور پر نظر آتا ہے - مہاتما جی چرخے کی ترویج ایک اخلاقی فرض سمجھتے ہیں اور انکا خیال ہے کہ اسکی بدولت لاکھوں انسانوں کی بے بسی اور معذوری دور کی جاسکتی ہے چنانچہ وہ چرخہ کی موسیقیت کا دعوی کرتے وقت حسن صوت کے معیار کو نہیں بلکہ اخلاقی معیار کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں - آپ دیکھیں گے کہ سب مشاہیر کی زندگیوں میں آپ کو بعض ایسی باتیں ملیں گی جنھیں نہ جاننے والے تنگیء خیال سے تعبیر کرتے ہیں - مگر یہ کبھی نہیں فراموش کرنا چاهئے کہ گہرائی کے لئے تحدید بڑی ضروری چیز ہے - انسانی اعمال میں بھی اس قانون کا ویسا ہی اثر ہے جیسا کہ عالم فطرت میں - زندگی اپنے اظہار کی خاطر اپنی وسعتوں کو محدود کرنے اور اپنے پھیلاؤ کو سمیٹنے کی خوگر ہے - وہ اپنے آپ کو اسی صورت سے موثر بناسکتی ہے - انسانی زندگی جب کسی ایک مخصوص معیار کے تابع ہوجاتی ہے تو وہ ساری کائنات کو اس کے رنگ میں رچاهوا دیکھنے کی متمنی هوتی ہے - اگر کوئی حسن پرست (aesthetician) یہ دعوی کرسکتا ہے کہ سچ وهی ہے جو حسین ہے تو یقیناً حق پرست کو بھی یہ دعوی کرنےمیں پس و پیش نہ کرنا چاهئے کہ حسین وهی ہے جو سچ ہے - چرخہ کی موسیقیت کا راز اسی مذکورہ نفسی کیفیت میں مضمر ہے —

تاریخ میں اب تک بہت کم ایسے لوگ ہوئے ہیں جنہوں نے اس خلوص اور تاکید کے ساتھہ اخلاق اور سچائی کو انسانی چلن اور برتاؤ کا سنگ بنیاد سمجھا ہے - اسی حق پرستی کی بدولت مہاتماجی باوجود اپنی " ہمالیہ برابر غلطیوں " کے انسانی فطرت سے مایوس نہیں ہوئے - انہوں نے فوراً اپنی زندگی میں عملی طور پر دنیا کو یہ بتلا دیا کہ واقعی انسانی زندگی کا کمال اسکے اخلاقی کمال میں مضمر ہے - اخلاق انسان کا تمغۂ امتیاز ہے اور اسکی فطرت میں مرکوز ہے - یہ بالکل سچ ہے کہ آدمی کا بچہ جس وقت زندگی میں قدم رکھتا ہے تو معاً اس کا تعلق دو مختلف عالموں سے قایم ہو جاتا ہے - پہلا عالم فطرت اور دوسرا عالم اخلاق - اس کی زندگی ایک طرف تو فطرت کی مساعدت پر منحصر ہوتی ہے اور دوسری جانب اخلاق پر - پیدا ہونے کے بعد ذمہ داری، بے غرضی اور الفت کی آغوش میں اس کی تربیت ہوتی ہے - اگر نظام اخلاق نہ ہوتا تو شاید فطرت کی بے پناہیوں کا مقابلہ اس کے نازک اور کمزور بازو نہ کر سکتے - جوں جوں وہ عمر میں بڑھتا جاتا ہے اسکا یہ تعلق اور زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے - غرضکہ اس سے شاید ہی کوئی انکار کی جرأت کرے کہ انسانی زندگی کا سب سے اعلیٰ معیار اخلاق ہے جو مہاتماجی کے نزدیک حق پرستی کا دوسرا نام ہے —

" تلاش حق " ایک ایسے شخص کی زندگی کی کہانی ہے جسنے اپنی ساری عمر اخلاقی تجربوں میں گزاری ہے اس پاک کہانی سے ہزاروں کو ہدایت اور روحانی روشنی ملسکتی ہے —

ظاہر ہے کہ جس کتاب میں یہ کہانی بیان کی گئی ہے اسے دنیا کی چوٹی کی کتابوں میں شمار کرنا مبالغہ نہ ہوگا - ہم جامعہ ملیہ کے شکر گزار ہیں کہ اسنے اس کتاب کو چھپواکر اردو داں حضرات کو اسکا موقع بہم پہونچا دیا کہوہ مہاتماجی کی زندگی کے حالات سے روحانی لطف اور بصیرت حاصل کر سکیں - ہم ڈاکٹر عابد حسین صاحب کو بھی مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے ان تمام معنوی خوبیوں کو اس ترجمہ میں قایم رکھا جو مہاتماجی کی تحریروں کی خصوصیت ہیں —

(ی)

شوپنہار

(مصنفہ مجنوں صاحب گورکھہ پوری مجلد قیمت
ایک روپیہ آٹھہ آنے - ایوان اشاعت گورکھہ پور)

یہ کتاب جناب مجنوں صاحب گورکھپوری نے جرمنی کے مشہور فلسفی شوپنہار کی زندگی کے حالات اور اس کے فلسفہ پر تالیف کی ہے - ایوان اشاعت گورکھپور کی پہلی کتاب ہے جو پبلک کے سامنے پیش کی گئی ہے - ایوان اشاعت کا دستورالعمل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر گورکھپور کے چند متقدر اور اولوالعزم اصحاب کی سرپرستی میں یہ ادارہ قائم کیا گیا ہے اور اس کا مقصد اردو زبان میں علم و ادب کی اشاعت ہے - بڑی خوشی کی بات ہے کہ ملک میں آج کل طرف اردو زبان کو دنیائے علوم و ادب کے خزانوں سے مالامال کرنے کی عام تحریک کے آثار نظر آرہے ہیں - ہمیں امید ہے کہ یہ ادارہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا ---

اس کتاب کے شروع میں ایک دلچسپ تاریخی دیباچہ ہے جس میں شوپنہار سے قبل کے سب اہم یورپی مدارس فلسفہ کا ذکر کیا گیا ہے - پھر شوپنہار کی مابعد الطبیعات ، جمالیات ، اخلاقیات پر محققانہ تبصرے ہیں - آخر میں شوپنہار کی تاریخی اہمیت اور اس کے فلسفہ پر مجموعی تبصرہ ہے - مجنوں صاحب کا اسلوب بیان دلپذیر ہے اور انھوں نے خشک فلسفیانہ مضامین میں نہایت سلیقے کے ساتھہ ادبی چاشنی اور لطف پیدا کر دیا ہے ---

(ی)

اردو کے نئے رسالے

چاند

(اڈیٹر منشی کنھیا لعل صاحب ایم ' اے ' ال ' ال ' بی -
ایڈوکیٹ - الہ آباد - سالانہ چندہ آٹھہ روپیہ)

چاند ہندی کا ماہانہ رسالہ تھا - گزشتہ سال سے منشی کنھیالعل صاحب کے ادبی ذوق کی بدولت اردو میں بھی شایع ہونے لگا ہے - اس میں شک نہیں جیسا کہ اس کے اشتہار میں درج ہے کہ " چاند بہ اعتبار مضامین ' ضخامت ' تصاویر وغیرہ ہندوستان کا سب سے اعلی رسالہ ہے " - رسالہ کیا ہے خاصی کتاب ہے - مضامین ' معلومات نیز دلچسپی اور لطف کے لحاظ سے بہت اچھے ہیں - لکھنے والے بھی قابل ملے ہیں - سنجیدہ مباحث ' فسانے ' نظمیں مختلف دلچسپ معلومات کے مضامین تصویریں بکثرت درج ہوتے ہیں - منشی صاحب نے اس کی ترتیب و اشاعت میں خاص اہتمام کیا ہے اور ان کی کامیابی پر ہم ان کو مبارک باد دیتے ہیں - عنقریب وہ اس کا اڈیٹر نمبر شایع کرنے والے ہیں جس میں اردو رسالوں کے قابل اڈیٹروں کے مضامین ہوں گے - یہ جدت منشی صاحب کے دماغ کا نتیجہ ہے - امید ہے کہ یہ نمبر بہت پر لطف ہو گا —

ادیب

(اڈیٹر مرزا اشرف بیگ - پشاور سالانہ چندہ تین روپیہ آٹھہ آنے)

یہ ماہانہ رسالہ پشاور سے شایع ہوتا ہے - اس کا عید نمبر تبصرے کے لئے ہمارے پاس آیا - حیرت ہے کہ سرحدی مقام پشاور سے ایسا اچھا رسالہ کیونکر شایع ہوا - تقریباً ایک سو ساٹھہ صفحے کی ضخامت ہے - مختلف قسم کے مضامین نظموں اور تصویروں نے اسے بہت دلچسپ بنا دیا ہے - گو اس رسالہ کا پایہ ادبی

اور علمی لحاظ سے بہت بلند نہیں ہے مگر سرحدی صوبہ کے صدر مقام سے اچھے اور خوب صورت رسالے کا نکلنا حیرت انگیز ضرور ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں کسی دوسرے صوبے سے پیچھے نہیں ہے —

کرنو

(اڈیٹر ظفر تاباں ـ دہلی ـ سالانہ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

یہ ماہانہ رسالہ دہلی سے شایع ہوتا ہے ـ اگر چہ ہر چیز سے معمولی ہے مگر پھر بھی پڑھنے کے قابل ہے ـ اتنا سستا اور اوسط درجے کا اچھا رسالہ مشکل سے ملے گا —

خیالستان

(اڈیٹر اختر شیرانی ـ فیلمنگ روڈ لاہور)

اس کے عنوان پر لکھا ہے " اردو علم ادب کی رنگینیوں کا ماہوار مجموعہ " اور یہ بالکل صحیح ہے ـ اس سے زیادہ ہم اس کی تعریف نہیں کر سکتے ـ اختر شیرانی کی جدت طبع اور جودت خیالستان کی سیر کے لئے کافی ترغیب ہے —

تصحیح

رسالہ اردو بابت ماہ جولائی سنہ ۳۰ ع میں صفحہ ۵۱۹ پر کتاب " ہند و عرب کے تعلقات " کے تبصرے میں سطر (۲۲) میں سہواً بجائے امام زین‌العابدین کی والدہ کے امام حسین علیہ اسلام کی والدہ لکھا گیا ہے ـ براہ کرم اس کی تصحیح فرمائی جائے —

(ایڈیٹر)

اردو

دسویں جلد

سنہ ۱۹۳۰ع

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

اردو

A.G

دسویں جلد — سنہ ۱۹۳۰

فہرست مضامین

(الف) مقالے

(ب) نظمیں

تبصرے

اُردو کے جدید رسالے

متفرقات

(نوٹ - کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

انجمن کے مطبوعات

(درسیہ عثمانیہ)

(یعنی اردو کا قاعدہ اور ابتدائی سات ریڈریں ' مرتبۂ انجمن ترقی اردو)

یہ سلسلہ انجمن ترقی اردو نے سررشتۂ تعلیمات ممالک محروسہ سرکار عالی کی تجویز و منظوری کے مطابق ریاست حیدرآباد دکن کے مدارس کے لئے مرتب کیا ہے - اس سلسلے میں قاعدہ بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ بچے کم سے کم وقت میں نہایت سہولت کے ساتھ صحیح طور پر اردو لکھ پڑھ سکیں ریڈروں کی زبان بہت صاف ستھری اور فصیح ہے - مضامین دلچسپ اور کار آمد ہیں - اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ زبان کی فصاحت اور بیان کی دلچسپی کے ساتھ بچوں کے معلومات میں بھی اضافہ ہو - اس لئے تاریخ ' جغرافیہ ' ہیئت ' زراعت ' مناظر قدرت اخلاق وغیرہ پر بہت اچھے اچھے سبق خاص خاص لوگوں سے لکھوائے گئے ہیں - نظمیں کچھ تو پرانی ہیں اور کچھ نئی لکھوائی گئی ہیں جو بہت ہی پر لطف اور سبق آموز ہیں - آخری ریڈروں میں کچھ حصہ نامور انشا پردازوں کے نظم و نثر کے کلام سے انتخاب کیا گیا ہے ' لیکن وہ انتخاب طلبہ کے ذوق کے مناسب اور ان مصنفین کا بہترین کلام ہے - تصویریں رنگین اور سادہ خاص طور پر تیار کرائی گئی ہیں طلبۂ مدارس کے لئے اردو میں اس سے بہتر اب تک کوئی درسی سلسلہ نہیں لکھا گیا ہے قیمت قاعدہ تین آنے - پہلی ساڑھے چار آنے - دوسری ساڑھے چھ آنے - تیسری ساڑھے سات آنے - چوتھی ساڑھے نو آنے - پانچویں ایک روپیہ - چھٹی ایک روپیہ ایک آنہ - ساتویں ایک روپیہ دو آنے

(مٹریکولیشن کا نصاب اردو)

مجلس نصاب اردو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی ہدایت کے مطابق جناب مولوی عبدالحق صاحب بی - اے (علیگ) آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو نے مرتب کیا - قیمت دو روپیہ —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں)

(تاریخ ھند)

ھندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ھاشمی صاحب فرید آبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمائش پر لکھی ھے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ھے - اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ھند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ھے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ھے - قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

(قواعد اردو)

یہ کتاب جناب معتمد صاحب انجمن ترقی اردو کی بیش بہا تالیف ھے بلا خوف تردید کہا جا سکتا ھے کہ زبان اردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ' سہل ' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوئی - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی ھے - جامعۂ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ھے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بیحد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ھے - شروع میں اردو زبان اور اس کے ادب پر لا جواب بسیط مقدمہ بجائے خود قابل دید ھے - انجمن نے اپنے پریس میں عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ھے ' کاغذ بہت عمدہ ' جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' مجلد دو روپیہ ۸ آنے —

(دیوان اثر)

سید محمد نام اثر تخلص ' خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی تھے ان کا کلام فصاحت اور سلاست کا اعلی نمونہ ھے - واردات قلبی کو ایسی صفائی ' حسن و خوبی اور درد کے ساتھہ بیان کرتے ھیں کہ بیان سے باھر ھے - دیوان بڑی جستجو اور تلاش سے کمال صحت کے ساتھہ طبع کیا گیا ھے - اثر کا کلام اردو ادب میں خاص درجہ رکھتا ھے - اس میں نہ بعید از کار تشبیہات و استعارات ھیں نہ تخیل کی بلند پروازی ھے ' چھوٹی چھوٹی بحریں اور سادہ سادہ لفظ ھیں لیکن زبان اور بیان کے حسن نے جادو کا کام کیا ھے - زبان و ادب کے شائقین کے لئے یہ کلام ' جو اب تک نایاب تھا ایک بڑی نعمت ھے - قیمت مجلد دو روپیہ غیر مجلد ڈیڑہ روپیہ —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن).

(نوٹ ; کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (لغت اصطلاحات علمیہ) ———

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ ' جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں

Astronomy, Botany, Economics, History, (Constitutional, Greece England, etc) Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differential Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archæology —

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین زبان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین و مترجمین کے لئے نا گزیر ہے —

حجم ۵۳۸ صفحے - قیمت مجلد چھہ روپے —

——— (بجلی کے کرشمے)

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خان صاحب بی اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعے کے بعد لکھی ہے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہے اور سہل زبان میں لکھی گئی ہے - ہمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہے ' کہاں سے آتی ہے اور کیا کام آسکتی ہے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہے - لڑکوں لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہے - قیمت ایک روپیہ بارہ آنے —

——— (البیرونی) ———

مصنفۂ مولوی سید حسن برنی صاحب بی اے - اس کتاب میں علامۂ ابو ریحان بیرونی کے حالات ہیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ہے - انجمن ترقی اردو نے اب دوسرا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی اور اضافۂ مضامین کے ساتھہ نہایت عمدہ کاغذ پر چھپوایا ہے - قیمت فی جلد مجلد دو روپے - غیر مجلد ڈیڑہ روپیہ —

المشتہر ———————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(مثنوی خواب و خیال)

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لا جواب مثنوی نایاب تھی ' بہت کوششوں کے بعد خوش نصیبی سے انجمن ترقی اردو کو دستیاب ہوگئی اور خاص اہتمام کے ساتھہ عمدہ ٹایپ میں اعلی درجہ کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے ' جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرما کر اس مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے - یہ مثنوی آج تک ناپید تھی ' تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آجاتا ہے ۔ حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا ہیں ۔ جو قابل دید اور نہایت پاکیزہ ہیں - یہ مثنوی اردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور قدردانان اردو کی خدمت میں انجمن کا ایک علمی ہدیہ ہے ' جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زاید ۔ قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ -

(انتخاب کلام میر)

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدر دان ۔ اردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے جو جناب مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے - یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہوچکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اب تیسری بار انجمن ترقی اردو پریس نے اپنے مشہور اور نفیس ٹایپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا ۔ نہایت عمدہ - حجم دو سو صفحات سے زیادہ ' جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا زبردست و دلچسپ مقدمہ ہے ' قیمت مجلد دو روپے آٹھہ آنے —

المشتہر ——————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ - کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(بزم مشاعرہ)

عالی جناب مہاراجہ سرکشن پرشاد "شاد" مدظلہ العالی صدر اعظم دولت آصفیہ دکن کی تشریف آوری اورنگ آباد کے موقع پر اور دل چسپ ہنگاموں کے علاوہ ایک نہایت پر تکلف، شاندار مشاعرہ بھی حضرت موصوف کی صدارت میں بمقام مقبرہ ہوا - اس مشاعرے کا گلدستہ نہایت خوش نما، نظر فریب دو رنگوں میں طبع کیا گیا ہے - شروع میں جناب صدر مدظلہ کی پاکیزہ تصویر اور جناب معنوی صدیقی کے قلم کا دل پذیر دیباچہ بھی قابل دید ہے - سہ ورق بھی خوب صورت اور شاندار ہے - آخر میں وہ قصائد بھی شامل کردیے گئے ہیں جو اورنگ آباد کالج میں پڑھے گئے تھے - نفاست پسند ارباب ذوق کے لئے بہت تھوڑی تعداد میں یہ گلدستہ طبع ہوا ہے - قیمت آٹھ آنے —

(تاریخ اخلاق یورپ)

اس کتاب کے اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر، تحقیق و صداقت کا مرادف ہے - یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن، اصول اخلاق، مذاہب و خیالات کا مرقع ہے - مترجمۂ مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے، جلد اول مجلد ۳ روپے، جلد دوم مجلد دو روپے ۸ آنے —

(دیباچۂ صحت)

اس کتاب میں مطالبات صحت پر (مثلاً ہوا، پانی، غذا، لباس، مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ مؤثر و دلپذیر ہے، ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا - حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپے —

المشـــــــــــتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(کلیات ولی)

ولی دکنی کے نام سے کون اردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں اور یہی گویا ہماری شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اس کا کلام اُس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب ' احسن ' مارہروی نے نہایت محنت اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں اکثر غلط اور نا مکمل ہیں یہ کلیات ۱۷ - ۱۸ قدیم ' قلمی ' نایاب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کرکے کئی سال کی لگا تار محنت وکاوش سے مرتب کیا گیا ہے —

اس نادر الکلام استاد کا کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی اور چار سو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے - شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسیط اور قابل قدر مقدمہ ہے ' جس میں موصوف نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت سے فراہم کرکے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے —

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے ' جس میں ان تمام قدیم ' متروک ' اجنبی ' ہندی ' دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جابجا آئے ہیں - آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمۂ اختلاف نسخ ہے ' جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے ' اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ' دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دے کر بتا دیا ہے - یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے - اور کئی ماہ کی مسلسل محنت سے تیار ہوا ہے - ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ' قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دانان اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ موجود رہے - حجم تقریباً آٹھ سو صفحات ' قیمت مجلد ۵ روپے ' غیر مجلد ۴ روپے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)

نوٹ ; کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

۱ ——(علم المعیشت) ——

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے - معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے ' اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے ' حجم ۸۸۵ صفحے ' قیمت مجلد ۵ روپے آٹھہ آنے —

—— (تاریخ یونان) ——

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست و شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں ' اس کتاب کو حد درجہ مفید پائیں گے قیمت مجلد ۲ روپے —

—— (چمنستان شعرا) ——

ایک قدیم و نایاب اردو زبان کے شاعروں کا تذکرہ ہے ' جو انجمن ترقی اردو نے نہایت اہتمام سے شایع کیا ہے ' اور اس کی تصحیح و ترتیب میں نہایت محنت و کوشش سے کام لے کر ایک دل چسپ و محققانہ مقدمے کے ساتھہ چھاپا ہے - تذکرے کے مولف دکن کے مشہور مورخ و تذکرہ نویس لالہ لچھمی نرائن ' شفیق ' صاحب ہیں - سنہ ۱۱۷۲ ھ میں یہ تذکرہ تالیف ہوا ' اور دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ ہی پایا جاتا تھا - عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کا مقدمہ بھی قابل دید ہے - حجم تقریباً ۶۰۰ صفحے - جلد نہایت اعلیٰ قسم کی ' قیمت مجلد پانچ روپے آٹھہ آنے سکۂ انگریزی ' غیر مجلد چار روپے بارہ آنے سکۂ انگریزی —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (اسباق النحو) ——

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنے - حصۂ دوم غیر مجلد ۴ آنے —

—— (مخزن نکات) ——

یہ اردو شعرا کا نایاب تذکرہ ہے - مصنفۂ شیخ محمد قیام الدین ' قائم ' چاند پوری - شروع میں مولوی عبدالحق صاحب بی اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو کا ایک مقدمہ ہے ' جس میں اس تذکرے پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور آخر میں قائم کے کلام کا انتخاب بھی دیدیا ہے - قیمت فی جلد مجلد ڈیڑہ روپیہ —

—— (ذکر میر) ——

ہندوستان میں کون ایسا صاحب ذوق ہوگا جو اردو کے خدائے سخن حضرت ' میر ' کے نام اور کلام سے نا آشنا ہو ۔ ان کے کلام کا پاکیزہ انتخاب عرصہ ہوا کہ انجمن نے شائع کیا تھا جو ملک میں بہت مقبول ہوا اور کئی بار چھپ چکا ہے - اب خاص اہتمام سے میر صاحب کی یہ نادرۂ روزگار سوانح عمری طبع کی گئی ہے جو خود انہیں کے پر سوز و گداز قلم کی تراوش ہے - جس میں انہوں نے اپنے حالات زندگی اور اس وقت کی فضا نیز آخری دور مغلیہ کی تصویر نہایت دل کش انداز سے کھینچی ہے - اور انجمن نے اپنے مخصوص و خوش نما ٹائپ میں چھاپی ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ معتمد انجمن کا مقدمہ بجائے خود قابل دید اور کتاب کی جان ہے - جلد خوب صورت ' حجم ۱۸۰ صفحے ' قیمت دو روپے —

المشـــــــتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (تذکرۂ شعرائے اردو) ———

میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی مثنوی ' بدر منیر ' کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی اور کتاب کو نصیب ہوا ہو - یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی ' بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرے کی خوبی پر کافی شہادت ہے - شروع میں مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی کا ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ ہے - قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنے غیر مجلد ایک روپیہ ۹ آنے —

——— (مقدمات الطبیعات) ———

یہ انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ھکسلے کی کتاب کا ترجمہ ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں مظاہر فطرت کی بحث ہے ' لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

——— (القول الاظہر) ———

امام مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا اردو ترجمہ ہے - یہ کتاب فلسفۂ الٰہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے - قیمت غیر مجلد ۸ آنے ' مجلد ایک روپیہ —

——— (القمر) ———

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ' ان سب کو جمع کر دیا ہے - طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ آنے ' مجلد ایک روپیہ —

المشـــــــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(فلسفۂ تعلیم)

هربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے - فرو و فکر کا بہترین کارنامہ - والدین و معلم کے لئے چراغ هدایت - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے - اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے - قیمت مجلد ۲ روپے ' غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنے —

(جاپان اور اُس کا تعلیمی نظم و نسق)

سرکار نظام کے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظم و نسق کے مطالعے اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو نہایت غور و تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے ' جو ہمارے اہل وطن کے لئے سبق آموز ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرح میں لکھی گئی ہے - ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات بھی ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ نا گزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے دلچسپی اور تعلق رکھتے ہیں - حجم ۳۸۲ صفحے قیمت فی جلد مجلد تین روپے —

(سر گزشت حیات (یا) آپ بیتی)

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشوو نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے - حیات کی ابتدائی حالت سے لےکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقے سے بتایا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھہ سکے - اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ لازم ہے - حجم ۳۰۰ صفحے ' قیمت فی جلد مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

المشـــــــــتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(تاریخ تمدن)

مسٹر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے - الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلے پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے - اس کے مطالعے سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے - حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے - مجلد دو روپے - حصۂ دوم مجلد دو روپے —

(دریاے لطافت)

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے - اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے - اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت مجلد ۲ روپے ' غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے —

(طبقات الارض)

اس فن کی پہلی کتاب ہے - (۳۰۰) صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد دو روپے ۸ آنے —

(مشاہیر یونان و روما)

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمے سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی ' عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپے - مجلد ۴ روپے جلد دوم ۲ روپے ۸ آنے —

المشتہر

انجمن ترقیء اردو ، اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——(رسالۂ نباتات)——

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصطلاحات سے معرا - طلبائے نباتات جس مسئلے کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالے میں مطالعہ کریں ' قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے —

——(فلسفۂ جذبات)——

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - متعلمان نفسیات اسے بہت مفید پائیں گے - قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے - غیر مجلد دو روپے —

——(وضع اصطلاحات)——

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز و عالم مولوی وحید الدین ' سلیم ' مرحوم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعے کے بعد تالیف کی ہے - بقول فاضل مولف " یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی زبان میں " - اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی ' مفرد و مرکب اصطلاحات کے لئے سابقے اور لاحقے ' اردو مصادر اور ان کے مشتقات ' غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں - اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں - لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں - اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات (۳۰۵) قیمت مجلد تین روپے ۱۲ آنے —

المشتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ - کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(نکات الشعرا)

یہ اردو کا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپے بارہ آنے —

(محاسن کلام غالب)

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کا معرکۃ الآرا مضمون ہے - اردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون رسالۂ اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ

(ملل قدیمہ)

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام ، سلطنت کلدانی آشوری ، بابل ، بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت ، عقائد ، اور صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں - اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہے - حالات کی وضاحت کے لئے جابجا تصویریں دی گئی ہیں - صفحہ ۲۸۴ - قیمت مجلد ایک روپے بارہ آنے —

رسالہ اردو کے خریداروں کے ساتھ خاص رعایت

رسالۂ اردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوئی کتابیں فی روپیہ چار آنے کمی قیمت کے ساتھ دی جائیں گی - امید ہے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے —

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ہوتی ہیں ان کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جاسکتی —

المشتہر

منیجر انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ - کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں)

یہ بیش بہا کتابیں انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے مل سکتی ہیں

—— (دیوان غالب جدید و قدیم) ——

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - مرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمۂ ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری مرحوم - مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپے ، غیر مجلد دو روپے آٹھ آنے) ---

—— (حقیقت اسلام) ——

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر کے سی آئی ای سی ایس آئی ، ایم اے ، بی ایل ، ایف آر ایس ، چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی بے نظیر تصنیف نوٹس آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے - اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ جوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں ، زمانۂ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے قیمت مجلد بارہ آنے —

—— (ناٹک کتھا) ——

مولانا محمد عمر نور الہی صاحبان - قدیم ہندوستانی ڈراموں کی کہانیاں نہایت دلچسپ پیرایے میں اس چھوٹی سی کتاب میں جمع کردی گئی ہیں - قیمت فی جلد آٹھ آنے —

—— (سفیر اودھ) ——

آخری بادشاہ اودھ سلطان عالم واجد علی شاہ کے سفیر مولوی محمد مسیح الدین خاں بہادر مرحوم کے خود نوشت حالات - مطبوعۂ الناظر پریس لکھنؤ قیمت فی جلد ایک روپیہ —

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

(خطوط شبلی)

علامۂ شبلی مرحوم کے یہ وہ لا جواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی اور زہرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جواہر پارے اردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقیء اردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے جس نے ان خطوط کے جذبات اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ مولوی محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ ---

(محشر خیال)

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے - سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' ان کے مضامین میں خاص ندرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے - قیمت دو روپیہ آٹھ آنے ---

(چمن)

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذۂ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے - کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت وکتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنے ---

المشتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

—— (موازنۂ انیس و دبیر) ——

میر انیس کی شاعری پر تفصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ - مولفۂ مولانا شبلی نعمانی ' قیمت فی جلد مجلد چار روپے - غیر مجلد تین روپے —

—— (دیوان حالی) ——

شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم کے قطعات ' غزلیات ' قصیدے ' مرثیے ' ترکیب بند ' رباعیاں ' تاریخیں اور متفرق اشعار - قیمت ڈیڑھ روپیہ —

—— (معراج العاشقین) ——

حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز (رح) کی تصنیف ہے اس میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اردو یعنی دکنی اردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقیء اردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمے کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۶ آنے —

—— (وقائع عالمگیر) ——

حضرت اورنگ زیب سلطان ہند عالمگیر کے وقائع زندگی جو خود ان کے مکاتیب اور مستند مورخین کی روایات پر مبنی ہیں - اور جن سے ان کے حقیقی کیریکٹر ' رواداری ' عدل جوئی اور تشریع مذہبی کا کافی ثبوت ملتا ہے - مرتبۂ چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی قیمت مجلد ۲ روپے —

—— (افغان بادشاہ) ——

اعلی حضرت غازی امان اللہ خاں کی عظیم الشان چشم دید داستان حیات ہے - اس لاجواب کتاب کو محمد حسین خاں بی اے (علیگ) ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن افغانستان نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے - شائقین سیر و تاریخ کے لئے خصوصاً اور کافۂ مسلمین کو عموماً لازم ہے کہ اس کتاب کو غور سے مطالعہ فرما کر استفادہ کریں - قیمت فی جلد دو روپے آٹھ آنے —

المشتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (تاریخ زوال روما) ———

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

——— (تاریخ عرب) ———

مصنفہ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتب خانوں کی زینت ہیں - مسلمانوں کی ترقیوں اور عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب و افترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپے ۸ آنے —

——— (یاد گار غالب) ———

یعنی مرزا اسداللہ خاں غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے نظم و نثر اردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب 'حالی' مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپے —

——— (شعر و شاعری) ———

شمس العلما خواجہ الطاف حسین 'حالی' مرحوم کے اردو دیوان کا لا جواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اردو زبان میں اب تک ایسی کتاب نہیں لکھی گئی ہے - قیمت مجلد ۲ روپے ' غیر مجلد سوا روپیہ -

——— (وکرم اُروسی) ———

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمے کے جس میں ہندی ڈرامے کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے - مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپے - غیر مجلد ڈیڑھ روپیہ —

المشـــــــــتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

——— (عروس ادب) ———

مولوی سید ناظرالحسن صاحب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی تاریخی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ - حجم ۲۲۴ صفحہ - سائز ۲۶ × ۲۰ کاغذ عمدہ سفید ' لکھائی چھپائی بہت خوشنما - قیمت فی جلد دو روپے —

——— (خیالات ارونگ) ———

مشہور امریکن مصنف واشنگٹن ارونگ کے بعض دلچسپ مضامین کا بامحاورہ اردو ترجمہ از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا وکیل غازی‌آباد ضلع میرٹھ - قیمت ۸ آنے —

——— (سیرالمصنفین) ———

جس میں انشاپردازان اردو کے حالات زندگی اور اردو زبان کی عہد بعہد کی ترقی و تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے - مصنفۂ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا بی اے (علیگ) قیمت دو روپے —

——— (مصنوعی بیوی) ———

مشہور ہردلعزیز مغربی ناولسٹ آر ' ایچ ' پول کے ایک نہایت دلچسپ انگریزی ناول " ہز میک بلیو وائف " کا اردو ترجمہ از مولوی عباس حسین صاحب لطفی ' قیمت ۱۲ آنے —

——— (خواتین انگورہ) ———

مولفۂ ملا توحیدی صاحب - ترکی کی مشہور و معروف خواتین کے کار نامے - اس کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ جد و جہد میں ترکی خواتین نے کس جوش اور قابلیت سے حصہ لیا ہے - قیمت ایک روپیہ —

——— (جہاں آرا بیگم) ———

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کی سوانح عمری جو نہایت مستند تاریخوں سے لکھی گئی ہے - مولفۂ مولوی ضیاالدین احمد برنی صاحب بی اے - قیمت ۸ آنے —

المشتہر

انجمن ترقیء اردو - اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

تمدن ہند

مصنفۂ ڈاکٹر گستاو لی بان مترجمہ مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم۔ اس کتاب سے کون واقف نہیں! ہر جگہ اس کے شائق موجود ہیں مگر کہیں نہ ملتی تھی۔ اب اس کی چند جلدیں انجمن ترقی اُردو میں آگئی ہیں۔ اور بہت کم قیمت پر بیچی جا رہی ہیں۔ جلد منگوا لیجئے ورنہ اس کتاب کا دوبارہ چھپنا مشکل ہے۔ قیمت فی جلد مجلد پندرہ روپیہ —

تلاش حق

یہ مہاتما گاندھی کی آپ بیتی کا اُردو ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے ، پی ایچ ڈی نے نہایت ستھری اور سلیس زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ دنیا کی ان کتابوں میں ہے جس کا مطالعہ ہر پڑھے لکھے شخص پر لازم ہے۔ جلد اول ایک روپیہ جلد دوم ایک روپیہ —

(دارالمصنفین اعظم گڑھ)

تاریخ فقہ	۴ روپیہ
خلفائے راشدین	۳ روپے ۸ آنے
مہاجرین	۴ روپے
سیرۃالنبی حصۂ اول	۴ روپے
سیرۃالنبی حصہ دوم	۳ روپے ۸ آنے
سیرۃالنبی حصۂ سوم	۴ روپے
شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپے
الکلام	۲ روپے
اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپے
انقلاب الامم	۲ روپے
مکاتیب برکلے	تیرہ روپیہ
سیرالصحابیات	۲ روپے ۴ آنے
روح الاجتماع	۲ روپے
ابن رشد	۲ روپے
گل رعنا	۵ روپے
سیر الانصار حصۂ اول	۳ روپے ۸ آنے
سیرالانصار حصۂ دوم	۳ روپے ۸ آنے
شعرالہند حصۂ اول	۴ روپے
شعرالہند حصۂ دوم	۴ روپے

(جامعۂ ملیہ دہلی)

تاریخ نجد	۱ روپیہ
عربوں کا تمدن	۲ روپے ۸ آنے
تاریخ فلسفۂ اسلام	۲ روپے
تاریخ الدولتین	۲ روپے
سیرۃالرسول	تیرہ روپیہ

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ : کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

خلافت راشدہ	۲ روپے
خلافت بنی امیہ	ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ	دو روپے
خلافت عباسیۂ بغداد	۲ روپے
خلافت عباسیۂ مصر	۲ روپے
مبادی معاشیات	۱ روپیہ
دنیا کے بسنے والے	۴ آنے
قواعد عربی	۲ روپے
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم	۴ آنے
ترکوں کی کہانیاں	۴ آنے
تاریخ ہند قدیم	۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فسانۂ جوش	۱ روپیہ
مجموعۂ قصائد مومن	۱۲ آنے
گوتم بدھ	۴ آنے
مسالک النظر فی نبوت	
سید البشر	۴ آنے
حکایۂ لیلی و مجنوں	۴ آنے
مقتل فریب مغربی معمل خانے	۴ آنے
وکرم اروسی	۱ روپیہ ۸ آنے

فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنے
تاریخ عرب مجلد	۷ روپے ۸ آنے
موازنۂ انیس و دبیر	۳ روپے
مقدمۂ شعر و شاعری	۱ روپیہ ۴ آنے
اصول النسخ	۲ آنے
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ
اسرار زندگی	۱ روپیہ
خوان دعوت	۱ روپیہ
معنوی شوہر	۲ آنہ
الاحسان	۸ آنے
ارض بحرین	۴ آنے
حیات نظامی	۴ آنے
خطاب	۴ آنے
میلاد نبوی	۴ آنے
فریاد امت	۳ آنے

(نظامی پریس بدایون)

قاموس المشاہیر جلد اول	۲ روپے
قاموس المشاہیر جلد دوم	۲ روپے
نکات غالب مجلد	۱ روپیہ

المشتہر

انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)

(کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں)

دیوان غالب مطرح مجلد	۲ روپے ۸ آنے
دیوان جان صاحب مجلد	تیرہ روپیہ
دیوان درد	۱ روپیہ ۴ آنے
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن)	تیرہ روپیہ
خطوط سر سید قسم اول	۳ روپے
خطوط سر سید قسم دوم	۲ روپے
لیتھو گرافی مجلد	۱ روپیہ ۸ آنے
انتخاب زرین مجلد	۲ روپے
قصائد ذوق	۲ روپے
مراثی میر انیس جلد اول مجلد	۱۰ روپے
مراثی انیس جلد دوم قسم دوم	۸ روپے

(تصانیف نور الہی ومحمود عمر صاحبان)

موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ ۴ آنے
ناٹک ساگر (یعنی دنیائے ڈراما کی تاریخ) مجلد ۳ روپے، غیر مجلد	۲ روپے ۸ آنے
تین توپیاں	۸ آنے
ظفر کی موت	۴ آنے
قزاق	۸ آنے
بگڑے دل	۸ آنے

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے ان مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو، وہ بغیر ان سے دوبارہ دریافت کئے، تیار ہوتے ہی ان کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے۔ ہمیں امید ہے کہ قدر دانان زبان اردو ہمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ ان کے اسمائے گرامی اس فہرست میں درج کر لئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہو، فوراً بغیر دریافت کئے روانہ کردی جایا کرے۔ یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ہوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ہوجائے گی ہمیں امید ہے کہ ہمارے وہ معاونین جو اردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ہیں، اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے —

ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شایع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی —

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اُردو دانوں میں مقبول کیا جائے' دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے' ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے۔ ان تمام مسائل کو حتی الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس سے اُردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے —

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایا ہے۔ اس رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کریں گے —

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپے چار آنے سکۂ عثمانیہ)۔

اُمید ہے کہ اُردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سر پرستی فرمائیں گے —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

یادگار مولانا شرر مرحوم

دو سالانہ انعام

زبانِ اُردو کے محسن مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکرٹری انجمن ترقیء اُردو اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسب ذیل دو سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے —

(۱) "عطائے عبدالحق"

رسالۂ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں اول درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے عطا فرمائیں گے —

(۲) "عطیۂ ہاشمی"

کے نام سے دوسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالۂ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلی درجے کی ہوگی

ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کر کے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا ۔ انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہوگا —

المعلن
مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

اردو

انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہے جس میں ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے - اس کے تنقیدی اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں - اردو میں جو کتابیں شایع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالہ کی ایک خصوصیت ہے -

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری اپریل جولائی اور اکتوبر میں شایع ہوتا ہے -

رسالہ کا حجم ڈیڑھ سو صفحہ ہوتا ہے اور اکثر اس سے زیادہ -

قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپے سکۂ انگریزی [آٹھ روپے سکۂ عثمانیہ]

المشتہر: انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد - دکن

نرخ نامۂ اجرت اشتہارات اردو

کالم	ایک بار کے لئے	چار بار کے لئے
۲ کالم یعنی پورا ایک صفحہ	۱۰ روپے سکۂ انگریزی	۴۰ روپے سکۂ انگریزی
ایک کالم (آدھا صفحہ)	۵ روپے سکۂ انگریزی	۲۰ روپے سکۂ انگریزی
نصف کالم (چوتھائی صفحہ)	۲ روپے ۸ آنے سکۂ انگریزی	۱۰ روپے سکۂ انگریزی

رسالے کے جس صفحے پر اشتہار شایع ہوگا وہ اشتہار دینے والوں کی خدمت میں نمونہ کے لئے بھیج دیا جائے گا - پورا رسالہ لینا چاہیں تو اس کی قیمت بحساب ایک روپیہ بارہ آنے سکۂ انگریزی فی رسالہ اس کے علاوہ لی جائے گی —

المشتہر: انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد - دکن

اردو

۱ - یہ انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ - جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شایع ہوا کرے گا —

۲ - یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان اور ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر بحث ہوگی - حجم کم از کم ایک سو اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو صفحے ہوگا —

۳ - بنظر احتیاط رسالہ ذریعۂ رجسٹری بھیجا جاتا ہے

۴ - قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملاکر سات روپیہ کلدار (مع محصول ڈاک وغیرہ آٹھ روپیہ سکہ عثمانیہ) -

۵ - تمام خط و کتابت - مولوی عبدالحق صاحب بی - اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو اورنگ‌آباد (دکن) سے ہونی چاہئیے - -

(باہتمام محمد صدیق حسن منیجر انجمن اردو پریس، اُردو باغ اورنگ‌آباد دکن - میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اردو سے شایع ہوا)